پھلاباب

تمہید، ولادت باسعادت، خاندان اور تعلیم وتربیت

پھلاباب

تمہید، ولادت باسعادت، خاندان اور تعلیم وتربیت

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدالله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله الطاهرين وصحبه الغرالميامين وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين:

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان اس آخری دور والوں پر یہ ہے کہ اس مالک ومختار نے ان کو ایسی کتاب عطا فرمائی، جو آج تک بھی اپنی نور افشانی اور ضیاء پاشی کے ساتھ موجود ہے، اور دوسری طرف اس کے حامل اشخاص کا تسلسل قائم ہے، جس کی وجہ سے یہ آخری دین اپنی پوری توانائی اور قوت کے ساتھ باقی اور نسل انسانی کی رہنمائی کے لیے کامل پیغام اور مکمل نمونہ رکھتا ہے۔

ان برگزیدہ ہستیوں میں مغربی یوپی کی معروف ومشہور شخصیت جن کی روحانیت وبزرگی، للّٰہیت واخلاص اور بےنفسی وتواضع تمام بزرگوں میں معروف ومسلم رہی ہے، اور جن کے فیض سے بڑے بڑے بزرگ مستفید ہوئے جن کا نام نامی شیخ المشائخ، قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری ہے، اب جب کہ یہ حضرات دنیا میں نہیں ہیں، ان کے فیض کو عام کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ ان کے سوانح اور حالات زندگی

قلمبند کیے جائیں، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اب حضرت شاہ صاحب کی مستقل سوانح لکھی جارہی ہے تاکہ اس میخانہ سے وہ حضرات بھی جرعہ نوشی کرسکیں جو براہ راست استفادہ سے محروم رہے ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے۔(۱)

ولادت باسعادت اور خاندان

قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۳ء میں موضع ’’تگری‘‘، ضلع انبالہ (موجودہ یمنا نگر، ہریانہ) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم راؤ اشرف علی خان صاحب سید الطائفہ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت اور ان کے تربیت یافتہ تھے، آپ کی والدہ محترمہ راؤ ولی محمد خان ولد راؤ ذوالفقار علی رائے پوری کی صاحبزادی تھیں، یہ نیک اور پارسا خاتون بھی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے ہی عقیدت کا تعلق رکھتی تھیں۔

آپ کے دادا جناب چودھری رحمت علی خان صاحب اپنے موضع کے بڑے زمیندار اور علاقے کے سرکردہ افراد میں سے تھے، آپ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی قادری مجددی قدس سرہ المتوفی (۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء) خلیفہ و جانشین حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۵ھ-۱۷۸۰ء) کے ہاتھ پر بیعت تھے، اور سلوک واحسان کے منازل طے کرکے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے تھے۔

بچپن میں حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ
اور حضرت گنگوہیؒ کی توجہات اور دعاؤں کا حصول

۱۸۵۷ء م ۱۲۷۴ھ کی جنگ آزادی میں شرکت کی پاداش میں اپنے زمانے کے

(۱) یہ تمہید حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور خلیفہ حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ۵؍شوال ۱۴۳۱ھ کو لکھ کر اس کتاب کا افتتاح فرمایا، اللہ تعالی قبول فرمائے۔ آمین

اکابرین مجددین اسلام سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ اور ان کے دست راست حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ اور قطب العالم حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے خلاف انگریز سامراج نے وارنٹ گرفتاری جاری کیے ہوئے تھے، جنگ آزادی میں بظاہر ناکامی کے بعد، نئی حکمت عملی کے تحت حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا مکہ معظّمہ میں بیٹھ کر کام کرنا ضروری سمجھا گیا، اس سلسلہ میں انگریزوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لیے جو سفر ہجرت کیا گیا، اس میں جمنا پار کے قصبات گمتھلہ، تگری، لاڈوہ، پنج لاسہ اور انبالہ میں خفیہ طور پر قیام کیا گیا، اسی سفر کے دوران ان تینوں اکابرین حضرات نے یکے بعد دیگرے تگری میں جناب چودھری راؤ اشرف علی خان کے گھر پر بھی قیام فرمایا، اس وقت قطب عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی عمر مبارک تین چار سال کے قریب تھی، سب سے پہلے سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ تشریف لائے، چند روز قیام رہا، گاؤں کے بچے جب حضرت قدس سرہ سے ملے، تو ان میں حضرت رائے پوری آپ کو بڑے منفرد نظر آئے، آپ نے ان پر خصوصی شفقت کا اظہار فرمایا اور گلے لگا کر خصوصی توجہ سے پیار دیا، ان کے والد صاحب کو ان کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دیں، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ خفیہ طور پر جب پنج لاسہ تشریف لے گئے، تو آپ کی زیارت اور ملاقات کے لیے آپ کے دونوں عزیز ترین اور اجل خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی بھی یکے بعد دیگر ’’تگری‘‘ تشریف لائے اور یہاں سے پنج لاسہ گئے، ان دونوں بزرگوں نے بھی آپ کو بھرپور توجہ سے پیار دیا اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے، خوب دعائیں دیں۔

حضرت گنگوہی کا حضرت رائے پوری کے گھر قیام

حضرت گنگوہی کو جب پتہ چلا کہ حضرت حاجی صاحب پنج لاسہ میں ہیں، تو حضرت گنگوہی تلاش میں چلتے چلتے تگری پہنچے اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے مکان پر مقیم ہوئے ، یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کو طفولیت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتاب عالم کو اپنے گھر کا مہمان بنا دیکھا، حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا پڑھ کر دم فرمایا۔

حضرت کے والد صاحب کی خوش قسمتی

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کے والد ماجد راؤ اشرف علی خان تگری کے خوشحال زمیندار، نہایت نیک خصال، دیندار شخص تھے، راؤ صاحب کا حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا مگر حسن اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو یہ انمول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے، اس وقت مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر صرف تین یا چار سال کی تھی، راؤ صاحب نے کچھ عجیب اخلاص کے ساتھ مسافر مہمان کی مدارات کی اور شب کو بیعت کی درخواست کرنے لگے، حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ ”اعلیٰ حضرت ابھی تشریف فرما ہیں، اگر یہ قصد ہے تو وقت کو غنیمت سمجھئے“ غرض راؤ صاحب نے آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی و عازم ہوئے۔

حضرت مولانا نے اپنی بے سرومانی اور اندیشہ ناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ معیت قرین مصلحت نہیں، البتہ اگلے دن آپ آئیں، اعلیٰ حضرت سے سفارش کا میں ذمہ دار ہوں، چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چل دئے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت

سے مشرف ہوئے، اگلے دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے ایسی حالت میں بیعت ہوئے جس کو سراسیمگی اور چل چلاؤ کی حالت کہا جاتا ہے۔(۱)

تعلیم و تربیت

آپ کی تعلیم کا آغاز بڑے مبارک طریقے سے ہوا، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس نے ایک دفعہ خود بیان فرمایا:

”جب میری عمر غالبًا پانچ سال تھی، ایک دفعہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ نے مجھے ”توجہ دی“ کہ میرا بدن پانی پانی ہوگیا، پھر اپنی حالت پر آیا، تو فرمایا: ”پڑھ لو!“۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے پڑھنا شروع کیا، سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا اور غالب گمان ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم آبائی وطن ”تگری“ میں ہی ہوئی، حفظ قرآن پاک کے بعد آپ کچھ عرصہ کے لیے لدھیانہ تشریف لے گئے، اس زمانہ میں وہاں جنگ آزادی کے عظیم مجاہد حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب لدھیانوی کا خاندان علم وفضل میں بڑا مشہور تھا، ان کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا مفتی محمد لدھیانوی (دادا مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی) سے آپ نے ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے مشورے کے مطابق مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، باقی تمام کتابیں آپ نے یہیں پڑھیں،

(۱) تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۱۲۲/۱۲۳

۱۲۹۱ھ-۱۸۷۴ء میں کتب حدیث پڑھ کر درس نظامی کی تکمیل فرمائی، یہاں آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں:

آپ کے اساتذہ

(۱) جہاد شاملی وتھانہ بھون میں شریک حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۲) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری قدس سرہ، شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی قدس سرہ۔

(۳) حضرت مولانا احمد حسن کانپوری خلیفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ۔

(۴) حضرت مولانا جمعیت علی صاحب جوکہ بعد میں پروفیسر شعبہ عربی وفارسی گورنمنٹ کالج بہاولپور بنے، ایسے جید علماء ومحدثین سے آپ نے کتب حدیث اور دیگر کتب درس نظامی پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

یہاں سے فراغت کے بعد آپ پانی پت تشریف لے گئے، اور حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی قدس سرہ کے پاس کچھ عرصہ تجوید وقرأت اور دیگر علوم میں استفادہ فرمایا، حضرت قاری صاحب کو آپ کی مشق اور تجوید قرآن پر بڑا اعتماد تھا، چنانچہ فراغت کے وقت موصوف نے اپنا قرآن پاک بطور خاص آپ کو عنایت فرمایا تھا۔

دوسرا باب

سلوک وطریقت اور مشائخ کرام

حضرت میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

دوسرا باب

سلوک وطریقت اور مشائخ کرام

حضرت اقدس میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کی خدمت عالیہ میں

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری جب سہارنپور میں تعلیم کے لیے تشریف لائے، تو اس دوران ہی آپ کا تعلق قطب وقت حضرت میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری سے ہوگیا تھا، چنانچہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری فرماتے ہیں:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب سہارنپور پڑھنے کے لیے آئے تو عصر کے بعد حضرت میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کی خدمت میں طلباء حاضر ہوا کرتے تھے، حضرت بھی طالب علموں کے دستور کے مطابق وہاں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن حضرت میاں صاحب نے فرمایا: آ میرے چاند تجھے بیعت کرلوں، اور سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ کو بیعت فرمایا۔

اس طرح تعلیم کے دوران ہی آپ کا بیعت کا تعلق حضرت میاں عبدالرحیم

سہارنپوری سے ہوگیا تھا، آپ نے بڑی جدوجہد اور عالی ہمتی سے اس سلسلہ کے سلوک اور تمام مقامات کو مکمل فرمایا، اور چند سالوں میں ہی آپ تربیت باطنی اور تکمیل اخلاص واحسان کے اونچے مقام پر پہنچ گئے اور اس سلسلہ عالیہ کے تمام فیوض وبرکات کے مستحق قرار پائے، چنانچہ حضرت میاں صاحب قدس سرہ نے آپ کو دونوں سلسلوں میں خلافت عطا فرما کر خلق خدا کی ہدایت کے لیے مقرر فرمایا، حضرت میاں صاحب کے خلفاء میں آپ کا ایک خاص اور اونچا مقام تھا اور متعلقین ومریدین کی نظروں میں آپ بڑی عزت وشرافت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے''۔

حضرت میاں صاحب سہارنپوریؒ کے سلسلہ عالیہ کے مشائخ

حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری قدس سرہ کے مربی اور شیخ صوبہ سرحد کے علاقہ سوات اور بنیر کے مشہور مجاہد حریت اور شیخ طریقت حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سواتی قدس سرہ (عرف سیدو بابا) تھے، حضرت میاں صاحب ان کے اجل خلفاء میں سے تھے، حضرت اخوند صاحب قدس سرہ نے اس علاقہ میں انگریز سامراج کے خلاف جہاد آزادی کی قیادت فرمائی تھی اور پھر آپ کی ہی کوششوں سے علاقہ ''سوات وبنیر'' میں قبائل کی ایک آزاد حکومت قائم ہوئی تھی۔

حضرت میاں صاحب کے شیخ کی خانقاہ

آپ کی خانقاہ مجاہدانہ خصوصیات کی حامل تھی، آپ کے ایک خلیفہ قاضی سلطان محمود صاحب جو کہ ایک طویل سفر کرکے وہاں پہنچے، سیدو شریف کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں: ''جہاد کی ہر طرف تیاریاں ہورہی تھیں، لشکر جمع ہورہا تھا، روپیہ اور ہتھیار

تقسیم ہورہے تھے، حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں اسلحہ سازی کے اٹھارہ انیس کارخانے قائم تھے، اور ہتھیار بن رہے تھے، آپ اتنے مصروف تھے کہ قدم بوسی دشوار تھی۔

آپ میں جذبہ جہاد کا اس قدر غلبہ تھا کہ جنگ (امبیلہ ۱۸۶۳ء بمطابق ۱۲۸۲ھ) میں آپ نے انگریزی فوج کے ایک سپہ سالار جنرل جمپرلین (سابق وزیر اعظم برطانیہ) کے مقابلہ پر جو کارہائے نمایاں سرانجام دئے وہ آزادی کی تاریخ کا سنہری باب ہیں۔

حضرت میاں صاحب کی بیعت

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میاں صاحب ظاہری علوم نہ پڑھے تھے، الف با، بھی نہیں پڑھا تھا، مضبوط اور پورے قدآور جوان تھے، انگریزی فوج میں بھرتی ہوکر سرحد کی جنگ میں وہاں سوات بنیر پہنچے تو تنبہ ہوا، حضرت اخوند صاحب سے بیعت ہوئے، بیعت میں حضرت نے یہ شرط بھی لی کہ انگریز کی نوکری نہ کرنا، واپس آئے تو نوکری چھوڑ دی، کوئی مجبوری پیش آئی تو پھر نوکری کرلی پھر تنبہ ہوا، اور چھوڑ دی، پھر گئے تو حضرت نے دور سے ہی فرمایا دور ہو دور ہو بیعت ٹوٹ گئی، نوکری کرلی، کئی دن پڑے رہے، تب حضرت نے توجہ فرمائی، معاف کیا، نئے سرے سے بیعت لی اور ذکر جہر بتایا، یہ ذکر ہم جو کراتے ہیں، یہ میاں صاحب کی طرف سے ہے قادریہ خاندان میں، اس میں جس کی صحت اچھی ہو بڑی طبیعت کھلتی ہے، اور حضرت میاں صاحب کیونکہ جسمانی طور پر بھی بہت مضبوط تھے، اس لیے کشف آپ کو بہت ہوتا تھا، اور کوئی شخص نہیں، جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہو، اور اس

نے کچھ کشف نہ دیکھے ہوں۔

انگریز سامراج کے خلاف مجاہدانہ جذبات ہی کے سبب حضرت میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کو بیعت فرماتے ہوئے حضرت اخوند صاحب سواتی نے یہ شرط لگائی تھی کہ ''انگریز کی ملازمت اختیار نہیں کرنی ہے''، اس طرح حضرت بابا سیدو شریف اخوند صاحب کی روحانی اور سیاسی تربیت سے حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری قدس سرہ میں اور ان کے واسطے سے حضرت عالی رائے پوری قدس سرہ میں انگریز دشمنی کے حوالے سے جدوجہد آزادی کا جذبہ پورے عروج پر پایا جاتا تھا، جس کا عملی مظہر ''تحریک ریشمی رومال'' جیسی انقلاب انگیز تحریک کی قیادت اور راہنمائی کی صورت میں سامنے آیا۔

حضرت اخوند صاحب (سیدو بابا) قدس سرہ کے دیگر خلفاء میں حضرت مولانا نجم الدین ہڈے ملا (۱۳۱۹ھ-۱۹۰۱ء) بھی ہیں، جن کے خلفاء میں حضرت حاجی فضل واحد صاحب ترنگ زئی بڑی شہرت رکھتے ہیں، حاجی صاحب ترنگ زئی نے ''تحریک ریشمی رومال'' میں حضرت شیخ الہند اور حضرت عالی رائے پوری کی زیر قیادت بڑھ چڑھ کر مجاہدانہ کارنامے سرانجام دئے، اس حوالے سے یاغستان میں آپ کی جدوجہد بڑی نمایاں ہے۔

حضرت میاں صاحب کے دادا پیر

حضرت اخوند صاحب عبدالغفور سواتی قدس سرہ کے مربی وشیخ حضرت خواجہ محمد شعیب تورڈھیروی قدس سرہ تھے، آپ ان کے خلیفۂ اعظم تھے، حضرت خواجہ تورڈھیروی قدس سرہ بھی جہاں روحانی نسبتوں کے وارث تھے، وہاں مجاہدانہ

خصوصیات آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئیں تھیں، آزاد علاقے میں انگریز کے اثر ونفوذ اور اس کے غاصبانہ تسلط کے خلاف غالباً پہلی آواز خواجہ صاحب موصوف کی تھی۔اس سے پہلے آپ کے دادا حضرت مولانا اخوند محمد رفیق صاحب قندھاری عرف ’’اخون غازی بابا قندھاریؒ اور والد محترم حضرت مولانا رفیع القدر صاحب عرف حافظ گل بابا نے والی افغانستان احمد شاہ ابدالی کے ہمراہ پانی پت کی مشہور اور تاریخی جنگ میں داد شجاعت دی تھی، احمد شاہ ابدالی کے افغانستان چلے جانے کے بعد آپ کے والد محترم نے موضع تورڈھیر تحصیل صوابی ضلع مروان میں مستقل قیام فرمایا تھا۔حضرت خواجہ صاحب میں خاندان کے ان مجاہدانہ جذبات کا بڑا رنگ تھا، چنانچہ انگریز ظالم سے تنگ آکر نوشہرہ کے قریب میدان جنگ میں انگریز اور سکھ فوج کا مقابلہ آپ نے بڑی پامردی سے کیا، انگریز اور سکھ فوج کی قیادت جنرل لارڈ، جنرل وینٹورا اور پنجاب کا ظالم حکمراں سردار رنجیت سنگھ وغیرہ کررہے تھے، حضرت خواجہ تورڈھیری اس لڑائی میں شدید زخمی ہوگئے اور تین دن بعد ۱۴/ مارچ ۱۸۲۳ء مطابق ۱۶/ رجب ۱۲۳۸ء کو آپ نے جام شہادت نوش فرمایا، زخمی ہونے کے بعد انتقال سے قبل حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سواتی قدس سرہ (جو کہ جہاد میں اپنے شیخ کے ساتھ شریک تھے) کو اپنے سینے پر لٹایا اور نسبت منتقل فرمائی، اس طرح حضرت اخوند صاحب نے ذوق جہاد اور جدوجہد آزادی کا جذبہ اپنے مرشد عالی مقام سے ہی پایا تھا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں اخوند صاحب کا تعاون

اس کے بعد ۱۸۳۱ء میں جب حضرت سید احمد شہید قدس سرہ (و ۱۲۰۱ھ ش ۱۲۴۶ھ) اس علاقے میں تشریف لے گئے، تو حضرت اخوند صاحب نے اس سلسلہ میں پورا

تعاون فرمایا، اور اس میں شرکت فرمائی اور سید صاحب کی شہادت کے بعد جماعت مجاہدین کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جنگ امبیلہ میں شرکت اسی سلسلہ کی کڑی ہے، یوں اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ نے تربیت باطنی اور تکمیل سلوک واحسان کے ساتھ مظلوم انسانیت کو ظالم حکمرانوں سے نجات دلانے اور آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں بڑے صبر واستقامت اور پامردی سے حصہ لیا اور رضائے خداوندی کے حصول کے لیے جہاد آزادی کا علم بلند رکھا۔قدس اللہ اسرارہم

حضرت میاں صاحب کے ذکر میں یکسوئی اور انہماک

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا ذکر کے متعلق خود میاں صاحب کا بیان میں نے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری) سے سنا ہے فرمایا کہ دو دو میل تک آواز جاتی تھی، قد آور وجیہ آدمی تھے، آنکھیں بڑی بڑی اور بارعب چہرہ تھا، ایک دن شیر آکر اوپر کھڑا ہوگیا اور اس کی آواز سے سامنے کی پہاڑی کے پتھر کانپ کر گرنے لگے، مگر میاں صاحب نے فرمایا کہ مجھے اتنا بھی احساس نہ ہوا کہ کوئی مکھی کھڑی ہے، آواز سے یکسوئی میں یونہی سافرق آیا، مگر خوف رتی بھر نہ آیا۔

حضرت میاں صاحب کی کرامات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کے متعلق آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

’’حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری جو بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، سہارنپور ہی میں ان کا مزار بھی ہے، عیدگاہ سے سرساوہ کی سڑک پر جاتے ہوئے بائیں جانب ایک مسجد کے قریب ہے، اوران کے کشف وکرامات کے بہت قصے مشہور بھی

ہیں "میرا چاند" ان کا تکیہ کلام تھا"۔

ایک جادوگر کا واقعہ

ہمارے کاندھلہ کے مولوی روشن علی خان اپنے بچپن میں ان کی خدمت میں رہا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وضو کررہے تھے، ایک قندیل اوپر اڑا جارہا تھا، فرمانے لگے میرے چاند! یہ دیکھ کیا جارہا ہے؟ مولوی روشن علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مجھے تو پتہ نہیں یہ کیا ہے؟ فرمانے لگے کہ یہ جادو جارہا ہے، اور مجھے اللہ نے یہ قدرت دی ہے کہ میں اس کو اتارلوں، مولوی روشن علی صاحب نے کہا کہ ضرور اتارلیں، حضرت شاہ صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کیا وہ نیچے اتر آیا، اس میں ایک آدمی کا پتلا بنا ہوا تھا، اور اس میں بہت سی سوئیاں اوپر سے نیچے تک چبھائی ہوئی تھیں، حضرت نے اس سے پوچھا تو کون ہے، اللہ نے اس کو گویائی عطا فرمائی، اس نے کہا میں جادو ہوں، حضرت نے اس سے فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے اور کہا جاوے گا، اس نے بتلایا فلاں جگہ سے آیا ہوں فلاں کو مارنے جارہا ہوں، حضرت نے اس سے دریافت فرمایا کہ جس نے بھیجا اس کا کہنا مانے گا یا ہمارا، اس نے عرض کیا اب تو آپ کا ہی کہنا مانوں گا، حضرت نے فرمایا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا، اگلے دن معلوم ہوا کہ وہ جادوگر مرگیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کیا کہ نہ معلوم وہ اور کتنوں کو مارے گا"۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے سلسلہ میں پیشین گوئی

جب مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب "براہین" لکھی، تو بعض اسے لے کر یوپی پہنچے، اور ہمارے اکابر سے بھی چاہا کہ ایسی مدلل کتاب حمایت اسلام میں لکھنے والے کو

مجدد مانا جائے، اس زمانہ میں میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا مظہر الدین صاحب اور دوسرے حضرات حیات تھے، حضرت گنگوہی کے پاس یہ بات لیجانے والوں کو حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے تو جواب دیا کہ میں یہاں ہوں، مجھے حالات معلوم نہیں، سہارنپور اور ادھر یعنی پنجاب کے علماء سے لکھوالو، میں بھی تائید کردوں گا، اس طرح ٹلا دیا اور سہارنپور والوں نے کہا کتاب کے مضامین کی تائید وتنقید تو ایک بات ہے، مگر مجدد ماننا یہ تو دوسری لائن کی بات ہے، اس لیے میاں صاحب یعنی میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کے پاس جاؤ، میاں صاحب ظاہری طور پر پڑھے ہوئے کچھ نہ تھے، فرمایا کہ بھائی علماء سے پوچھو! میں اس کتاب کو نہ پڑھ سکتا ہوں، نہ یہ میرا کام ہے، عرض کیا گیا کہ علماء نے ہی فرمایا ہے، تو فرمایا کہ بھائی مجھ سے پوچھتے ہو تو سن لو کہ یہ شخص تھوڑے دنوں میں ایسے دعوے کرے گا جو نہ رکھے جائیں نہ اٹھائے جائیں، وہ لگے جزبز ہونے کہ دیکھو علماء تو علماء، درویشوں کو بھی دوسرے لوگوں کا شہرت پانا گراں گزرتا ہے، میاں صاحب نے فرمایا کہ بھائی مجھ سے پوچھا ہے تو جو سمجھ میں آیا بتادیا، ہم تو اس وقت زندہ نہ ہوں گے، تم اب آگے دیکھ لینا۔

جموں کے راجہ کا واقعہ

نیز حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ مولانا مولوی نوازش علی صاحب سے ہی سنا ہوا ہے جو حضرت میاں صاحب یعنی میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر کی خدمت میں بیس سال رہے، اور تمہارے آنے سے ذرا پہلے تک بہٹ کی جامع مسجد کے امام رہے ہیں، بہت اچھے آدمی تھے، جن کا انتقال ہوگیا کہ حکیم

نورالدین جو بعد میں مرزا غلام احمد کے خلیفہ ہوئے، حضرت میاں صاحب کی خدمت میں گیا، بات یہ تھی کہ جموں کا ہندوراجہ پیشاب کے عارضہ میں بیمار تھا، بہت علاج ہوئے، حکیم نورالدین نے بھی علاج کیا، جب فائدہ نہ ہوا تو راجہ درویشوں اور فقیروں کی طرف متوجہ ہوا، حکیم نورالدین کو حضرت میاں صاحب کی خدمت میں سہارنپور بھیجا، اور انہوں نے راجہ کی طرف سے عرض کیا کہ آپ جموں تشریف لے چلیں، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سیکنڈ کلاس کا آمدورفت کا کرایہ، شاہی مہمانی اور پانچ سو روپئے بطور نذر پیش کیا جائے گا، راجہ کے لیے شفاء کی دعائیں فرمائیں، میاں صاحب نے فرمایا کہ راجہ کا اسی بیماری میں انتقال کرنا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، میں دعا کروں گا، مگر تین شرطیں ہیں، اگر وہ راجہ پوری کردے تو میں دعا کروں گا، جس سے جب تک اس کو زندہ رہنا ہے، بیماری کی تکلیف نہ رہے گی، اور جب موت آئے گی تو اس وقت یہ بیماری عود کر آئے گی، شرطیں یہ ہیں کہ راجہ اگر اس کا دل مانے مسلمان ہوجائے، دوسرے اپنی راجدھانی میں قربانی گاؤ سے پابندی اٹھادے، تیسرے اذان بلند آواز سے کہنے کی جو بندش ہے وہ اٹھادے، حکیم نورالدین نے دوبارہ آکر جواب دیا کہ راجہ نے کہا ہے، مجھے مسلمان ہونے میں دل سے انکار نہیں، مگر ایسا کیا تو میری قوم مجھے ہلاک کردے گی، اور قربانی گاؤ سے پابندی اٹھانے سے بھی میرا یہی حشر ہوگا، البتہ اذان بلند آواز سے کہنے کی میں اجازت دے دیتا ہوں، میاں صاحب نے فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں، جو اللہ کو منظور ہوگا وہ ہوگا، مگر تینوں شرطیں مان لیں، تو انشاء اللہ مذکورہ بالا طریقہ پر شفا تا حیات ہوجائے گی، اور موت کے قریب مرض عود کر آئے گا، حکیم نورالدین نے راجہ کی طرف سے میاں صاحب کو وہاں چل کر دعا کرنے پر اصرار کیا کہ ہوجائے جو ہوجائے، آپ چل کر دعا کریں، راجہ کے لیے بیماری میں سفر محال نہ ہوتا تو اس کا زیارت کا شوق بھی

ہے، اصرار بیحد ہوا تو فرمایا کہ نہ بھائی جاتے تو نہیں، اپنے آدمیوں کو دعا کے لیے آپ کے اصرار پر بھیج دیتا ہوں، چنانچہ مولوی نور محمد صاحب (مصنف نورانی قاعدہ) بانی ام المدارس لدھیانہ ان دنوں وہاں پڑھا کرتے تھے، ان پر سو روپیہ قرض تھا، اس سے پہلے مولوی صاحب نے اپنے قرض کی میاں صاحب سے شکایت کی تھی اور میاں صاحب نے مولوی صاحب سے فرما رکھا تھا کہ صبر کرو، اس کا وقت بھی آرہے گا، چنانچہ اس موقعہ پر میاں صاحب نے نور محمد صاحب اور مولوی نوازش علی صاب کو جموں بھیجا، ان کو سو سو روپیہ دیا گیا، مولوی نور محمد صاحب نے اپنا قرض چکا دیا۔

حکیم نورالدین کا واقعہ

تیسری دفعہ حکیم نورالدین صاحب پھر میاں صاحب کی خدمت میں آئے، جب جانے لگے تو مولوی نوازش علی صاحب کا بیان ہے کہ میاں صاحب نے جب حکیم نورالدین صاحب جانے کے لیے رخصت ہو چکے تھے، دوبارہ حکیم نورالدین کو بلوایا اور فرمایا کہ دیکھو دو تین مرتبہ آپ آئے ہو، ایک طرح کا دوستانہ سا ہوگیا ہے، تو اب میرا حق ہے کہ میں ایک نصیحت کی بات آپ کو کہوں، کیا پنجاب میں کوئی جگہ قادیان ہے، عرض کیا کہ ہے، فرمایا وہاں کا ایک شخص خلاف دین بڑے بڑے دعاوی کرتا چلا جائے گا، عرض کیا کہ وہ ہے اور ایسا ہی کر رہا ہے، فرمایا کہ میں لوح محفوظ پر حکیم صاحب آپ کو اس شخص کا مددگار لکھا ہوا دیکھتا ہوں، ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہوگا مگر میری نصیحت یہ ہے کہ اس سے بچنا، حکیم نورالدین نے عرض کیا کہ حضرت ابھی تک تو بچا ہوا ہوں آپ دعا فرمائیں۔(۱)

(۱) ارشادات صفحہ ۱۶۹/تا ۱۷۱/

ایک مرید کو جہاز پر سوار ہونے سے روکنا

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کا تکیہ کلام تھا، میرا چاند، آپ نے ایک مرید کو جو قافلہ کے ہمراہ بندرگاہ پر حج کے ارادہ سے گیا ہوا تھا، خط لکھوایا کہ میرے چاند اب جو جہاز چلنے کو ہے، اس میں اگر مفت بھی بٹھائیں، تو سوار نہ ہونا، چنانچہ اس جہاز میں سہولت کے باوجود اور اس جہاز کے عین موزوں وقت پر پہنچنے کے قرینے کے باوجود اپنے ساتھیوں کے اصرار کے باوجود ان صاحب نے جہاز پر سوار ہونے سے انکار کردیا اور بتادیا کہ حضرت میاں صاحب کا ایسا خط آیا ہے، اس لیے میں سوار نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اس کے بعد والے جہاز پر سوار ہوئے، مگر یہ دوسرا جہاز پہلے سے پہلے جدہ پہنچا، معلوم ہوا کہ پہلے جہاز کے مسافروں میں بیماری پھیل گئی، اس وجہ سے اس جہاز کو راستہ میں ایک پہاڑی پر بہت دن بطور قرنطینہ ٹھہرنا پڑا، اور بعد میں پہنچا، بعض غیر مقلد بھی حضرت کے ان مرید کے ساتھ تھے، انہوں نے بھی اس واقعہ سے متاثر ہوکر کہا کہ ہم ہندواپس آکر میاں صاحب سے ملیں گے، معلوم نہیں کہ ملے یا نہیں۔(۱)

مسئلہ کی تقریر یہ ہے

ایک دفعہ کسی نے مسئلہ پوچھا، وہاں کوئی مولوی صاحب تھے، انہوں نے مسئلہ کی تقریر کی، تو فرمایا کہ میں پڑھا ہوا تو نہیں ہوں، مگر مسئلہ کی یہ تقریر میرے دل کو نہیں لگی بلکہ میرے خیال میں مسئلہ کی تقریر یوں آتی ہے، اور یہ مسئلہ بطور سوال لکھ کر مولانا محمد مظہر نانوتوی صاحب (مدرسہ مظاہر العلوم والوں) کے پاس بھیجو، چنانچہ اس کا جو

(۱) ارشادات صفحہ ۲۲۰ر

جواب مدرسہ والوں کی طرف سے لکھا گیا، وہ آپ کے یہاں پڑھا گیا، بعینہٖ وہی تھا جو آپ نے تقریر فرمائی تھی، سن کر فرمایا الحمدللہ! اللہ کا شکر ہے، اور بہت خوش ہوئے کہ دل ٹیڑھی طرف نہیں چلا، حق کی طرف چلا۔

مولانا نوازش پر نوازش

مولانا نوازش علی صاحب اپنے بچپن سے سہارنپور پڑھتے تھے، اور حضرت کے گھر میں سودا وغیرہ لاکر دیا کرتے تھے، خود ہی فرمایا کہ ایک دفعہ بچپن میں ۱۳/ کا بازار سے سودا لانے گیا، ۱۲/ کا سودا لایا اور ایک آنہ کی اپنے لیے کشمش لے لی، مگر گھر میں سودا تیرہ آنہ کا گنواؤں، تو مائی صاحب کہیں، مرگئے، یہ تو تیرہ آنے کا نہیں ہوا، میں ایک آنہ چھپانے کے لیے پھر اسی طرح گنواؤں، میاں صاحب اندر حجرہ میں سن رہے تھے، فرمایا ایک آنہ کی اس نے کشمش لی، کچھ کھالی، کچھ دانے ابھی تک اس کی جیب میں لگے رہ گئے ہیں، جانے دو، اور آئندہ کو میرا ایک آنہ یومیہ کشمش کا مقرر کردیا، یہاں تک کہ بڑی عمر اور آخری دور تک وہ آنہ یومیہ مجھے عنایت فرماتے رہے، بارہا عرض کیا کہ حضرت اسے جانے دیا جائے، فرمایا جو نیک کام مقرر ہو جائے، اسے حتی الوسع بند نہیں کیا کرتے۔

حضرت رائے پوری کے شیخ میاں صاحب کی وفات

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ اپنے مرشد قطب وقت حضرت اقدس میاں عبدالرحیم سہارنپوری قدس سرہ کی صحبت بابرکت سے فیض یاب ہوکر تربیت باطنی کے جملہ مراحل طے کرچکے تھے، اور سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوکر رائے پور میں قیام فرماتے، اور ایک باغ میں جھونپڑی ڈال کر ہمہ وقت یاد خدا میں مشغول رہتے تھے، اسی اثناء میں آپ کے مرشد

عالی مقام حضرت میاں صاحب سہارنپوری قدس سرہ ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۸۸۵ء اتوار میں انتقال فرما گئے۔

حضرت رائے پوری کا کلیر کا سفر

اس کے بعد حضرت رائے پوری کا معمول کبھی کبھی خاموشی اور پوشیدہ طور پر پیران کلیر جانے کا تھا، چنانچہ حضرت ملا عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ ''ایک دفعہ حضرت رائے پور سے پیران کلیر کے ارادہ سے چلے، میں بھی ساتھ تھا اور طے ہوگیا تھا کہ راستہ میں کہیں مولوی صاحب نہ کہنا، جب حضرت کھجناور پہنچے، تو بستی سے پہلے ہی پوچھا کہ ملاجی کوئی باہر کا راستہ ہے، جو بستی سے باہر باہر نکلتا ہو، میں نے عرض کیا کہ ہے، اس راستہ پر جا رہے تھے کہ حضرت کے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب آگے مل گئے، فرمایا کہ آہا میں تو تمہارے انتظار میں ہی تھا، کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دوں گا، حضرت نے بیحد معذرت کی تو عرض کیا اچھا ذرا ٹھہرو اور کچھ آٹا گوشت وغیرہ کھانے کا سامان گھر سے لائے اور ساتھ ہو لئے کہ جہاں جا کر ٹھہرو گے وہاں پکا کر کھلاؤں گا، چنانچہ مغرب کے وقت فتح پور تھانہ کی مسجد میں پہنچے، راستہ میں سمجھا دیا تھا کہ مولوی وغیرہ کچھ نہ کہنا، اور مسجد میں تینوں اکیلے اکیلے بیٹھنا، ملاجی صاحب نے فرمایا کہ میرے منہ سے نکل گیا کو مولوی صاحب، تو حضرت بہت ہنسے، خیر وہاں نمازی آئے، اندھیرا تھا ایک صاحب نے چراغ لیا اور چراغ سے ہر شخص کو دیکھتا گیا، حضرت کے برابر پہنچا تو کہا آہا، میں تو آپ کو ہی دیکھتا تھا، حضرت نے ان سے بھی معذرت کی، مگر پیش نہ گئی تو فرمایا کہ اچھا اس وقت تو کھجناور والے کھانا پکا کر کھلائیں گے، صبح آپ کھلا دینا، صبح کھجناور والے کو تو واپس بھیج دیا اور کھانا کھا کر وہاں سے چلے، پیران کلیر کی مسجد میں

تنہائی میں وقت گزرنے لگا، نہ دن بھر کچھ کھایا نہ رات کو، نہ اگلے اور اگلے روز، ملاجی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت نے مجھے فرمایا کچھ چنوں کے ستوں تیار کرلو، میں نے بھنے چنے خرید کر پیس کر ستو تیار کر لیے اور میری جیب میں ایک چائے پینے کی پیالی تھی، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ کھائے اور باقی کو فرمایا کہ تم کھالو، رات کو حضرت تھوکنے کے لیے مسجد کی نالی کی طرف گئے، اور کھنکھارے تو سامنے مجاوروں کے ہاں خادم حسین صاحب گھر میں موجود تھے، ان کے سجادہ صاحب سے تعلقات تھے، انہوں نے کھنکھار پہنچان لی اور کہا آہا، مولوی صاحب! آج تو پکڑے گئے اور ملاجی صاحب سے اور بھی شکوہ کیا کہ مولوی صاحب کا اتنا شکوہ نہیں، مگر آپ سے بہت شکوہ ہے، چوری چوری آکر چلے جاتے ہیں، چنانچہ فوراً ایک کمرہ سجادہ صاحب نے خالی کر کے حضرت کے لیے صاف کرنے کا انتظام شروع کر دیا مگر حضرت نے ملاجی صاحب کو فرمایا کہ تنہائی کا مزہ جاتا رہا اور پیشاب وغیرہ کے بہانے سے دونوں وہاں سے چل دئے اور سہارنپور پہنچ گئے۔(۱)

یہاں کی برکت اور دولت اب گنگوہ پہنچ گئی

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ کو حضرت گنگوہی کی طرف رجوع کرنے کی کیسے نوبت آئی؟ تو حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ پیران کلیر حاضری ہوئی، گلابی جاڑے کا موسم تھا، رات کو مسجد میں لیٹا تو گرمی محسوس ہوئی، باہر آکر ہلکی دلائی تھی لے کر لیٹا، تو بوندیں برسنے لگیں، اندر چلا گیا، پھر بارش بند معلوم ہوئی تو باہر آلیٹا پھر بوندیں اتر آئیں، دو دفعہ ایسا ہی ہوا تو تیسری مرتبہ باہر آکر لیٹا تو ارادہ کرلیا کہ خواہ زور کی بارش ہو، باہر ہی لیٹا رہوں گا، بارش شروع ہوگئی، اور

(۱) ارشادات حضرت رائے پوری صفحہ ۶۵/۶۶

خوب بارش کا برسنا محسوس ہوا، اور خیال ہوا کہ رضائی تو اب بھیگ گئی ہے، مگر جب دیکھا تو فرش نہ بھیگا تھا نہ دلائی بھیگی، سب لوگ سو رہے تھے، رات کو آواز آئی عبدالرحیم! میں سمجھا کہ کوئی اس نام کا خانقاہ کا خادم ہے، کوئی آواز دے رہا ہے، کئی بار آواز آئی، تو میں بولا تو آواز آئی ہاں تمہیں ہی بلاتا ہوں، یہاں کی برکت اور دولت اب گنگوہ میں پہنچ گئی ہے، تمہارا حصہ وہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس ہے، وہاں سے جا کر لے لو، وہاں سے چلا آیا مگر حضرت گنگوہی کی خدمت میں نہیں گیا، یہاں تک کہ حج کو جانا ہوا، وہاں حضرت حاجی صاحب اس وقت حیات تھے، حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضری ہوئی، تو حضرت نے فرمایا کہ تم حضرت گنگوہی کے پاس جاؤ۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں

چنانچہ حج کا موسم قریب تھا، گنگوہ جانے کا موقع نہ ملا، آپ غالباً ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران آپ شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی صحبت بابرکت میں رہے، اس صحبت کے ثمرات بڑے عمدہ رہے، آپ کی نسبت نے بڑی ترقی کی اور آپ نے بڑی سرعت کے ساتھ، حضرت حاجی صاحب کے فیضان باطنی کو جذب کیا، آخر ایک دن حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے بھی آپ کو اجازت وخلافت مرحمت فرمائی اور اپنے تعلق قلبی کے اظہار کے لیے وہ قرآن پاک جو آپ کے زیر تلاوت رہتا تھا، آپ کو عنایت کیا، اور فرمایا:

''تم قرآن پاک کے شغل اور اس کے ساتھ عشق ومحبت کی وجہ سے مجھ سے بھی بڑھ

گئے ہو''۔

جب حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر واپس ہندوستان آنے لگے، تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے فرمایا: ''حضرت گنگوہی کے پاس جاؤ'' اور ایک خط بھی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے نام تحریر کرکے عنایت فرمایا، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا معمول تھا کہ ہندوستان میں اپنے خلفاء کے امور کی نگرانی اور اعلی تربیت میں مزید رہنمائی کے لیے قطب عالم امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں بھیج دیا کرتے تھے، اور ہندوستان میں آپ کا فیض حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وساطت سے جاری تھا۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کا تذکرہ

حضرت حاجی صاحب کی شخصیت کی عظمت ورفعت اوران کی بلند نگاہی کا زمانہ نے اعتراف کیا، دینی تفقہ، ایمانی فراست، اور ظاہر وباطن کی اجتماعیت میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، جسے دینی امور کی قیادت حاصل تھی اور امور زندگی کو سمجھانے میں جس کی برتری مسلم تھی، ایک طرف اس نے روحانی تربیت اور قلب ونظر کے تزکیہ کا کارنامہ انجام دیا اور خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات کی صدا لگائی، تو دوسری جانب انگریزوں کی غلامی کے خلاف شاملی کے تاریخی میدان میں جنگ آزادی کی قیادت کی اور وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا فریضہ ادا کیا۔

حضرت حاجی صاحب کی ولادت ۱۲۲۳ھ م ۱۸۰۸ء میں نانوتہ ضلع سہارنپور میں اپنے ننھیال میں ہوئی، جب کہ آپ کا آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تھا، حاجی صاحب کا سلسلہ نسب سیدنا فاروق اعظم تک پہنچتا ہے، سات سال کی عمر میں ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی تربیت کی ذمہ داری شیخ محمد امین تھانوی پر آپڑی، سولہ

سال کی عمر میں آپ نے دہلی کا سفر کیا، اور صرف ونحو کے علاوہ خصوصیت سے فن حدیث کی تعلیم حاصل کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان پر علم کے دروازے کھول دئے اور انہیں تھوڑے ہی عرصہ میں دینی فہم اور کتاب وسنت سے خاص تعلق پیدا ہوگیا۔

صلاح وتقویٰ پیدائشی طور پر ان کی فطرت میں ودیعت کردیا گیا تھا، جس نے آگے چل کر کائنات کے رازہائے سربستہ اور اسرار وحکمت وقدرت ان پر واضح کئے، اور تعلق مع اللہ، مخلوق خدا پر نظر، اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کی فکر اور محبت رسول ان کی زندگی کے امتیازی خصائص بن گئے۔

حاجی صاحب عام علماء ومشائخ کی طرح دین کے صرف کسی ایک پہلو پر عامل نہیں تھے بلکہ وہ دین کو ہمہ جہت اور ہمہ گیر سمجھتے تھے، اور زندگی کے وسیع تناظر میں اس کو راہ نما مانتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کی دینی اور تعلیمی بیداری کے لیے موجودہ حالات کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، اور دلوں میں ایمان وعقیدہ کا بیج بونے کے لئے وسیع تیاری کی۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک المیہ اور دردناک واقعہ تھا، اس کے بعد پورے ملک میں انگریزوں کے اثرات پھیل گئے اور ان کے قدم جم گئے، اس انقلاب کی قیادت کے جرم میں مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا گیا اور ان کو تکلیف پہنچائی گئی، اس ضمن میں حاجی صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ بھی جاری ہوئے، اس لیے انہوں نے اپنے بعض دوستوں کے ساتھ کراچی ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت فرمائی، اور اسی کو اپنا وطن بنالیا، مکہ مکرمہ جانے کے بعد بھی حاجی صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں سے اور یہاں کی آزادی سے دلچسپی رکھی، اور وہاں سے ہدایات سے نوازتے رہے۔

حاجی صاحب کی جدوجہد کے نتیجہ میں علماء ربانی اور مخلص بزرگان دین کی ایک

پوری جماعت پیدا ہوئی، جس نے اصلاح وتربیت کے میدان میں ان کی پیروی کی اور دعوت وارشاد کے ان کے طریقے کو اپنایا اور دوسرے علمی اور دینی حلقوں میں ان کی دعوت اور فکر عام کرنے کے لیے جدوجہد کی، ان مخلص علماء کرام کی اس مخلصانہ جدوجہد کی پہلی کاوش دیوبند کا مرکزی ادارہ ''دارالعلوم'' تھا، جو حاجی صاحب کے خوابوں کی تعبیر اور ان کی آرزؤں کی تکمیل تھا۔

اسی طرح سرزمین حجاز پر بھی حاجی صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، نہ جانے کتنے دلوں کو انہوں نے نور ایمان سے بھر دیا، کتنی عقلوں اور ذہنوں کو جلا بخشی اور عربوں کے معاشرے میں دینی غیرت اور قربانی کے جذبات پیدا کردئے اور دینی فہم اور عمل کے دروازے کھولدئے، اس طرح حاجی صاحب نے حرم کے جوار میں چالیس سال گزارے اور ۱۳؍جمادی الثانیہ ۱۳۱۷ھ ۲۰؍اکتوبر ۱۸۹۹ء بروز جمعہ چوراسی سال تین ماہ بیس روز کی زندگی پاکر واصل بحق ہوگئے اور جنت المعلّٰی میں تدفین عمل میں آئی۔

امام ربانی، قطب عالم
حضرت گنگوہی قدس سرہ کی عالیہ میں

حضرت رائے پوری حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے تو گنگوہ میں امام ربانی قطب عالم حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت عالی رائے پوریؒ کا بیان نقل فرماتے ہیں:

''حج بیت اللہ سے واپس آکر گنگوہ حاضری ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا خط پیش کیا، حضرت گنگوہی کا دستور تھا کہ صبح کو جانے

والے مغرب کے بعد ہی مصافحہ کرلیا کرتے تھے، شام کو جب حضرت گنگوہی سے مصافحہ کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا:

''مولوی عبدالرحیم صاحب! آپ بھی جانا چاہتے ہیں؟''۔

عرض کیا گیا کہ جی ہاں!

حضرت نے فرمایا عشاء کے بعد ملنا، عشاء کے بعد فرمایا، تہجد کے وقت ملنا، چنانچہ تہجد کے وقت مصافحہ کے لیے حاضری ہوئی تو فرمایا:

اچھا آؤ تمہیں بیعت کرلوں، اور پانچوں سلسلوں (چشتیہ صابریہ، چشتیہ نظامیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں بیعت کیا اور فرمایا:

''کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، اسی میں نسبت بڑھتی رہے گی، اور مجاز فرمایا''۔

اس طرح آپ برعظیم پاک وہند کے اس عظیم سلسلہ کے ساتھ جڑ گئے، جس کے تمام علوم وافکار اور ظاہری وباطنی نسبتوں کے امین ووارث سیدالطائفہ حضرت حاجی صاحب، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارہم قرار پاتے ہیں، ان اکابرین ثلاثہ کی ظاہری وباطنی توجہات وعنایات ہرقدم پر آپ کے شامل حال رہیں، خاص طور پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کی صحبت سے آپ نے خوب استفادہ کیا، چنانچہ حضرت امام ربانی قطب عالم گنگوہی نے آپ پر اعتماد کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کو خلافت عالیہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

اہم امور میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا آپ پر اعتماد

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کو اہم معاملات کے حل کرنے کے سلسلہ میں حضرت عالی رائے پوری پر بڑا اعتماد تھا، الجھے ہوئے انتظامی معاملات کو حل کرنے میں آپ کو بڑا

ملکہ حاصل تھا، چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں یکے بعد دیگرے انتظامی مسائل پیدا ہوگئے، اندیشہ تھا کہ مفاد پرست، شرپسند عناصر بڑا فتنہ پیدا کردیں، اس سلسلہ میں ارباب اہتمام وانتظام خاصے پریشان تھے، اسی عالم میں ذمہ داران حضرات حضرت اقدس قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور تمام معاملات اور پیداشدہ مسائل حضرت گنگوہی کے گوش گزار کئے، معاملات کی نزاکت اور پیچیدہ الجھاؤ کے سبب ذمہ دار حضرات کا خیال تھا کہ حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ خود تشریف لے جائیں اور براہ راست اپنی نگرانی میں انہیں حل فرمائیں، حضرت اقدس گنگوہی نے تمام معاملات اور مسائل پوری توجہ سے سنے اور ذمہ دار حضرات سے فرمایا:

''مولوی عبدالرحیم صاحب رائے پوری کو لے جاؤ، یہ عمدگی سے ان معاملات کو سلجھادیں گے، گویا اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا، چنانچہ یہی ہوا، حضرت عالی رائے پوری نے پوری توجہ سے ان معاملات کو سنبھالا، اور اللہ تعالی کے فضل وکرم اور حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کی توجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں شرپسندوں کی سازشیں ناکام ہوگئیں اور یہ ادارے پہلے کی طرح کام کرنے لگے، حضرت اقدس گنگوہی نے آپ کا نام لیکر آپ کی فہم وفراست کی تعریف فرمائی ہے'' حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت گنگوہی قدس سرہ بسا اوقات آپ کا نام لے کر تعریف فرمایا کرتے تھے، اور حضرت کو آپ کے ساتھ ایک خاص اُنس اور وابستگی تھی''۔

دارالعلوم ومظاہر علوم کے سرپرست

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اسی اعتماد کا نتیجہ ہے کہ حضرت عالی رائے پوری کو ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا سرپرست مقرر

کر دیا گیا، ان ذمہ داریوں کو آپ نے زندگی کے آخری ایام تک بڑی فہم وفراست اور عمدگی سے سرانجام دیا، جس کا اظہار مختلف اکابرین کے یہاں بڑی کثرت سے ملتا ہے۔

اپنے شیخ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ سے آپ کی محبت اور اپنے محبوب دوست حضرت شیخ الہند سے قلبی تعلق

جس طرح قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہ کو آپ سے ایک خاص انس اور وابستگی تھی، بالکل اسی طرح آپ کو اپنے شیخ حضرت گنگوہی سے عشق کی حد تک قلبی تعلق اور محبت تھی اور اسی محبت اور قلبی تعلق کا ایک دوسرا پہلو ہی تھا کہ آپ کو اپنے شیخ کے محبوب نظر اور اپنے رفیق خاص ہمدم وہمساز حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ کے ساتھ بڑا خصوصی تعلق اور گہرا لگاؤ تھا، چنانچہ مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک مخلص طبیب نے حضرت عالی رائے پوری کے آخری مرض میں نبض دیکھی اور عرض کیا: ''حضرت! آپ کو تو بہت پرانی تپ (دق) معلوم ہوتی ہے، اور ایسی ہے جیسے کسی غلبہ حزن وغم میں پیدا ہوتی ہے، اور اندر ہی اندر گھلاتی ہے''۔

برس ہا برس گزر جانے پر اس وقت آپ کو جوش آیا اور فرمایا:

''ہاں حکیم صاحب! سچ فرمایا مجھے تپ اس دن شروع ہوئی جس دن حضرت گنگوہی نے اس دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن صاحب (حضرت شیخ الہند) مالٹا میں قید ہوگئے، آج مولانا رہا ہو کر تشریف لے آویں تو کچھ نہ سہی ایک دفعہ تو جھرجھری لے کر اٹھ ہی کھڑا ہوں گا۔

اتنا فرما کر چپ ہوگئے اور آخر اسیر مالٹا کے ہندوستان آنے سے قبل ہی دنیا سے سدھار گئے''۔

تذکرہ عالم ربانی حضرت گنگوہیؒ

حضرت گنگوہی تاریخ ہند کی وہ عظیم شخصیت جو ہر آزمائش میں بے خطر کود پڑتی اور قوت کی کمی اور ضعف واضمحلال کے باوجود ہر مصیبت کے مقابلہ میں ڈٹ جاتی، ہر خطرہ اور آزمائش کا مقابلہ کرتی اور ایک طرف حالات زمانہ اور افراد خانہ کی اصلاح کا فرض ادا کرتی، تو دوسری طرف باطل رجحانات اور ملکی حکومت کا رخ پھیر دیتی، وہ بہت جلیل القدر عظیم المرتبت اور بلند منزلت عالم دین تھے، وفور علم، کثرت معلومات اور وسعت نظر میں ان کے عہد میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، ان کی عظیم ترین علمی خدمات اور بلند کارناموں کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جا سکے گا۔

حضرت گنگوہی ۶/ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ ۱۱/ مئی ۱۸۲۹ء پیر کے دن چاشت کے وقت گنگوہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت ابوایوب انصاری سے جا ملتا ہے، آپ سات سال کے تھے کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، اس لیے آپ کی تعلیم کی ذمہ داری آپ کے دادا شیخ پیر بخش پر آ پڑی۔

آپ کے والد محترم نے اپنے کم سن بچے کی نگہداشت اور تعلیم پر خاص محنت کی، وہ بچپن سے ہی ذکی الحس اور نیک وصالح تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد دینی علوم کی تعلیم کے لیے رام پور کا سفر کیا، اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد بخش رامپوری سے پڑھی، سترہ سال کی عمر میں دہلی کا سفر کیا اور وہاں کے بڑے اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی کے پاس طلب علم میں مشغول ہوگئے، اللہ کی توفیق خاص ہوئی کہ دہلی کالج میں تعلیم کے دوران ہی انہیں ایک مخلص وفاشعار دوست اور بھائی میسر آ گئے، اور حصول علم اور باہمی تبادلہ خیال میں وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون

ومددگار بن گئے، یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ذات گرامی تھی، دہلی کے علمی حلقوں میں یہ دونوں ہی دوست اپنی ذکاوت وذہانت اور اپنی علمی صلاحیتوں کے باعث خاصے مشہور اور ضرب المثل بن گئے تھے۔

حدیث شریف کا فن انہوں نے شاہ عبدالغنی مجددی سے حاصل کیا،اوراپنی ذاتی جدوجہداور ذوق مطالعہ کے باعث اس فن میں کامل دستگاہ حاصل کرلی،اورحدیث کے ایک ممتاز صاحب نظرمحقق عالم دین کی حیثیت سے مشہور ہوگئے،تعلیم سے فراغت کے بعدطلبہ نے ان کی طرف رجوع کیا، یہاں تک کہ یہ فخروسعادت کی بات سمجھی جانے لگی کہ کوئی شخص ان سے حدیث کاعلم حاصل کرے،اوران کے حلقہ درس میں شریک ہوجائے۔

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی علوم اوراصلاح نفس اورتزکیہ قلب اورتقرب الی اللہ کے لیے فکرمند ہوئے،اللہ تعالی نے دستگیری کی اوروقت کے کامل شیخ حضرت حاجی امداداللہ کی خدمت میں پہنچادیا،جن کی تربیت اورتوجہ نے کندن کا کام کیا،اور۴۲ردن میں آپ کوشیخ کامل بنادیا۔

یہاں تک کہ حضرت حاجی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ”لوگوں کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں، پیرومرشد بنانے کے لیے مولانارشیداحمد صاحب کافی ہیں“۔

اس طرح حضرت گنگوہی کبھی درس وتدریس کے واسطے سےاورکبھی اصلاح وتربیت کے واسطے سے دعوت کے کام میں منہمک رہے،اوراس راہ میں اپنی تمام تر خداداد صلاحیتیں وقف کردیں،علمی اور عملی میدان میں ان کی بلندی کا بڑے بڑے علماء نے اعتراف کیا اور یہ ان کے اخلاص اورتعلق مع اللہ کی برکت تھی،جس نے انہیں علم ومعرفت کےاس بلندمقام تک پہنچایا۔

حضرت گنگوہی نے تین مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے حجاز مقدس کا سفرکیا،زندگی کے

آخری وقت صحاح ستہ کی تدریس کا کام انجام دیتے رہے،اس طرح درس وتدریس وعظ وارشاداوراصلاح باطن اورمسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے ۷۸رسال ۷رماہ ۳ردن اس دنیا میں گزارکر ۵رجمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ م ۱۱راگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن اس دارفانی سے رخصت ہوگئے۔

حضرت رائے پوری اکابر ثلاثہ کے جانشین اور قائم مقام تھے

حضرت عالی رائے پوری قدس سرہ کی شخصیت بڑی جامع تھی، آپ نے مجاہدانہ خصوصیت رکھنے والے دوعظیم سلسلوں کے بلندمرتبہ مشائخ سے تربیت اورفیض پایا تھا، بالخصوص اکابر ثلاثہ (سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارہم) کےعلوم وافکاراور جہدوکردارکوجس طرح آپ نے اپنے اندر جذب کیا، اوران کی جامعیت کوجس طرح آپ نے دل کی گہرائیوں میں جگہ دی، اس وجہ سےآپ ان حضرات اکابرثلاثہ کے جانشین اورقائم مقام قرار پائے، اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنے عربی اشعار میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

لَهُم خَلَفٌ فِيهِ اِذَا حَاوَلُوا الْهُدٰى
عَنِ السَّلَفِ الْمَاضِيْنَ لِلْحَقِّ رَافِعٌ
هُمُ الْقُطْبُ اِمْدَادُاللّٰهِ وَقَاسِمُ
اِمَامُ الْهُدٰى نُوْرٌ مِنَ الْعِلْمِ سَاطِعُ
وَمُرْشِدُنَا غَوْثُ الْاَنَامِ رَشِيْدُهُمْ
صَفَتْ وَجَرَتْ لِلدِّيْنِ الْمَشَارِيْعُ

تَخلَّفَ عَنُھُمُ اِذُمَضُوا لِسَبِیُلِھِمُ
تَخَلَّفَ اَمُوَاہُ حَوَتُھَا الُمَنَابِعُ

ترجمہ: (از مولانا اعزاز علی صاحبؒ) لوگ جب ہدایت طلب کرنے کا ارادہ کرتے تھے، تو آپ (لوگوں کے لیے) ان اسلاف بزرگوں کے خلف الصدق (سچے قائم مقام) ثابت ہوتے تھے، جن کا کام صرف یہی تھا کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق (یعنی سچائی کے غلبہ کی جدوجہد) میں مصروف ہیں، آپ ان بزرگوں کے قائم مقام تھے، قطب العالم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا مولوی محمد قاسم نانوتویؒ جو کہ ہدایت کے امام اور علم کے درخشاں نور تھے، اور مرشد عالم غوث زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے قائم مقام تھے، جن کی وجہ سے دین حق کے وہ راستے جو بدعات کی نجاستوں سے مکدر کردئے گئے تھے صاف وپاک ہوگئے، جب یہ (تینوں) حضرات (قدس اللہ اسرارہم) دنیائے فانی سے تشریف لے گئے، تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری ان کے اس طرح قائم مقام بنے، جس طرح بارشوں کا قائم مقام (ابلتا ہوا) وہ پانی ہوتا ہے، جو چشموں سے جاری ہوتا ہے۔

اس طرح حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں:

مرہم زخم خستہ و ناکام دستگیر ارامل و ایتام
خادم شرع جانشین کرام رحمت ذوالجلال والاکرام
زینت وزیب الف ثانی مرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مرد (مسدس مالٹا)

تیسرا باب

خانقاہ ''رائے پور'' منظر وپس منظر

تیسرا باب

خانقاہ رائے پور، منظر و پس منظر

قصبہ رائے پور

رائے پور ایک قصبہ ہے، جو شہر سہارنپور سے بہ جانب شمال ۳۶ رکلومیٹر پر واقع ہے، سہارنپور سے چکروتہ کو جو پختہ سڑک جاتی ہے، اس کے ۳۰ رکلومیٹر سے گندیوڑ کے پل سے جانب شمال ۶ رکلومیٹر پر رائے پور کی بستی آتی ہے، یہ مسلمان راجپوتوں اور مسلمان شرفاء کی بستی ہے، اس قصبہ کی تاریخ کوئی تین چار سو سال پرانی ہے، ویسے تو ضلع سہارنپور، ہندوستان کے مشہور صوبہ (یوپی) کے انتہائی گنجان آباد اور مردم خیز خطہ ''دوآبہ گنگ وجمن'' کا سرسبز و شاداب ضلع کہلاتا ہے، لیکن خاص طور پر اس کا شمالی حصہ ''کوہ شوالک'' کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے ندی نالوں کی بہتات، سرسبز و شاداب اور دلفریب مناظر اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس طرح ''رائے پور'' قدرتی مناظر اور دلفریب گھاٹیوں کے درمیان واقع ایک خوبصورت بستی ہے۔

گنگ وجمن کے درمیان دوآبہ کا مردم خیز خطہ

گنگا وجمنا کے درمیان واقع اس ''دوآبہ'' کی شاید یہی قدرتی خوبصورتی اور فطری حسن ورعنائی ہے، جو صوفیاء کرام اور اولیائے عظام کی انس وطمانیت پسند طبیعت کو

بھا گئی کہ انہوں نے اس علاقہ کو اپنے مسکن اور مرکز کے لیے پسند کیا، عجیب اتفاق ہے کہ دہلی کے اجڑنے کے بعد خانوادۂ ولی اللہی کے جانشین علماء ربانیین اور مشائخ عظام نے اپنے فکر وعمل کا مرکز جن قصبات کو قرار دیا، ان میں تھانہ بھون، دیوبند، گنگوہ، سہارنپور اور رائے پور کی امتیازی شان ہے، اور یہ سب مراکز اسی مردم خیز ''دوآبہ'' میں واقع ہیں، غالباً ان مجددین علماء ربانیین کی انسانیت دوست طبیعت نے اپنے فکر وعمل کو مجتمع کرنے اور خدا پرستی اور انسانیت دوستی کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اس سے بہتر کوئی علاقہ نہیں پایا، اس طرح قدرتی رنگینیوں سے بھرپور یہ خطہ ان کے بلند فکر وعمل کو مہمیز اور ان کے جہد وکردار میں توانائی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ رہا۔

حضرت اقدس عالی کا رائے پور میں مستقل قیام

قطب عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کا آبائی گاؤں ''تگری'' ضلع انبالہ تھا، رائے پور آپ کا ننہالی قصبہ ہے، آپ جب ظاہری وباطنی تربیت سے فارغ ہوئے تو اپنے مرشد اول حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری کی منشاء کے مطابق آپ نے رائے پور میں مستقل قیام کا ارادہ فرمایا، چنانچہ سب سے پہلے رائے پور سے کچھ فاصلہ پر ایک باغ میں آپ نے اپنی خلوت گاہ بنائی، اس میں بیٹھے ذکر وفکر میں مشغول رہا کرتے، عالم پور گاؤں والے راستہ میں ایک کھیت میں ایک چبوترہ بنایا جو ابھی بھی موجود ہے، کچھ عرصہ اسی طرح گزرا، اس کے بعد آپ کے ننہال کی طرف سے جو تر کہ آپ کو ملا اس میں رائے پور کے قریب ایک قطعہ باغ بھی تھا، چنانچہ اپنے ننہالی عزیزوں کے اصرار اور اشارۂ غیبی کے مطابق آپ نے اس قطعہ باغ میں (۱۳۰۰ھ م ۱۸۸۲ء) میں مستقل قیام فرمایا، یہی باغ بعد میں ''گلزار رحیمی'' کے نام سے معروف ومشہور ہوا۔

گلزارِ رحیمی

اس باغ میں آپ نے دو چار گھاس پھونس کے چھپر ڈلوائے اور بنام خدا ایک تربیتی مرکز کی بنیاد رکھ دی، یہ مرکز ''خانقاہ عالیہ رحیمیہ'' کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہوا، حضرت کے اخیر زمانے میں حضرت کے ایک معتقد حاجی سوندھے خاں نے آپ کی خانقاہ کے لیے ۲/ پختہ کمرے تعمیر کرادئے تھے، جس کی عمارت ابھی تک موجود ہے، جس باغ میں یہ خانقاہ قائم ہے، اس کا محل وقوع بھی بڑا منفرد ہے، گلزارِ رحیمی اور قصبہ رائے پور کی آبادی کے درمیان، دریائے جمنا سے نکلنے والی ''نہر جمن'' خوبصورتی کے ساتھ بل کھاتی ہوئی بہتی جارہی ہے، جس کا صاف وشفاف پانی بڑی تیزی کے ساتھ پتھروں پر سے گزرتا ہوا بادشاہوں کے شہر دہلی کی طرف رواں دواں رہتا ہے، یوں یہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی اپنے تیز بہاؤ کی مدھم آواز کے ساتھ ذکر اللہ کرنے والوں کے دلوں کو بڑی تازگی اور فرحت بخشتا ہے۔

گلزارِ رحیمی میں واقع اس عظیم خانقاہ کے ایک طرف اگر یہ نہر پوری آب وتاب کے ساتھ بہتی رہتی ہے تو دوسری طرف ایک برساتی ندی اس نہر کو کراس کرتے ہوئے برسات کے موسم میں اپنی جولانیاں دکھاتی ہے، اور پھر جس سنگم پر آکر ندی اور نہر باہم ملتے ہیں، اس جگہ برسات کے موسم میں ندی کا پانی بلندی سے جب نیچے گرتا ہے تو ماحول میں ایک عجیب طرح کا جلترنگ پیدا ہوتا ہے، جس سے اہل دل محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہتے، اس طرح خانقاہ ندی اور نہر کے سنگم پر ایک مرتفع مقام پر گھنے باغ کے درمیان واقع ہے۔

اہل دل کے احساسات

قدرتی حسن اور خوبصورتی سے بھر پور ایسے پر فضا مقام پر حضرت اقدس عالی رائے پوری کی ذاتِ قدسی صفات کے فیضان سے رائے پور کے اس باغ میں کچھ ایسی نورانیت

اور کشش پیدا ہوگئی کہ جس کا مشاہدہ، ہر اہل دل کو گلزارِ رحیمی میں داخل ہونے پر ہوتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ باغ کا پتہ پتہ اور نہر کا قطرہ قطرہ ذکر اللہ میں مشغول ہے، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اپنے تاثرات کچھ یوں بیان کرتے ہیں: ''چونکہ صناع بے چوں کی گل کاری کے نظارہ سے حضرت اقدس رائے پوری کی طبع زیادہ مانوس ہے، اس لئے رائے پور کے مغربی سمت، لب نہر جمن شرقی، اس باغ میں آپ کی سکونت ہے، جو دنیا ودین کی راحت رسانی کے اعتبار سے گویا دنیا میں جنت ہے، آپ کی مقبولیت کے آثار بدیہیات سے زیادہ نمایاں ہیں، نقشبندیہ کے فیضان سے انس پانیوالی جماعت کو آبشار نہر کی دلکش صداؤں اور جنگل کے درختوں کی روح بخش سنسناہٹ میں، آپ کی بابرکت ذات کی بقاء حیات کی دعاء مسموع ہوتی ہے، آپ کا فیضان شام کو شبنم اور صبح کو بادِ نسیم بنا کر شاداب قصبہ کے ہر ہر پتہ کو ہرا بھرا بنائے ہوئے ہے، آپ کے حالات اس درجہ عجیب ہیں کہ غنچہ ہائے دل ان کے تصور وخیال سے کھلے جاتے ہیں''۔ (۱)

ایک اور جگہ حضرت مولانا میرٹھی اپنے تاثرات کو الفاظ کا جامہ یوں پہناتے ہیں:

''حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کا قیام قصبہ رائے پور ضلع سہارنپور میں بستی سے باہر ایک باغ میں تھا، جس کے نیچے نہر جاری تھی، اور دنیا ہی میں حق تعالیٰ نے آپ کو ''جنت تجری من تحتها الانهار'' (وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی) کا مصداق بنا رکھا تھا، آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں تھے اور غلبہ کتمان واخلاص کی وجہ سے نقشبندیت کا آپ پر غلبہ تھا کہ باغ کے پتہ پتہ اور نہر کے قطرہ قطرہ سے ذکر اللہ سنائی دیتا اور بے حس وبے مس شخص بھی حاضر خدمت ہوکر اس اندرونی لذت کو محسوس کرتا تھا، جس میں آپ کا اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گزرا کرتا تھا۔ (۲)

---

(۱) تذکرۃ الرشید (۲) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۳۷

خانقاہ عالیہ رحیمیہ کی مرکزیت

قطب عالم حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی ذات والا صفات کے ہمہ جہتی کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خانقاہ رائے پور کو ایسی مرکزیت عطا فرمائی کہ عام طور پر مدارس و مراکز دینیہ اور قومی آزادی کی تحریکات اور جماعتوں کے راہ نما اور منتظمین حضرات اپنی تربیت، نگرانی اور سرپرستی کے لیے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی جانب رجوع کرتے رہے ہیں، اس طرح رائے پور کا یہ مرکز کسی ایک شعبہ دین ہی کا مرکز نہ رہا، بلکہ دین اسلام کے تمام شعبوں میں راہ نمائی کا مرکز بن کر ابھرا، چنانچہ قطب عالم حضرت اقدس عالی رائے پوری کے وصال پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ایسے عظیم منتظم اور مدبر خانقاہ رائے پور کی جانب سے ہونے والی سرپرستی، نگرانی اور تربیت کے انداز کو عربی اشعار میں کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

مَحَطُّ رِحَالِ الطَّالِبِيْــــنَ فِنَاؤُهٗ
يَحُوْمُ عَلٰى مَغْنَاهُ بَانٍ وَشَـــاسِعُ
يَحُفُّوْنَهٗ مِثْلَ النُّجُوْمِ اِذَا اجْتَدَوْا
وَبَيْنَهُــــمْ بَدْرٌ مِّنَ الرُّشْدِ طَالِـــعُ

(الی)

وَتُحْيٰى قُلُوْبُ ذَائِغَاتٍ عَنِ الْهُدٰى
وَتَجَلّٰى قُلُوْبُ صُدُوْرٍ بَنَسْتُهَــا النَّوَازِعُ

ترجمہ: (۱) قطب عالم حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی خانقاہ (رائے پور) طالبین رشد و ہدایت کے لیے پناہ گاہ تھی، قریب کے رہنے والے لوگ ہوں یا دور دراز

کے رہنے والے، ہر طرف سے سبھی لوگ آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

(۲) طالبین رشد و ہدایت دل میں اپنی اپنی حاجات لے کر چاروں طرف سے آپ کو اس طرح گھیر کر بیٹھ جاتے تھے، جس طرح ستاروں کا جھرمٹ کہ جن کے درمیان میں رشد و ہدایت کا چمکتا ہوا چاند موجود ہو۔

(۳) ہم پر اس عظیم انسان کی وفات کی مصیبت نازل ہوئی، جس کی حمایت کا سایہ ہماری پناہ گاہ تھا، جس کی بدولت ہم سے بغض رکھنے والے یا ہمیں دھوکہ دینے والے ذلیل و رسوا ہوتے تھے۔

(۴) ایسے وقت میں جب کہ لوگ آرام سے اپنے گھروں میں سو رہے ہوتے تھے، ہم تیز رفتار سواریوں پر بیٹھ کر آپ کے دولت کدہ خانقاہ رائے پور میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

(۵) خانقاہ رائے پور کی جانب ہمارا یہ سفر اس لیے ہوتا تھا کہ آپ کی محبت اور زیارت کی برکت سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور غنیمت حاصل کریں اور تربیت لے کر مراتب عالیہ پر فائز ہوں اور ہم میں سے جو زیادہ باشعور اور بزرگی حاصل کرنے کے قابل ہوں وہ شعور کی بلندی اور بزرگی حاصل کر سکیں۔

(۶) خانقاہ میں ہم اس لئے بھی جاتے تھے کہ وہاں سے عقل و شعور اور ہدایت کی شراب سے بھرے ہوئے پیالے پئیں کہ جس سے پینے والے کی ہر ہر رگ مستی میں ڈوب جائے۔

(۷) ہمارا یہ سفر اس لیے ہوتا تھا کہ ہمارے اخلاق و عادات پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرے ہو جائیں اور نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات ہم سے بالکل نکل جائیں۔

(۸) ہم خانقاہ رائے پور میں اس لیے بھی جاتے تھے کہ راہ ہدایت سے منحرف قلوب دوبارہ زندہ ہو جائیں اور ان سینوں کی صفائی ہو جائے اور ان کا زنگ اتر جائے، جن پر

جھگڑے پیدا کرنے والی گروہی خواہشات کا زنگ جما ہوا ہے۔(۱)

غرضیکہ خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مرکز سے ارباب دارالعلوم دیوبند سمیت تمام مدارس ومراکز دینیہ کے تمام حضرات جس طرح تربیت حاصل کرتے اور فیض یاب ہوتے تھے، مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عثمانی نے اس کا حقیقت پر مبنی بڑا خوبصورت تجزیہ فصیح وبلیغ عربی میں پیش کیا ہے، یہ پورا مرثیہ پڑھنے کے لائق ہے۔

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور سے جہاں شعبہ سلوک ومعرفت اور شعبہ شریعت ودینی مدارس کے ارباب فضل وکمال تربیت ورہنمائی حاصل کرتے تھے، وہاں سیاسی تحریکات کے ذمہ داران بھی مشورے کرنے کے لیے رائے پور تشریف لاتے اور راہ نمائی چاہتے تھے، چنانچہ تحریک ریشمی رومال کے تقریباً تمام ارکان اصولی ہدایات اور راہ نمائی کے لیے رائے پور حاضر ہوتے تھے؛ بلکہ تحریک ریشمی رومال کے قائد اعلی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا قدس سرہ بھی مشاورت کے لیے رائے پور تشریف لایا کرتے تھے، حضرت شیخ الہند قدس سرہ آپ کے وصال پر اپنے مرثیہ میں فرماتے ہیں:

ہمدمو! رائے کس سے لوگے؟ کہو!
مشورے کس سے اب کروگے، کہو!
راز دل، کس سے اب کہوگے، کہو!
رائے پور بھی کبھی چلوگے؟ کہو!
زینت وزیب الف ثانی مرد!
شاہ عبد الرحیم ثانی مرد!

(۱) قصیدہ عثمانی مطبوعہ دارالعلوم

خانقاہ گنگوہ کی جانشین خانقاہ

اس طرح ''خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور'' کا مرکز ''خانقاہ عالیہ رشیدیہ گنگوہ'' کا نائب اور جانشین بن کر دین اسلام کے تمام شعبوں میں تربیت نگرانی اور راہ نمائی کا روشن مینار بن گیا، اور گنگوہ کے بعد طالبین ''رائے پور'' کے مرکز سے فیض حاصل کرنے لگے، جس کا نقشہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بڑی خوبی کے ساتھ کھینچتے ہیں:

جنھوں رائے پور میں بیٹھ کر گنگوہ دیکھا ہے
انہیں ہی یاد کچھ گنگوہ کا جغرافیا ہوگا

اور حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ بھی رائے پور کی مرکزیت اور اس کی جامعیت کو کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

رائے پور! تجھ سے تھا محط رجال
ہوتا تھا ہر طرف سے شد رحال
اہل مصر وقری کا تھا اک حال
ہوگیا آج سب وہ خواب وخیال
زینت وزیب الف ثانی مرد
شاہ عبد الرحیم ثانی مرد
ایک دم سے ترے بفضل خدا
تھا وہ ام القریٰ وام قریٰ
آج ہو کا مکان ہے اے وا
گونجتی پھرتی ہے فقط یہ صدا

زینت وزیب الف ثانی مرد
شاہ عبد الرحیم ثانی مرو
تھی ہمیشہ سے تیری جائے قرار
جنة ماء نهر ها مدرار
اب وہ ہے نہر چشم دریا بار
ہاتھ مل مل کے کہتے ہیں اشجار
زینت وزیب الف ثانی مرد
شاہ عبد الرحیم ثانی مرو

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی خصوصیات

ہندوستان کی گذشتہ تاریخ کا جن حضرات نے مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس خطہ میں دین اسلام کی انسانیت دوست تعلیمات کو پھیلانے، اس کی سوشل طاقت کو قائم کرنے اور سیاسی ومعاشی نظام کی تکمیل کے پس پردہ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی کاوشوں کا کتنا زیادہ عمل دخل رہا ہے، حضرت علی ابن عثمان الہجویری اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ تک مشائخ کرام کی خانقاہوں کا ایک سلسلہ ہے، جس نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے دور کے تقاضوں کے مطابق انسانیت کی بھلائی کے نظاموں کی تعمیر وتشکیل میں بھرپور کردار ادا کیا۔

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے عالی مقام بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے جامع فکر اور ہمہ جہتی کردار نے گذشتہ دور کے مشائخ عظام کی یاد تازہ کر دی، حقیقت یہ

ہے کہ بظاہر خانقاہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر بلند تر سیاسی شعور اور دینی فہم وبصیرت کے ساتھ تمام معاملات میں رہ نمائی اور سرپرستی کرنا، حضرت رائے پوری کا ایسا امتیازی وصف ہے، جس کی نظیر ماضی قریب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

انقلاب انگیز تحریکوں کی رہنمائی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس حقیقت کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

’’ہندوستان کے متعدد شیوخ کبار جن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (قدس اللہ اسرارہم) کا نام بطور مثال کے لیا جا سکتا ہے، ان حضرات نے اپنے گوشہ عزلت یا مرکز ارشاد وتربیت میں بیٹھ کر بڑی بڑی انقلاب انگیز اور عہد آفریں تحریکوں کی رہنمائی وسرپرستی فرمائی ہے، اور وقت کے فتنوں کا مقابلہ کیا ہے اور اپنے خلفاء اور منتسبین کے ذریعہ اشاعت یا حفاظت اسلام کا نہایت وسیع اور مؤثر کام انجام دیا، ان کی تحریک وترغیب، تحریض وتشویش اور حکم وہدایت سے اور ان حضرات کی نگرانی اور سرپرستی میں ان کے خدام ومنتسبین نے وقت کے اہم تقاضے پورے کئے اور ان خطرات کا سدباب کیا، جو اس وقت مسلمانوں کو درپیش تھے۔

دور سے دیکھنے والوں کی نظر میدان کے انہیں سپاہیوں پر تھی، جو سرگرم اور متحرک تھے، لیکن جو لوگ حقیقت حال سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ اس کام کی، اور ان کام کرنے والوں کی ڈوری کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور جس کا اخلاص، سوز دروں (اندرونی فکر) اور حکمت وفراست ان سے کام لے رہی ہے اور ان (کام کرنے والوں) کے اندر قوت

عمل، جذبہ وایثار اور نظم واتحاد قائم کئے ہوئے ہے، اور وہی اس کام کی قوت واثر کا اصل سرچشمہ، ان کے قلوب کے لیے حرارت اور توانائی کا اصل مرکز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت رائے پوری نے جس ہمہ جہتی انداز میں اپنے دور میں اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اساس پر غلبہ دین کے لیے کام کیا ہے، دور کے تقاضوں کے مطابق اس کی بڑی اہمیت ہے۔

اس کام کے لیے طویل اسفار

حضرت رائے پوری کے فکر وعمل کا مرکز بظاہر رائے پور کا باغ ''گلزار رحیمی'' رہا، لیکن حضرت نے اس کام کے لیے پورے برصغیر میں مسلسل اسفار فرمائے ہیں، چنانچہ حضرت کا معمول طویل اسفار کا رہا ہے، بالخصوص دور دراز کے علاقوں اور انتہائی دشوار گزار مقامات پر بھی احباب کی طلب اور تقاضہ کے مطابق سفر کیا جاتا رہا ہے، اس طرح حضرت کا زیادہ وقت ''رائے پور'' کی بجائے اسفار میں گزرتا تھا، البتہ رمضان کا مہینہ ایک جگہ پوری یکسوئی اور خلوت کی صورت میں گزرتا تھا، باقی سال کے اکثر مہینوں میں اسفار ہی رہتے تھے۔

خانقاہ رائے پور ایک چلتی پھرتی تربیت گاہ

اس طرح گویا ''خانقاہ'' رائے پور ایک چلتی پھرتی تربیت گاہ تھی، جہاں حضرت اقدس رائے پوری تشریف فرما ہوتے، وہی جگہ خانقاہ رائے پوری بن جاتی تھی، چنانچہ قطب عالم حضرت عالی رائے پوری قدس سرہ کے دور کا ایک قصہ سناتے ہوئے خود حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری نے فرمایا:

''جب حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری بہٹ کے نزدیک پیلوں میں قیام

فرماتے تھے، بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت کو ''پیلوں'' سے رائے پور چلنے پر آمادہ کرو، تو میں نے جواب دیا کہ میرے لیے تو جہاں حضرت ہیں وہیں رائے پور ہے، اگر کہنا ہے تو تم کہو، میں کیوں کہوں؟ میرے لئے تو اگر حضرت جنگل میں ہیں، وہی رائے پور ہے، وہی گلزار ہے۔(۱)

محبت وتعلق سے فیض ملتا ہے

حضرت کا وجود مسعود ہی وہ مرکزی شمع تھا، جس کے گرد پروانے اپنی اپنی بساط کے مطابق فیضیاب ہوتے رہتے تھے، یہی نہیں بلکہ جس کا جتنا محبت وعشق کا تعلق بڑھتا گیا، خواہ وہ دور ہی کیوں نہ بیٹھا ہو، اور کسی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہو، اس کو اتنا ہی زیادہ فیض حاصل ہوتا رہا ہے، اصل چیز اپنے بزرگوں کے ساتھ محبت اور عشق کا تعلق رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنا ہے، اللہ تعالی متعلقین ومتوسلین پر فیض کی بارش برساتے رہتے ہیں۔

خانقاہ عالیہ رحیمیہ کی موجودہ صورت حال

حضرت رائے پوری کی خانقاہ کی عمارت حضرت کے ایک معتقد حاجی سوندھے خاں نے تعمیر کرائی تھی، لیکن حضرت نے اپنے وصال سے قبل خانقاہ کی عمارت اور اس کی جملہ چیزیں خانقاہ میں جو مدرسہ چلتا ہے، اس کے لیے وقف کر دی تھی اور خود کرایہ ادا کیا کرتے تھے، حضرت نے اپنی چیزوں کا کسی کو وارث نہیں بنایا، البتہ حضرت کی وفات کے بعد خانقاہ کے کتب خانہ کے متولی حضرت کے بھانجے مولانا محمد اشفاق صاحب رائے پوریؒ رہے جن کو کتب خانہ کی کتابوں کی تولیت حضرت نے اپنی زندگی ہی میں دیدی تھی، گو کہ حضرت کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

(۱) ارشادات صفحہ ۱۰۱ر

ہوئے، اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کے جانشین حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے نواسے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ ہوئے (۱) مگر خانقاہ اور مدرسہ کا نظام مختلف حضرات کے ذریعے انجام پاتا رہا، اس وقت خانقاہ کے روح رواں تقریباً ۱۹۸۴ء سے حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری ہیں، اور انتظامی طور پر حضرت مفتی صاحب کے داماد جناب الحاج عتیق احمد صاحب ہیں، اللہ تعالی اس خانقاہ کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری کے جانشین حضرت مولانا سعید احمد صاحب رائے پوری مدظلہ العالی ہیں، جو پاکستان میں مقیم ہیں۔

چوتھا باب

رمضان کے معمولات، تواضع کے واقعات وکرامات

چوتھا باب

رمضان کے معمولات،تواضع کے واقعات اور کرامات

رمضان کے معمولات

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کی زندگی مجاہدات سے بھری ہوئی ہے ، مجاہدوں سے زندگی میں چمک پیدا ہوتی ہے، اور چونکہ اللہ تعالی کو آپ کی ذات سے کام لینا تھا، اور آپ کو مینارہ نور اور رشد وہدایت کا مرکز بنانا تھا، اس لیے آپ نے اپنی زندگی کو دینی کاموں میں بہت مشغول رکھا، آپ کے شب وروز کے معمولات کسی مجاہد سے کم نہ تھے اور رمضان کے معمولات تو بہت اہم تھے، جس کی بدولت اللہ تعالی نے آپ سے عظیم کام لیے اور آپ اپنے وقت کے عظیم انسان اور مربی قرار پائے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ آپ کے رمضان کے معمولات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''اعلی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ رائے پوری کے رمضان المبارک کے معمولات تذکرۃ الخلیل میں یہ لکھے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم قرآن پاک سے شغف تھا (دون کے دیہات میں بیسیوں مکاتیب قرآن پاک کے جاری کرائے)

اسی طرح خود تلاوت کلام اللہ سے عشق تھا، آپ حافظ قرآن تھے، اور شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت میں صرف ہوتا تھا، رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے ہوں، اور اسی لیے آپ کو لوگوں سے وحشت ہوتی تھی کہ معمول تلاوت میں حرج ہوتا تھا، عصر ومغرب کے درمیان کا وقت عام دربار اور سب کی ملاقات کے لیے مخصوص تھا (از زکریا صبح کے وقت بھی نو دس بجے کے قرب ایک گھنٹہ مہمانوں کی عمومی ملاقات کا تھا اور اس کے علاوہ بغیر کسی خاص ضرورت کے آپ کسی سے نہ ملتے اور حجرہ شریف کے دروازہ بند فرما کر خلوت کے مزے لوٹتے اور اپنے مولائے کریم سے راز ونیاز میں مشغول رہا کرتے تھے، خوراک آپ کی بہت ہی کم تھی اور ماہ رمضان میں تو مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا، ماہ رمضان میں صبح وعصر کے بعد کی مجلس بھی موقوف رہتی تھی، زکریا) افطار وسحر دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چائے اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا''۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے عرض کیا، حضرت! نہ کھانے سے بہت ضعف ہوجائے گا، تو آپ نے فرمایا ''مولوی صاحب اللہ نے فضل فرمادیا ہے، جنت کا مزہ آرہا ہے'' شروع میں آپ قرآن مجید تراویح میں خود سناتے اور دو بجے ڈھائی بجے فارغ ہوتے تھے (ہکذا فی الاصل) مگر آخر میں دماغ کا ضعف زیادہ بڑھ گیا، تو سامع بنتے اور اپنی تلاوت کے علاوہ تین چار ختم سن لیا کرتے تھے، ماہ مبارک میں چونکہ تمام رات اور تمام دن آپ کا مشغلہ تلاوت کلام اللہ رہتا تھا، اس لیے تمام مہمانوں کی آمد آپ روک دیا کرتے تھے (از زکریا مہمانوں کا ہجوم تو رمضان میں اعلی حضرت رائے پوری کے یہاں بہت بڑھ جاتا تھا، البتہ ملاقات بالکل بند تھی، جب حضرت قدس سرہ نمازوں کے لیے مسجد میں آتے جاتے اس وقت دور سے زیارت کرلیا

کرتے تھے) اور مراسلت بھی پورے مہینے بند رہتی تھی کہ کوئی خط کسی کا بھی (الا ماشاء اللہ) عید سے قبل دیکھا یا سنا نہ جاتا تھا، اللہ جل جلالہ کا ذکر جس پیرایہ پر بھی ہو، آپ کی اصل غذا تھی اور اسی سے آپ کو وہ قوت پہنچی تھی جس کے سامنے دواء المسک اور جواہر مہرہ ہیچ تھا"۔(۱)

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت قطب الارشاد قطب عالم گنگوہی کا تو دور میرے بہت بچپن کا تھا، اس کا تو خواب سا نقشہ یاد ہے، مگر اس کا خاکہ بڑے حضرت رائے پوری قدس سرہ کے دور میں خوب دیکھا، چار سو پانچ سو سے زیادہ مجمع ہوتا تھا، اور حضرت قدس سرہ کے یہاں مجلس میں حاضری کا کوئی وقت نہیں تھا، جب حضرت قدس سرہ مسجد میں نماز کے لیے جاتے تھے تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ کھڑا ہوا مجسمہ دیوار بنا ہوا سراپا اشتیاق زیارت کر لیا کرتا تھا، اس کے علاوہ نہ آپس کا ملنا جلنا نہ بات چیت، مہمانداری حضرت قدس سرہ کے یہاں تھی مگر افطار ہو یا سحر، ایسی خاموشی سے سب حضرات کھانے پینے سے چائے اور افطار سے ایسی فراغت پاتے تھے کہ شور وشغب کی آواز اس وقت بھی کان میں نہیں پڑتی تھی۔(۲)

تواضع کے واقعات

تواضع ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو بہت بلند مقام پر پہنچا دیتی ہے، حدیث کے اندر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" مَاتَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ" (۳) جو بھی اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالی اس کو بلند ترین مقام عطا فرماتے ہیں، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب تواضع کے مجسم پیکر تھے، آپ کی زندگی کے

(۱) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۴۸/ (۲) آپ بیتی جلد ۷/صفحہ ۶۹

(۳) صحیح مسلم حدیث ۴۶۸۹/ کتاب البر والصلۃ والآداب

ہر عمل سے تواضع ٹپکتی تھی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی آپ بیتی میں حضرت شاہ صاحب کے تواضع کے واقعات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"اعلی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی تو پوری ہی زندگی تواضع وانکسار کی تھی، ہمارے جملہ اکابر میں اعلی حضرت کی تواضع ضرب المثل تھی، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ اعلی حضرت قدس سرہ کی حیات میں رائے پور تشریف لے گئے، تو ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے"۔

تصوف کے امام

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ فرمایا میں اپنے حضرت کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے، اور تو کچھ نہیں عرض کرتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا، اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو آتی ہو، حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں سالکین کے قلوب سے نکلتی ہے، جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے، تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے، یہ بات میں نے اپنے حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا"۔(۱)

پختہ تعمیر سے اعلی حضرت کو بہت ہی وحشت ونفرت تھی، باغ کی مسجد بھی اخیر زمانہ

(۱) سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری صفحہ ۲۴۳/

تک کچی ہی رہی، کچی دیواریں اوراس پر چھپر پڑا ہوا تھا، اس ناکارہ (زکریا) نے بھی اپنی اوائل عمر میں بارہا دیکھا۔

طبیب کی نادانی پر آپ کا معاملہ

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب تذکرۃ الخلیل میں اعلی حضرت نوراللہ مرقدہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''ایک دفعہ ایک نادان طبیب نے غلطی سے آپ کو زہر دیدیا، فوراً آپ کو قے ہوگئی اور مرض ترقی کر گیا، ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند منٹ قے نہ ہوتی تو جانبری محال تھی، حضرت سے جس کو ذرا بھی تعلق تھا، وہ حکیم صاحب پر آنکھیں نکالتا اور ان کی صورت سے بیزار ہوگیا، مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اپنے خدام کی ان سے یہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن گئی کہ وہ بھی کتمان اور ضبط میں رہی جس کا اثر یہ تھا کہ حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ ان کو سب سے الگ اپنے پاس چارپائی پر بٹھاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے، اور وہ اس کو مناسب مرض بتاتے تو آپ استعمال فرماتے، ورنہ ان سے ایسی ہی باتیں کرتے جس سے ان کو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے معالجہ کے معتقد اور میری حذاقت ومزاج شناسی کے معترف ہیں، اور مخلص خدام سے ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں، غلطی تو ہر بشر کے ساتھ لگی ہوئی ہے، مگر جو کچھ کیا وہ محبت وشفقت ہی کی نیت سے کیا، ان کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھتا ہے، تو میرے دل پر ایک برچھی لگتی ہے، فاعل مختار بجز مولائے کریم کے کوئی نہیں جو ہوا، وہ اس کی مشیت سے ہوا، پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ واوزار کو سرزنش کرے''۔

رفقاء کا خیال

آخری سفرِ حج میں حضرت نوراللہ مرقدہ کے ساتھ سو سے زائد کا مجمع ہوگیا تھا، ممبئی پہنچے تو سب رفقاء کا ٹکٹ موجودہ جہاز سے ملنا مشکل تھا، حضرت اور حضرت کے اہل وعیال اور مخصوص رفقاء کو مل سکتا تھا، مگر حضرت نے جملہ رفقا کے بغیر جانا قبول نہیں فرمایا اور جن کو عجلت تھی ان کو اس جہاز سے بھیج دیا اور خود پندرہ دن تک دوسرے جہاز کے انتظار میں بمبئی تشریف فرما رہے، اس موقع پر بہت سے لوگوں نے حضرت قدس سرہ پر اصرار بھی کیا کہ حضرت باقی رفقاء دوسرے جہاز سے آتے رہیں گے، مگر حضرت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان ساتھیوں کو رنج ہوگا۔

مخدوم زادہ کا خیال

مکہ مکرمہ پہنچ کر مکی احباب نے ایک بہت نفیس مکان حضرت اور حضرت کے رفقا کے لیے پہلے سے کرایہ پر لے رکھا تھا، اور خدام نے حضرت کے کمرہ کو بہت ہی راحت کا بنا رکھا تھا، بعض مکی خدام نے بہت عمدہ مسہری اور نفیس تکیئے گدے حضرت کے کمرہ کے لیے مہیا فرما رکھے تھے کہ بعد میں حضرت صاحبزادہ صاحب حکیم مسعود احمد صاحب خلف الرشید حضرت قطب ارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ حج کے لیے پہنچ گئے، حکیم صاحب کے پہنچنے پر حضرت رائے پوری قدس سرہ نے اپنا کمرہ سجا سجایا مع سامان راحت کے حضرت حکیم صاحب کی نذر کر دیا اور فرمایا کہ مجھ فقیر کے لیے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی راحت ہے، خدام کے ہوتے ہوئے حضرت حکیم صاحب کو تکلیف ہو یہ بہت ناموزوں ہے، حتی کہ میرے حضرت مرشدی (مولانا خلیل احمد صاحب) سہارنپوری نے بھی جو بعد میں مکہ پہنچے تھے، اس پر نکیر فرمائی کہ سارا

سامان لوگوں نے آپ کی راحت کے لیے دیا تھا، مگر حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے یہی ارشاد فرمایا کہ حضرت! مجھ سے دیکھا نہ گیا کہ خادم تو ایسی راحت میں رہے اور مخدوم زادہ معمولی جگہ قیام کرے، حضرت رائے پوری قدس سرہ کے لیے تو خدام نے اس کا بدل کر ہی دیا مگر حضرت رائے پوری قدس سرہ کا عمل ہم نالائقوں کے لیے قابل رشک ہی ہوسکتا ہے۔

بیٹا بیمار ہے مگر رفیقوں کا خاص خیال

مکہ مکرمہ پہنچ کر عبدالرشید مرحوم پیچش میں مبتلا اور اتنا بیمار ہوا کہ کروٹ لینا مشکل، مگر آپ کو رفقا کے سامنے نہ اپنی تکلیف کا حس نہ بچہ کی تکلیف کا احساس، جوں توں اونٹ پر لاد کر حج ہوا، اور اب مدینہ منورہ کے لیے قافلہ کی تیاری کا وقت آیا تو ہر شخص کا تقاضہ کہ جلدی چلو کہ ہمارے پاس خرچ کم رہا ہے، اس لیے مکہ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتے، عبدالرشید کی یہ حالت کہ اونٹ پر لیٹنا بھی مشکل، چہ جائے کہ بارہ دن مسلسل کا کٹھن سفر، آپ نے تیاری کر لی اور مطوف کو سب کا کرایا پہنچا دیا کہ اسی قافلے میں ہمارے چلنے کا انتظام کرو۔

اتفاق سے بندہ (عاشق الٰہی) بھی اپنے حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب) کے ساتھ بعد میں حاضر حرم شریف ہوکر حضرت سے مل لیا تھا، یہ حال دیکھ کر حضرت (سہارنپوری) تشریف لائے اور بندہ ساتھ تھا، حضرت نے تیز لہجہ میں مولانا (عبدالرحیم صاحب) سے فرمایا کہ آپ مکہ میں ہیں، جنگل میں نہیں، اس لیے اس حالت میں کہ عبدالرشید کسی طرح سفر کے قابل نہیں، آپ کیوں عجلت کر رہے ہیں؟ مولانا چونکہ حضرت کا بہت ہی زیادہ احترام فرماتے تھے کہ شاید کوئی مرید اپنے پیر کا بھی

اتنا احترام نہ کر سکے، اس لیے گھبرا گئے اور عرض کیا کہ حضرت کیا کروں، رفقا کو اپنی خاطر تکلیف میں نہیں ڈالا جاتا کہ ان کو عجلت ہے اور خرچ کم ہو چلا، وہ میری وجہ سے رکے، تو ان کا مکہ میں بادل ناخواستہ وحشت کے ساتھ قیام، ان کے لیے موجب وبال ہوجائے گا، حضرت (سہارنپوری) نے کہ اپنی صاف گوئی کے دوسرے رنگ میں غرق تھے، بے ساختہ فرمایا تمہیں ان کے روکنے کی ضرورت نہیں، کہہ دو جس کا دل چاہے جائے، اور میں اس وقت عبدالرشید کی شدت علالت کے سبب سفر نہیں کرسکتا، آخر رفقاء کی مراعات آپ پر ضروری ہے، تو عبدالرشید کی مراعات ان سب سے زیادہ ضروری ہے کہ رفیق سفر بھی ہے اور بیٹا ہے جس کے حقوق سب پر مقدم ہیں۔

مولانا گردن جھکا کر چپ ہو رہے اور جب حضرت چلنے لگے تو اشارہ سے مجھے رک جانے کا امر فرمایا، اور پھر تنہائی میں اپنی پریشانی وضیق ظاہر فرمائی کہ سمجھتا سب کچھ ہوں، مگر یہ لوگ میری معیت کے لیے گھروں سے چلے ہیں، اب کس منھ سے جواب دوں کہ تم جاؤ میں نہیں جاتا، ان کے دل کیا کہیں گے، عبدالرحیم کی معیت کے شوق میں حج کو گئے اور اس نے معیت چھوڑ کر ٹکا سا جواب دیدیا، اب دوسری ضیق حضرت کی گرانی خاطر کی پیش آگئی کہ حضرت کے خلاف مزاج سفر کس طرح کروں۔

رہا عبدالرشید کا قصہ سو موت ہے یا حیات، امر مقدر ہے اور وقت مقرر ہے، جتنے دنوں کی لے کر آیا ہے، اس میں ایک لمحہ کی کمی یا بیشی نہیں ہوسکتی، سب گزر ہی جائے گی، اب معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں، کسی طرح حضرت سے بخوشی اجازت دلا دے، کہ میری تو حضرت کے سامنے عرض کی ہمت ہی نہیں‘‘۔

مجھے درحقیقت دونوں حضرات سے محبت وعقیدت تھی کہ حضرت اگر داہنی آنکھ تھے تو مولانا میری بائیں آنکھ تھے، اور واقعہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بھی اس ناکارہ کے

ساتھ اسی نسبت کا تعلق شفقت وتربیت تھا، اس لیے دونوں حضرات کے رنگ سے انس ومناسبت رکھتا اور ہر ایک کا نرالا حظ لیا کرتا تھا، میں وہاں سے رخصت ہو کر حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ سے زیادہ حضرت کو علم ہے کہ مولانا پر رفقا کی مراعات ودلداری خلق کا اتنا غلبہ ہے، کہ اس کے ترک پر قدرت نہیں رکھتے اور عبدالرشید کی تکلیف چونکہ بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود حضرت کی تکلیف ہے، اس لئے رفقا کی اتنی دلجوئی پر کہ ساتھ بھی نہ چھوٹنے پائے اپنی ہر تکلیف کا برداشت کرنا حضرت کو سہل ہے، مگر اس وقت حضرت کے ارشاد پر ایک بڑی ضیق مولانا کو یہ پیش آ گئی کہ نہ دلداری ومعیت رفقاء چھوٹ سکے اور نہ حضرت کے خلاف حکم کچھ کر سکیں، عجب پریشانی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت اسی کشاکشی میں خود علیل نہ ہو جاویں، حضرت کو مولانا سے خود محبت تھی، یہ سن کر متأثر ہوئے اور فرمایا ''اچھا بھئی بنام خدا سفر کریں، خدا حافظ وناصر ہے'' میں اسی وقت واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت اپنا قصد پورا فرماویں کہ حضرت کی طرف سے اجازت ہے، چنانچہ آپ نے بمعیت رفقا سفر کیا اور اسی حالت میں مدینہ منورہ سے ینبع ہو کر جہاز میں سوار ہوئے۔

لخت جگر عبدالرشید کا انتقال اور آپ کے صبر کی انتہا

حتی کہ عدن کے قریب عبدالرشید مرحوم راہی عالم قدس ہوا، اور آپ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر بیٹے کی نعش کو سمندر کے حوالہ کر کے اسی سکون سے بیٹھے رہے، جو آپ کے لیے گویا فطری تھا۔

عبدالرشید کے خسر حاجی عبدالعزیز خان بھی شریک حج تھے، اور مرحوم کی خدمت وتیمارداری انہیں کے حوالہ تھی، بندہ جب سفر سے واپس ہو کر رائے پور پہنچا تو کمال

حسرت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مرحوم کے آخری سانس سے لے کر اب تک اس ارمان میں ہوں کہ حضرت کی زبان سے عبدالرشید کا نام سنوں، مگر حضرت سے کوئی تذکرہ ہی ایسا نہ سنا جس میں مرحوم کا نام لیں، تیرے انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا کہ مجھے حضرت سے مرحوم کا نام سنوا دے میں نے کہا بہتر ہے کوشش کروں گا۔

چنانچہ حاضر ہوا، اور سمجھتا تھا کہ حضرت کو درحقیقت میرے ساتھ بیحد محبت ہے، اس لیے سارے سفر کی باتیں کر کے میں نے عرض کیا کہ حضرت معلوم ہوا کہ عبدالرشید مرحوم جاں بر نہ ہوا، اور عدن کے قریب رخصت ہوا، حضرت اس کو گھول گئے اور کچھ جواب نہ دیا، پھر میں نے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت مجھے عبدالرشید جیسا بیٹا سمجھیں، بس اس پر جوش آ گیا اور بے ساختہ فرمایا عبدالرشید جیسے پچاس ہوں تو تجھ پر قربان، اور تیرے ساتھ محبت کا مقابلہ عبدالرشید کی محبت کیسے کر سکتی ہے؟ حضرت کی یہ شفقت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حاجی عبدالعزیز صاحب کا ارمان پورا ہو گیا کہ انہوں نے دو مرتبہ مرحوم کا نام حضرت کی زبان سے سن لیا۔

حضرت مولانا قدس سرہ کی ذات اور خود حضرت کے ساتھ میرا خادمانہ تعلق اس کو مقتضی تھا کہ جداگانہ مستقل سوانح لکھتا کہ میری اصلاح وتربیت میں حضرت کا ایک خاص حصہ ہے، جس کے احسان سے میری گردن نہیں اٹھ سکتی، مگر حضرت کا رنگ اخفا وکتمان کے متعلق مجبور کئے ہوئے ہے، کہ لاکھ میں سے ایک بات بھی بیان نہیں کر سکتا، آپ دائم الفکر اور دائم السکوت تھے، کہ بلا ضرورت بولنا ہی نہیں جانتے تھے مگر جب امر بالمعروف کا وقت آتا تو آپ کی عالمانہ تقریر ایسی نرالے طرز پر ہوتی تھی کہ دلوں میں بیٹھتی اور آہن کو موم بناتی چلی جاتی تھی۔

مہمان کی راحت کا خیال

ایک مرتبہ مولوی وہاج الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے، رائے پور آئے، رات زیادہ جا چکی تھی اور سفر کا تکان بہت تھا، ایک طرف لیٹ کر سو گئے، ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا ایک شخص پائینتی بیٹھا ہوا، آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے، مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے، اول تو سمجھے کہ شاید حضرت نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرت مولانا ہیں، یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی سے نیچے آئے کہ حضرت یہ کیا غضب کیا، فرمایا بھائی اس میں حرج کیا ہے آپ کو تکان بہت ہو گیا ہوگا، ذرا لیٹ جائیے کہ آرام مل جائے، انہوں نے کہا بس حضرت معاف فرمائیے، میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں:

تواضع اور مروت گر کوئی شخص مجسم ہو
تو وہ سرتا قدم عبدالرحیم باصفا ہوگا

اصلاح کی ایک مثال

ایک بار ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے جن کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی، حضرت کے اخلاق اور مہمان نوازی دیکھ کر وہ حیران ہو گئے، اور جب رخصتی مصافحہ کرنے لگے تو عرض کیا کہ حضرت میرے لیے دعا فرما دیں، حضرت نے ہاتھ تھامے ہوئے ان سے ارشاد فرمایا بہت اچھا، انشاء اللہ حکم کی تعمیل کروں گا، مگر ایک عرض میری بھی ہے، اس کو آپ قبول فرمالیں، وہ یہ کہ طلائی انگشتری کو شریعت نے مرد کے لیے حرام کہا ہے، اگر اس گناہ بے لذت کو ترک فرما دیں، تو پھر خوش ہو کر دل سے دعا نکلے گی، یہ سن کر وہ صاحب شرما گئے، پیشانی پر پسینہ آ گیا اور فوراً انگوٹھی اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

تصرفات اور واقعات وکرامات

اہل اللہ، بزرگوں سے ان کی زندگی میں بہت سی باتیں خرق عادت کے طور پر ظاہر ہو جایا کرتی ہیں، گو کہ اصلاً ان کی کوئی اہمیت نہیں، اور بزرگان دین ان کو اہمیت دیتے بھی نہیں، مگر چونکہ اس طرح کی چیزیں اور اس طرح کے واقعات حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں بھی ظہور پذیر ہوئے، اس لئے اس سلسلہ کی ایک آدھ بات نقل کر دی جاتی ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے کرامات اور تصرفات تو بہت مشہور ہیں، مگر ان چیزوں کا اخفاء اکابر کے یہاں بہت رہتا تھا، ایک قصہ متعدد لوگوں سے سنا کہ حضرت کے باغ کے قریب جو نہر چلتی ہے، اس کی سڑک پر حضرت حسب معمول صبح کے وقت چہل قدمی کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، ایک ضرورت سے دوسری طرف جانا پڑا، لنگی نہر پر ڈال کر کشتی کی طرح سے دوسری طرف تشریف لے گئے''۔

مولانا میرٹھی تذکرۃ الخلیل میں حضرت رائے پوری کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت کو حق تعالیٰ نے توکل کی نعمت نصیب فرمائی تھی اور اس لیے (خانقاہ کے) مدرسہ کا یہ بڑا کارخانہ نہ کسی محصل کا محتاج تھا، نہ کسی سفیر کا:

ہر کسے را بہر کارے ساختند

آپ کا ایک رنگ خاص تھا، جس میں آپ مستغرق تھے، اور اس لیے بلا اسباب ظاہری آپ کے سارے کام منجانب اللہ انجام پایا کرتے تھے، کیونکہ آپ کا قدم ابتلا وامتحان کے وقت ڈگمگاتا نہ تھا، ایک مرتبہ ملا عبدالعزیز صاحب نے کہ آپ کے قدیم

مخلص خادم اور مدرسہ کے نگران اعظم تھے، آ کر اطلاع دی کہ آٹا بھی ختم ہو چکا اور لکڑیاں بھی ختم ہو گئیں، کل کے لیے نہ جنس کا دانہ ہے نہ پاس کوئی پیسہ ہے، آپ سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا، مگر خود فرماتے تھے کہ دل میں اپنے مالک سے یہ دعا ہوئی کہ اے کریم آقا یہ تیری مخلوق جو تیرے کلام کی تلاوت وتعلیم میں مشغول ہے، کیا فاقہ کرے گی؟ اس کے بعد خود ہی یہ مضمون دل پر جما کہ تو جان تیرا کام، اگر فاقہ ہی کرانا منظور ہے تو صبر کی توفیق بخشئے کہ یہ بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، رات ہوئی اور موجودہ غلہ پک پکا کر مٹکے خالی ہو گئے، مگر آپ کی طبیعت پر نہ ہراس وپریشانی آئی نہ کسی سے قرض مانگنے کا وسوسہ ہوا، صبح نہ ہوئی تھی کہ طالب علم جو نہانے کے لیے ندی پر گئے ہوئے تھے، دوڑے ہوئے آئے اور کہا حضرت جی ندی میں تو لکڑیاں بہی چلی آرہی ہیں، خوشی کے مارے آپ کا چہرہ دمکنے لگا اور آپ نے فرمایا کہ کریم رزاق نے تمہاری روزی کا سامان بھیجا ہے، جاؤ جتنی سمیٹی جائیں سمیٹ لاؤ، چنانچہ سارے طالب علم دوڑ پڑے، اور روک لگا کر لکڑیاں لادنا شروع کردیں کہ دو گھنٹے میں اتنا اونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہ تھی، لکڑیوں کی آمد بھی بند ہو گئی، اور اب آٹے کی ضرورت رہ گئی، دو گھنٹے بعد ڈاکیہ آیا اور ڈیڑھ سو روپئے کا منی آرڈر پیش کیا، جس میں لکھا تھا مدرسۃ القرآن کے لیے بھیجتا ہوں، اس کے خرچ میں لائیں، آپ فرماتے تھے کہ میں نے بھیجنے والے کا نام پوچھا تو ایسے شخص کا نام جس کو میں جانتا بھی نہ تھا، میں نے بارہا کہا کہ کسی اور کا ہوگا کیونکہ بھیجنے والا میرے ذہن میں نہیں آیا، مگر ڈاکیئے نے کہا کہ پتہ آپ کا، نام آپ کا، مرسل کو آپ پہنچانے یا نہ پہچانے، مگر اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ آپ کا ہے، بس آپ نے وصول فرمایا اور یہ کہہ کر ملا عبدالعزیز کے حوالہ کیا، لو ملا جی اللہ نے اپنے مہمانوں کے آگے لکڑی کا سامان کردیا، روٹی کا وقت

آ گیا، اس لیے جلدی آٹا منگا لو کہ لکڑی موجود ہے، موٹی موٹی روٹیاں پکا کر نمک سے سب کھالیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکڑیاں پورے چھ مہینے کام آئیں اور روپیہ کا تو آج تک پتہ نہ چلا کہ کس نے بھیجا تھا، الحمدللہ اس کے بعد مدرسہ کو کبھی ایسی صورت پیش نہ آئی اور نہ میں نے جانا کہ مولائے کریم کہاں سے بھیجتے ہیں اور کس سے دلواتے ہیں:

کارساز ما بساز کار ما ❁ فکر ما در کار ما آزما(۱)

ان سب واقعات کے ساتھ اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ میرے اکابر کے یہاں تصرفات کی کوئی وقعت کبھی نہیں ہوئی بلکہ ان کے روکنے کی کوشش ہوئی۔

---

(۱) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۴۰/

پانچواں باب

معاصرین حضرت رائے پوریؒ

پانچواں باب

معاصرین حضرت رائے پوریؒ

حضرت رائے پوری کا تعلق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ سے محبت وتعلق کا ایسا معاملہ فرماتے کہ ہم عصروں میں کم کسی کو ایسا تعلق ہوگا، جب حضرت مولانا مدرسہ مظاہرعلوم میں صدر مدرس تھے، اور آپ کے خلاف ہنگامہ برپا تھا، ایسے وقت مولانا رائے پوری بے چین ہوہو کر رائے پور سے ہر دوسرے تیسرے روز آتے، حالات دریافت کرتے اور ہمدردی وغمگساری کا جتنا بھی معاملہ کرسکتے کرتے، ہر آڑے وقت کام آئے اور اپنی عقیدت تعلق ومحبت کا اظہار کیا، باوجود اپنے علومرتبت اور علمی فضیلت کے حضرت مولانا کے حلقہ درس میں بیٹھے اور مسلسلات اور سورہ صف کی سند حاصل کی۔

حضرت رائے پوریؒ کا حضرت سہارنپوریؒ کے درس میں بیٹھنا

حضرت مولانا جب سفرحج کو جانے لگے تو مدرسہ کے مدرسین نے درخواست کی کہ تشریف لے جانے سے پہلے مسلسلات کی سند واجازت عطا فرمادیں، حضرت مولانا

نے اس کو منظور فرمالیا اور ارشاد فرمایا اوپر جا کر بیٹھو میں آتا ہوں، وہ اوپر جا کر بیٹھ گئے، مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی حضرت مولانا کے پیچھے پیچھے چلے اوپر پہنچے تو دیکھتے ہیں: کہ حضرت مولانا رائے پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاد کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے، وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔(۱)

آخری وقت میں حضرت سہارنپوری کا پاس ہونا

حضرت مولانا رائے پوری کا جب انتقال ہوا تو حضرت مولانا ایک خواب دیکھ کر پہنچ گئے، جب آخری وقت آیا تو حضرت مولانا قریب پہنچے، مولانا رائے پوری نے محبت بھری نگاہ ڈالی اور حضرت مولانا کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور اس کے بعد ہی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حج کا شوق اور حضرت سہارنپوری کی اجازت

مولانا رائے پوری کی طبیعت بہت ناساز تھی، کروٹ لینا دشوار تھا، اسی حالت میں حج کا شوق پیدا ہوا، اور کسی طرح بھی حج کرنے کا جذبہ طاری ہوا، مولانا عاشق الٰہی صاحب ملنے کو گئے تو فرمایا۔

اب حضرت سہارنپوری کا میرے بزرگوں میں ایک دم باقی ہے جن کے حکم کے سامنے کوئی چوں وچرا کی ہمت نہیں، اس کا سہم چڑھا ہوا ہے کہ حضرت نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا تو پھر کیا کروں گا، بس یہ خدمت تیرے سپرد ہے کہ حضرت سے بخوشی اجازت دلوا دے۔(۲)

(۱) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۶۹/ (۲) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۶۶/

اور جب مولانا میرٹھی نے اجازت دلوانے کا وعدہ کرلیا تو اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ فرحت وسرور سے چہرہ چمکنے لگا اور الحمدللہ، الحمدللہ اب اطمینان ہوگیا، کہتے ہوئے اٹھ بیٹھے جیسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

سلوک میں حضرت سہارنپوری کا مقام

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں: کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ سیاسیات میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو حضرت شیخ الہند کی طرف کی جائے، مگر سلوک میں حضرت سہارنپوری کی طرف، میں نے حضرت کو اس لائن میں بہت اونچا پایا ہے۔(۱)

دونوں حضرات کی باہمی مخلصانہ محبت

مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں ''دونوں حضرات کی باہمی مخلصانہ محبت اتنی متعدی ہو چکی تھی کہ ان کے متوسلین ان کو گویا شیخ ہی سمجھتے تھے، اور ان کے متعلقین ان کو پیر کے حکم میں مانتے تھے، حضرت مولانا رائے پوری کے اس رنگ کو میں نے بارہا غور سے دیکھا کہ حضرت کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی صاحب آتے اور مصافحہ کرنے کے لیے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت کی طرف اشارہ کرکے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو، پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم وافضل ہیں''۔(۲)

حضرت مولانا اکثر رائے پور تشریف لے جاتے اور مولانا رائے پوری سہارنپور آتے، وہ دن جب دونوں اکٹھا ہوتے روز عید ہوتا، دونوں خوشی ومسرت میں ڈوب جاتے، دوشیخوں میں ایسی محبت ویگانگت بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔

(۱) سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری صفحہ ۸۰/ (۲) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۶۹/

حضرت سہارنپوری کو حضرت رائے پوری کے کام کی فکر

مولانا رائے پوری کے مرض الوفات میں حضرت مولانا نے کسی کو بھیج کر کہلوایا کہ آپ نے اپنے بعد کیا انتظام کیا ہے، مولانا نے مدرسہ کے وقف اور اس کی جائیداد وغیرہ کے متعلق جو انتظامات کئے تھے ان کا ذکر فرمایا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں ان چیزوں کو نہیں پوچھتا اپنے کام کے متعلق کیا کیا؟ مولانا نے اپنے خلفاء میں سے تین صاحبوں مولانا اللہ بخش بھاولنگری، منشی رحمت علی صاحب جالندھری، مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کا نام لیا۔

یہی مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے جانشین ہوئے، اور ان کے دم قدم سے رائے پور کی خانقاہ آباد ہوئی اور ہزاروں، لاکھوں نے استفادہ باطنی کیا اور مرجع خلائق بنے۔

یہی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ سے عرض کرتے ہیں: ”حضرت کا تو وصال ہوگیا اب میں حضرت سے تجدید بیعت کرتا ہوں، حضرت سہارنپوری نے اول حالات دریافت فرمائے اور پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، کوئی بات پوچھنی ہو تو میں حاضر ہوں“۔(۱)

حضرت سہارنپوری کے سلسلہ میں حضرت رائے پوری کی تحریر

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے بحیثیت سرپرست (مظاہر علوم) یہ تحریر اس وقت فرمائی جب حضرت سہارنپوری نے اپنی علالت کی وجہ سے مولانا یحییٰ

(۱) سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب صفحہ ۸۰/ حیات خلیل جلد ۲/ صفحہ ۵۲۲ تا ۵۲۵/

کاندھلوی کو مظاہر میں بلانا چاہا کہ میں اس معاملے میں اس قدر عرض کرسکتا ہوں کہ حضرت مولانا سلمہ سے زیادہ اس مدرسہ کا خیرخواہ اور اس کی ضرورتوں کا اندازہ کرنے والا اور کون ہے؟ یہ بے شک صحیح ہے کہ مولانا صاحب کا ضعف بیشک اس کا مقتضی ہے کہ کچھ سہولت ضرور ہونی چاہئے، اس کی جو صورت حضرت مولانا نے تجویز فرمائیں وہ ہر صورت سے انشاء اللہ پسندیدہ ہوگی۔(۱)

حضرت سہارنپوری کے معاملہ میں
حضرت رائے پوری کی خصوصی توجہ

جب حضرت مظاہر علوم میں صدر مدرس تھے اور آپ کے خلاف ہنگامہ برپا تھا، اس وقت سب سے زیادہ درد اور دکھن کا اثر خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا رائے پوری قدس سرہ پر تھا کہ رائے پور سے ہر تیسرے چوتھے دن اپنے چھکڑ میں سہارنپور آتے اور حضرت کے شریک حال ہر قسم کی اعانت اور جان و مال تک نچھاور کرنے کے لیے تیار ہوکر قدرت والے مسبب الاسباب کی طرف سے غیبی مدد کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

ادھر حضرت گنگوہی کا حکم تھا کہ روزانہ مجھے حالات کی اطلاع دی جائے، اس لیے مولانا مشتاق کے بھائی حبیب احمد روزانہ ٹٹو پر سوار ہوکر گنگوہ جایا کرتے تھے اور ایک ایک واقعہ کانوں میں ڈال آیا کرتے۔(۲)

حضرت رائے پوری کی حضرت سہارنپوری
اور مظاہر علوم سے ہمدردی

حضرت مولانا کے ہمدردوں اور تعاون کرنے والوں میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم

(۱) تاریخ مظاہر اول صفحہ ۱۲۰/ حیات خلیل جلد اول صفحہ ۲۰۴/ (۲) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۵۴/

صاحب رائے پوری کا نام نامی سرفہرست ہے، آپ نے حضرت مولانا کا ہر موقع پر ساتھ دیا، مدرسہ کی صدر مدرسی کے دور میں ایسے ایسے مشکل لمحات آئے کہ بڑے سے بڑے تعلق والوں نے ساتھ چھوڑ دیا، مگر حضرت رائے پوری کی ذات گرامی ایسی تھی کہ جس نے مشکل سے مشکل وقت بھی ساتھ دیا، اس لیے کہ ان کا یہ احسان نہ صرف یہ کہ حضرت مولانا پر تھا بلکہ مظاہر علوم پر بھی تھا کہ ان کی بروقت کوششوں، ہمدردیوں، تعاون کی بدولت مدرسہ تباہی سے محفوظ رہا، حضرت مولانا کو مدرسہ سے علیحدہ نہ ہونے دیا، آپ کو مدرسہ کا ناظم بنایا، ناظم کے بعد سرپرست مقرر کیا اور ہر ہر موقع پر آپ کی ہمت افزائی کی، حضرت رائے پوری کی ذات اور ان کا وجود حضرت مولانا کے لیے، مدرسہ کے لیے، دین اور اہل دین کے لیے بڑا ہی مغتنم تھا، مگر تقدیر الٰہی کسی کی پابند نہیں، حضرت رائے پوری کا وقت موعود آ گیا اور مدرسہ ان کی سرپرستی سے محروم ہو گیا۔(۱)

تذکرہ حضرت سہارنپوری

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنے نانہالی قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، آپ کی والدہ ماجدہ بی مبارک النساء مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی حقیقی بہن اور حضرت استاذ الکل مولانا مملوک العلی صاحب قدس سرہ کی بیٹی تھی، جو کہ شوہر کے کسی ریاست میں ملازم ہونے کے سبب اپنے میکہ میں مقیم تھیں، پانچ سال کی عمر میں آپ کے نانا حضرت مولانا مملوک العلی نے بچے کا بسم اللہ شریف پڑھا کر قاعدہ شروع کرا دیا، ابتدائی اردو فارسی کی تعلیم کے بعد گوالیار میں اپنے چچا سے عربی تعلیم کا آغاز کیا، جب ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ دارالعلوم دیوبند کا قیام ہوا، وہاں داخل ہو گئے، چھ ماہ بعد پھر جب مظاہر علوم قائم ہوا تو

(۱) حیات خلیل جلد اول صفحہ ۲۳۲ر

مظاہر میں آ گئے، ۱۲۸۸ھ میں انیس سال کی عمر میں پانچ سال میں مدرسہ سے سند فراغ حاصل کی، تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد آپ نے مختلف اساتذہ و مشائخ حدیث سے، حدیث کی اجازت و سند حاصل کی، پہلی سند حضرت مولانا مظہر صاحب سے، دوسری مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانوی سے، تیسری سند مکہ مکرمہ میں شیخ احمد دحلان سے اور چوتھی سند حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے مدینہ منورہ میں حاصل کی، اور پانچویں سند مدینہ منورہ میں ہی شیخ اسماعیل رومی سے حاصل کی، چھٹی سند شیخ بدرالدین محدث دمشق سے حاصل کی، اس کے بعد قرآن شریف بھی حفظ کر لیا، فراغت کے بعد ہی مظاہر علوم میں مدرس بنا دئے گئے تھے، ۱۳۱۴ھ میں پینتالیس سال کی عمر میں چالیس روپیہ مشاہرہ پر صدر مدرس بنا دئے گئے تھے، سلوک و طریقت حضرت گنگوہی کی سرپرستی میں طے فرما کر منازل سلوک طے کئے اور ۱۲۹۷ء میں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب نے اجازت و دستار خلافت عطا کی اور پھر گنگوہ پہنچ کر حضرت امام ربانی نے بھی خلافت سے نوازا، اس کے بعد مظاہر علوم اور بعض دوسری جگہوں پر اکتیس سال تدریسی خدمات انجام دیں، صاحب نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں:

''مولانا خلیل احمد کو فقہ و حدیث میں طاقتور ملکہ اور اعلی بصیرت حاصل تھی، مناظرہ اور اختلافی مسائل میں دستگاہ، دینی علوم و معرفت اور یقین و توکل میں کامل رسوخ و پختگی حاصل تھی''۔

ان اوصاف و کمالات اور علمی خصوصیات کے ذکر کرنے کے بعد مولانا ان کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں:

''آپ کا شعور و احساس بڑا عمیق اور باریک تھا، آپ بڑے حساس تھے، حق بات کھل کر کہتے تھے، صاف گو تھے، لیکن تندخو اور ترش رو نہیں تھے، سنت کا بہت اتباع

کرنے والے، بدعت سے بڑے نفور، مہمانوں کا بہت اکرام کرنے والے، اپنے متعلقین کے ساتھ بڑی نرمی کرنے والے تھے، ہر چیز میں نظام وترتیب، اوقات کا اہتمام ملحوظ نظر رہتا تھا، اصلاح نفس اور دینی امور میں مفید اور سودمند باتوں میں مشغول رہتے تھے، سیاست سے مجتنب تھے، باوجودیکہ مسلمانوں کے تمام امور سے دلچسپی لیتے تھے، اور دینی غیرت وحمیت رکھتے تھے''۔

حضرت مولانا کے فضل وکمال کے معترف صرف علماء ہند ہی نہ تھے؛ بلکہ علماء عرب بھی قائل تھے، ابوداؤد کی شرح ''بذل المجہود'' آپ کا بڑا علمی کارنامہ ہے، اس طرح یہ علم وعمل کا پیکر عرب وعجم کو اپنی نورانی علمی کرنوں سے منور کرکے ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ م ۱۳/اکتوبر ۱۹۲۷ء جمعرات کو اپنے پروردگار سے جاملا، اور جنت البقیع میں احاطہ اہل بیت میں سپرد خاک کئے گئے۔(۱)

حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الہند کی باہمی محبت اور طبعی وقلبی یکسانیت

حضرت عالی رائے پوریؒ اور حضرت اقدس شیخ الہند قدس اسرارہم کے درمیان بڑا گہرا تعلق اور قلبی لگاؤ تھا، دونوں یک جان دو قالب کی مانند تھے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ فرماتے ہیں:

''حضرت عالی رائے پوری اور حضرت شیخ الہند کی طبیعتوں میں بڑی یکسانیت تھی'' اور کیوں نہ ہو؟ ہزارہ دوم میں تجدیدی کام کی زیب وزینت کے مشن پر دونوں ایک نظر آتے ہیں، اور یوں اپنے مشائخ کے نقش قدم پر ہمہ جہتی پہلو سے کام کرنے میں ان دونوں حضرات کی منفرد حیثیت سامنے آتی ہے، ایک طرف دین کی جامعیت کو مدنظر

(۱) نزہۃ الخواطر جلد ۸/صفحہ ۱۴۷/۱۴۸/

رکھ کر شریعت، طریقت اور سیاست ان تینوں شعبوں کے تقاضے پورا کرنا تو دوسری طرف اس خطے کے مظلوم انسانوں کو انگریز سامراج کے ظالمانہ غلبہ اور تسلط سے آزادی دلانے اور قومی واجتماعی تشکیل نو کے لیے کردار ادا کرنے میں دونوں یکساں فکر وعمل کے داعی اور جدوجہد کرنے والے نظر آتے ہیں، اس حوالے سے ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی گہری محبت موجود تھی، حضرت عالی رائے پوری کی محبت اور شدت تعلق کا اندازہ (تپ (دق) والے واقعہ سے ہوتا ہے) اب حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا حال سنیئے! جدوجہد آزادی کے مشن پر آپ ابھی مالٹا میں ہی قید تھے کہ آپ کے محبوب دوست اور فکر وعمل کے راز داں حضرت عالی رائے پوری کا وصال ہوجاتا ہے، اس موقع پر ''مسدس مالٹا'' کے عنوان سے غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے اشعار میں حضرت شیخ الہندؒ نے جو اظہار خیال کیا ہے، اس سے ان دونوں کی قلبی یگانگت اور باہمی محبت وعشق کا راز کھلتا ہے:

تیرے ملنے کی اک تمنا پر — زندگانی جو کر رہے تھے بسر
کیسے اب کیا کریں وہ خستہ جگر — جینا آج ان کو کیوں نہ ہو دوبھر
زینت وزیب الف ثانی مرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

حضرت شیخ الہند کا اپنے متعلقین کو حضرت رائے پوری کے سپرد کرنا

ان دونوں حضرات کے باہمی تعلق کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں نے اپنی غیبوبیت کے زمانے میں اپنے اپنے متعلقین اور تربیت یافتگاں کو دوسرے کے

سپرد کر دیا تھا، چنانچہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ جب حجاز تشریف لے گئے تو اپنے تمام شاگردوں کو حکم دیا کہ میرے بعد حضرت اقدس رائے پوری کو تمام امور میں میری طرح سمجھنا، چنانچہ تمام حضرات بشمول حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ تمام حضرات نے اپنا تعلق حضرت اقدس رائے پوری سے رکھا، یہی وہ پس منظر ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری کے وصال پر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب اپنے مرثیہ میں درج ذیل اظہار کرتے ہیں۔

چلے ہیں آپ، اور محمود بھی آنے نہ پائے تھے
اسے تو غالباً دل آپ کا بھی جانتا ہوگا
گئے ہو چھوڑ کر محمود کی اولاد کو کس پر
اگر ہوگا، تو ہم کو آپ سے یہ ہی گلا ہوگا
بہت اچھا ہمیں سب چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ
کہ حامی ہم غریبوں، بے کسوں کا بھی خدا ہوگا
تمہیں کیا فکر ہے اس کی کہ درد و کرب فرقت سے
کوئی تو چیختا، کوئی تڑپتا، لوٹتا ہوگا
بہت بے جان ہونگے اور بہت سے نیم جاں ہوگے
ادھر اک نیم بسمل، اک ادھر بسمل پڑا ہوگا
کوئی سکتے میں ہوگا، ششدر و حیرت زدہ ہو کر
کسی کی آنکھ سے اشکوں کا جاری سلسلہ ہوگا
ادھر خاموش سب علم و عمل کی محفلیں ہوں گی
ادھر ملک و لایت میں عجب ماتم بپا ہوگا

حضرت رائے پوری کا اپنے متعلقین کو حضرت شیخ الہند سے جڑنے کی نصیحت کرنا

ایک جانب یہ حال تھا، تو دوسری جانب حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی بیماری طویل پکڑ گئی اور بیماری بہت زیادہ ہوگئی، تو اپنے تینوں اجل خلفاء حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری، حضرت اقدس مولانا اللہ بخش بہاولنگری اور حضرت منشی رحمت علی صاحب کو اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا:

''سنا ہے کہ عنقریب حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی آمد ہے، میں تو بہت کمزور ہو گیا ہوں، شاید ملاقات نہ ہو سکے، جب حضرت تشریف لائیں تو تم خود ان کی خدمت میں جانا اور میرا سلام عرض کرنا، میری بخشش ومغفرت کی دعا کی درخواست کرنا اور تم اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دینا''۔

حضرت رائے پوری کے خلفاء حضرت شیخ الہند کی خدمت میں

چنانچہ حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری کا بیان ہے کہ:

''جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے، آتے ہی نماز پڑھی، اور سلام پھیر کر پیچھے دیکھا، ہم تینوں موجود تھے، ہمیں اشارہ سے فرمایا کہ ''حجرے میں آجاؤ''، ہم تینوں حضرت کے ساتھ ہی اندر حجرے میں آگئے، یہاں ہم نے حضرت عالی رائے پوری کا پیغام عرض کیا، اس پر حضرت شیخ الہند قدس سرہ بہت روئے اور فرمایا کہ پہلے مشورہ کرنے رائے پور چلا جایا کرتا تھا، اب کہاں جاؤں گا، بڑے میاں تو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، پھر فرمایا مجھے تم تینوں حضرات سے بہت امید ہے، میں عنقریب پورے ملک کا دورہ

کروں گا، اور جلد ہی تمہیں آئندہ کام کے بارے میں مطلع کروں گا‘‘۔

اور یہ بھی فرمایا: ’’میں ابھی آیا ہوں حالات کا جائزہ لے رہا ہوں، جب کام شروع کروں گا، تو سب سے پہلے آپ کو ساتھ لوں گا، یہاں سیاست کے میدان میں جو کام ہو رہا ہے، ہمارا کام اس سے بہت آگے ہے‘‘۔

وقت کی دو عظیم شخصیتیں

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ اور حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ اپنے وقت کی دو ایسی عظیم الشان شخصیتیں ہیں، کہ جن کے قلب و روح اور طبائع اس قدر ایک دوسرے سے ملتی ہیں کہ ان کی عادات و اطوار، شعور و افکار اور جدوجہد میں بڑی یکسانیت نظر آتی ہے، اور ان دونوں میں جو باہمی تعلق و محبت تھا، اس کی صرف مثال ہی دی جاسکتی ہے، کہ یہ یک جان اور دو قالب تھے، حضرت اقدس رائے پوری کے وصال پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے ’’درد دل‘‘ کے نام سے جو دلفگار مرثیہ لکھا ہے، اس میں ان دونوں کے عشق و محبت اور باہمی تعلق کی کچھ وضاحت ہو جاتی ہے، فرماتے ہیں:

یہ سب ہے پر مصیبت ایک ان سب سے زیادہ ہے
سناؤں، پر ذرا دل کو پکڑ نا تھامنا ہوگا

کلیجہ منہ کو آجاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں میں
کہ کیا کچھ حال تیرا اے اسیر مالٹا ہوگا

انہیں جو تم سے نسبت تھی اسے وہ خوب سمجھے گا
کہ جس نے قیس کا، فرہاد کا قصہ سنا ہوگا

وہ عاشق تھا تمہارا، اور تمہارے تذکرہ کا بھی
کوئی ایسا ترا شاید ہی مشتاق لقا ہوگا

تمہارے ذکر سے جس کے بدن میں جان آتی تھی
تمہاری فکر میں ہی کیا خبر تھی وہ فنا ہوگا

زمین والوں کے مجمع میں، نہ اس نے جب تجھے پایا
فلک پر، اب ملائک کی صفوں میں ڈھونڈتا ہوگا

وصیت کی ہے کچھ حسرت بھرے الفاظ میں اس نے
تمہیں معلوم شاید یہ نہ ہوگا، یا ہوا ہوگا

ان دونوں حضرات کے تعلق باہمی کی انتہاء یہ ہے کہ کسی معاملہ پر ان کے سوچنے سمجھنے اور نتائج تک پہنچنے کے انداز میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ عمل میں بھی مکمل اشتراک و اتحاد نظر آتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کی رائے پور آمد

اس کے بعد حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ دیوبند سے رائے پور تشریف لائے تو ’’گنڈیوڑ‘‘ کے مشہور پل سے ’’رائے پور‘‘ تک تقریباً ۶/ کلومیٹر سڑک کے دونوں طرف لوگوں کی لائن لگی ہوئی تھی، جو حضرت کے استقبال کے لیے آئے تھے، حضرت شیخ الہند سیدھے حضرت عالیؒ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں تقریباً ایک گھنٹہ تک آپ حضرت کی قبر پر مراقب رہے، وہاں سے اٹھے تو حضرت ملاں جی عبدالعزیز صاحب خادم حضرت اقدس رائے پوری نے چائے کا انتظام کیا ہوا تھا، انہوں نے چائے پینے کے بارے میں عرض کیا، تو حضرت شیخ الہند نے جملہ فرمایا:

''جب مکیں ہی نہ رہا تو مکان کا کیا کرنا''

بہر حال چائے پی لی گئی، اس کے بعد حضرت اقدس عالی رائے پوری کے حجرہ مبارکہ میں تشریف لائے، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے خادم حاجی ظفر الدین صاحب کا بیان ہے کہ: ''حجرے کی شمالی دیوار کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوئے، اور بڑی حسرت اور یاس سے باہر دیکھتے رہے، اس دوران حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے عرض کیا کہ حضرت! میرے لیے دعا فرمائیں، اس پر حضرت شیخ الہند نے فرمایا، ابھی کیا کچھ کمی ہے کہ دعا کروں''۔

الغرض ان دونوں عالی مقام بزرگوں میں انتہائی گہرا تعلق اور باہمی اعتماد موجود تھا، پھر یہی اعتماد اور تعلق حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان بھی رہا۔

حضرت رائے پوری کا حضرت شیخ الہند کو پیغام

ایک روز ۸/ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳/نومبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار مغرب کے بعد حضرت مدنی اور حضرت شیخ الحدیث حضرت اقدس (مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری) کے ہاں باغ میں تشریف لائے، حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت میں یہاں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ میں حاضر ہوا تو شاید آپ کو مولانا مولوی عبداللہ صاحب لاہوری کی اور دوسرے حضرات کی حضرت شیخ الہند سے بیعت جہاد کا علم ہو گیا تھا، حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب) رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند سے جا کر کہوں کہ اگر انگریز کو اس بیعت کا علم ہو گیا تو مدرسہ کو سخت نقصان پہنچے گا، اور توپ مدرسہ پر لگوا دی جائے گی وغیرہ وغیرہ، اس لیے

اس میں احتیاط کی ضرورت ہے، جب میں نے حضرت شیخ الہند سے جا کر اس کا ذکر کیا تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ استاد مرحوم (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) نے مدرسہ کے لیے پچاس سال کے لیے دعا فرمائی تھی، اب پچاس سال ہو گئے، لہٰذا اب کوئی پرواہ نہیں، (حضرت مدنیؒ نے فرمایا) مگر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اب حالات ویسے نہیں رہے کہ انگریز ویسی باتوں پر ایسی شدید کاروائیاں کرے، خواہ اس کی وجہ کچھ بھی کیوں نہ ہو، اس لیے اب حالات پہلے سے زیادہ سازگار ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کا کام کیا جائے، حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت یہ بات درست ہے مگر انگریز نے ستاون کے بعد سے اب تک ایسا کام کر دیا ہے کہ اب ویسا (شدید کارروائیوں کا) اندیشہ تو نہیں رہا مگر لوگوں کو علماء سے علیحدہ کر دیا اور یہ لیگ بھی اسی اسکیم کا نتیجہ ہے گویا یہ انگریز کی اسکیم تو پھل پھول رہی ہے کہ اب علماء کے وقار کو مٹانے کا کام پورا کر دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے علماء کا وقار ختم کر دیا ہے۔(۱)

حضرت شاہ عبدالرحیم و شیخ الہند کی طبیعت میں یکسانیت

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم اور حضرت شیخ الہند کی طبیعت میں بڑی یکسانیت تھی، ہمارے حضرت نے مرض کے ایام میں مجھے فرمایا کہ حضرت سہارنپوری سے جا کر میری طرف سے بیعت جہاد کروا اور اپنی طرف سے بھی، حالانکہ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری ان معاملات میں بالکل نہ تھے، مگر جب میں اپنے حضرت کے وصال کے بعد حضرت سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ حضرت نے کچھ فرمایا

(۱) رشادات حضرت رائے پوری صفحہ ۱۰۸/ر

ہے، میں نے عام باتیں بتائیں، پھر حضرت نے الگ دوبارہ دریافت فرمایا کہ وہ حضرت شیخ الہند والے کام کے بارے میں کچھ فرمایا ہو، تو پھر سمجھا کہ بڑے میاں کو بھی اس میں لگاؤ ہے، تو میں نے وہ عرض کیا۔(۱)

تذکرہ حضرت شیخ الہندؒ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کے گھر میں ۱۲۶۸ھ م ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد جب دیوبند میں ۱۲۸۳ء میں دارالعلوم قائم ہوا، تو سب سے پہلے مدرس ملا محمود کے سامنے پہلے شاگرد محمود حسن نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

۱۲۹۰ھ میں فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں مدرس ہوگئے اور جلد ہی شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوگئے، ۱۲۹۴ھ میں پہلا حج کیا، اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے شرف بیعت حاصل کیا، بلکہ خلافت واجازت بیعت سے بھی نوازے گئے، دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۳ھ تک تدریس حدیث کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کی اساسی غرض (استخلاص وطن) کے لیے نہایت گرم جوشی مگر حزم واحتیاط سے کام کرتے رہے، اور ریشمی رومال تحریک قائم کی، اسی غرض کی تکمیل کے لیے ۱۳۳۳ھ میں سفر حجاز کیا اور وہاں اپنے شاگرد باوفا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی وساطت سے آزادی برصغیر کے لیے ترکی حکومت سے مذکرات کے بعد عملی اقدام کی تیاری فرمارہے تھے کہ جنگ عظیم چھڑگئی، انگریزوں کی سازش سے آپ کو مالٹا میں اسیر کردیا گیا، ۱۳۳۷ھ میں رہائی کے بعد وطن تشریف لائے، علالت اور بدنی ضعف کے باوجود اپنی تحریک کو دوسری حکمت عملی سے جاری فرمایا کہ چند ماہ بعد آپ علیل ہوگئے، آخر ۱۸؍ربیع الاول

(۱) ارشادات صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۵؍

۱۳۳۹ھ م ۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء کو رحلت فرماگئے، اور دیوبند میں حضرت نانوتوی کے قدموں میں مدفون ہوئے، قرآن مجید کا ترجمہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کا خراج عقیدت

حضرت اقدس عالی رائے پوری کے صفائے باطن کا یہ عالم تھا کہ اچھائی، برائی آپ کے قلب نورانی پر بہت جلد منکشف ہوجایا کرتی تھی، چنانچہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے جوکہ خود تصوف کے بہت بڑے شارح اور امام ہیں:

''مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا قلب بڑا نورانی تھا، میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہوجائیں''۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ رائے پور تشریف لائے، تو فرمایا: اللہ اکبر! اس باغ کے درختوں سے تو تواضع ٹپک رہی ہے۔

نیز فرمایا کرتے تھے: ''اگر حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ) کی گود میں بھی بیٹھا جائے تو کوئی خوف نہیں؛ لیکن حضرت رائے پوری کی تو مجلس میں بھی بیٹھنے سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں کشف سے کچھ معلوم نہ کرلیں۔

حضرت تھانوی کا تذکرہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی پیدائش ۵؍ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ م ۲۰؍ستمبر ۱۸۶۳ء اتوار کے دن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم تھانہ بھون ہی میں حاصل کی اور اعلی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کرکے سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے مکہ مکرمہ جاکر شرف بیعت حاصل کیا اور خلافت کی دولت سے سرفراز کیے گئے۔

آپ کی دینی، علمی، اصلاحی خدمات اور تجدیدی کارناموں کی بنا پر آپ کو تیرہویں صدی کا مجدد امت نے تسلیم کیا ہے، نزہۃ الخواطر میں آپ کا تذکرہ وتعارف اس طرح کرایا گیا ہے: ’’آپ ہندوستان کے نامور عالم اور عظیم مصلح تھے، تعلیم وتربیت، ارشاد وتوجیہ، تزکیہ نفس اور اصلاح احوال میں آپ مرجع خلائق تھے، لوگ اپنے مسائل لے کر آپ کے یہاں حاضر ہوتے، اور آپ کے چشمۂ علم وعرفاں سے سیراب ہوکر واپس جاتے، دلوں کا روگ اور باطنی امراض لے کر آپ کی خدمت میں پہنچتے، اور آپ کے حکیمانہ ارشادات سے شفایاب ہوکر اپنے گھروں کو لوٹتے، ہزار ہا انسانوں کو آپ کے پند ونصائح، مواعظ ومجالس اور کتب ورسائل سے سنت کی پیروی اور شریعت کی اتباع کی توفیق ملی، اور جاہلی عادات، مشرکانہ اعتقادات اور غیر اسلامی رسم ورواج سے جو ہندوؤں سے قدیمی روابط کی بنا پر مسلم معاشرہ میں سرایت کر گئے تھے، اور غم ومسرت کے مواقع پر ان کے مظاہرہ کثرت سے دیکھنے میں آتے تھے، نجات حاصل ہوئی، آپ نے تصوف وطریقت کو عام فہم اور آسان زبان میں پیش کیا، زندگی پر اس کی تطبیق کی اور مقاصد اور وسائل کا فرق واضح کیا، آپ کے چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم ومختصر تصانیف کی تعداد ۸۰۰/سو تک پہنچتی ہے، ۱۶/رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا‘‘۔ (۲)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا تذکرہ

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب کی پیدائش ۵/رجب ۱۲۹۸ھ مطابق ۴/

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب نے ’’ہندوستانی مسلمان‘‘ نامی کتاب میں حضرت تھانوی کی تمام کتابوں کی تعداد ۹۱۰/تحریر کی ہے جن میں سے ۱۳/کتابیں عربی میں ہیں۔ (ہندوستانی مسلمان صفحہ ۶۵)

(۲) نزہۃ الخواطر جلد ۸/صفحہ ۶۵

جون ۱۸۸۱ء کو جمعہ کے دن ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۱۱ھ میں مشکوۃ شروع کردی اور دو سال بعد ہی جملہ کتب صحاح پڑھ لی، اس وقت مولانا کی عمر سولہ سال تھی، ۱۳۱۵ھ میں لاہور میں مولوی فاضل کی تعلیم حاصل کی، اسی زمانہ میں حضرت گنگوہی سے بیعت کی، کچھ دنوں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرسی کر کے ۱۳۱۸ھ میں خیر المطابع کے نام سے مطبع کھولا، اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں حج کیا، پھر ۱۳۲۸ھ میں حضرت رائے پوری کے ساتھ حج کا سفر کیا، ۱۳۴۴ھ میں مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے، حضرت گنگوہی کی وفات کے بعد حضرت سہارنپوری سے رجوع کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے، یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵/اگست ۱۹۴۱ء میں انتقال ہوا۔

تذکرہ حضرت شاہ زاہد حسن صاحب

شاہ زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ قصبہ بہٹ کے مشہور لوگوں میں سے تھے، آپ کے مورث اعلی شاہ عبد اللہ صاحب سلطان بہلول لودھی کے عہد میں یہاں تشریف لائے تھے، شاہ عبد اللہ صاحب حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی قدس کی اولاد میں سے تھے، شاہ زاہد حسن صاحب باوجود امارت وریاست کے حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم رائے پوری قدس سرہ سے بڑا خادمانہ اور عاشقانہ تعلق رکھتے تھے، انتہائی ذاکر وشاغل اور معمولات کے پابند تھے، نیز منتظم اعلی درجہ کے تھے، صاحب تدبر اور فہم وفراست تھے، حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کو بھی ان سے خصوصی تعلق تھا، پیلوں میں جب ان کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری کا قیام رہا تو انہیں فرما دیا تھا کہ ’’یا تو اپنا دفتر یہاں منگوالو یا پھر ایسی تیز سواری اپنے پاس رکھو کہ میں جس وقت بلاؤں فوراً پہنچ جاؤ‘‘ شاہ صاحب موصوف نے اپنا دفتر ہی حضرت اقدس رائے پوری کے پاس منگوالیا تھا۔

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت شاہ صاحب نے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری کے نام ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ ”حضرتؒ کی روحانی معیت کو مشاہدہ کرتا ہوں، اس مکتوب کے جواب میں حضرت اقدس رائے پوری ثانی نے لکھا تھا کہ ”اس جملہ سے نہایت فرحت پہنچی یہ امر نہایت موجب ترقی باطنی ہے، جو امور صرف اپنے مجاہدہ سے سالوں میں حاصل ہوسکنے کی امید تھی وہ اس روحانی توجہ سے بہت جلد حاصل ہوں گے انشاء اللہ، یہ ایک صورت حال متعلق جذبہ الٰہی ہے، اس کو خود ورزش کے طور پر بھی قائم رکھنے کی کوشش فرمادیں۔(۱)

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری فرمایا کرتے تھے کہ اس کو ”القائے نسبت“ سے تعبیر کرتے ہیں، حضرت عالی رائے پوری نے انہیں اجازت بھی دی ہوئی تھی، حضرت اقدس عالی رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت اقدس رائے پوری ثانی سے بھی آپ کو خصوصی تعلق پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ حضرت عالی کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری کا پہلا رمضان المبارک قصبہ بہٹ میں ہی ہوا تھا، شاہ صاحب نے اس کا نظم ونسق قائم کیا تھا۔

آپ نے حضرت اقدس عالی رائے پوری کے قیام کے لیے سہارنپور میں پل خمران روڈ پر ”بہٹ ہاؤس“ کے نام سے ایک بڑی شاندار عمارت بنوائی تھی، اگرچہ حضرت عالی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تو اس میں تھوڑا ہی رہا، البتہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا قیام ”بہٹ ہاؤس“ میں کافی رہا، بالخصوص بیماری کے ایام میں چونکہ علاج کی وجہ سے سہارنپور قیام کرنا پڑا۔

حضرت شاہ زاہد حسن صاحبؒ کا انتقال ۵ رجمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ راگست

(۱) مجالس رائے پوری صفحہ ۲۰۶ر۷

۱۹۳۷ء میں ہو، آپ کا مزار بہٹ سے آگے چکروتہ روڈ پر برلب سڑک، آپ کے باغ میں واقع ہے۔

آپ نے دو صاحبزادے چھوڑے تھے، شاہ محمد سعید، جو تقسیم ہند کے بعد کراچی چلے گئے تھے اور ۱۹۶۲ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا، اور دوسرے صاحبزادے حافظ شاہ محمد مسعود صاحب تھے، آپ کو حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری سے خصوصی تعلق رہا، حضرت اقدس رائے پوری نے خود کہہ کر تراویح میں ان کا قرآن پاک سنا اور انہوں نے خوب ذوق وشوق سے قرآن پاک سنایا، آپ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست بھی رہے، ۲۷ رفروری ۱۹۷۹ء میں انتقال ہوا۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی آپ کے محبِّ خاص

حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی خلیفہ حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری قدس سرہ حافظ علی محمد لدھیانوی کے گھر موضع مانگٹ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے ساتھیوں میں سے ہیں، ان دونوں حضرات کو یکے بعد دیگرے حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری سے اجازت حاصل ہوئی تھی، پہلے یہ حضرت میاں عبدالرحیم سرساوی کے مدرسہ تعلیم القرآن کے ناظم تھے، پھر ۱۳۰۳ھ میں ان کے انتقال کے بعد لدھیانہ میں مدرسہ حقانی بنایا تھا، ۱۳۲۸ھ میں حضرت اقدس عالی رائے پوری کے ساتھ سفر حج پر تشریف لے گئے اور اس کے بعد مستقل رائے پور میں قیام رہا، حضرت عالی رائے پوری کے سلسلہ مدارس تعلیم القرآن کے نگران اعلی اور ناظم آپ ہی تھے، حضرت اقدس رائے پوری نے اردو اور عربی سیکھنے کے لیے الگ الگ آپ سے قاعدہ لکھوایا، جس کا نام آپ نے ”نورانی قاعدہ“ رکھا اور اپنے مکاتب

قرانیہ کے نصاب میں شامل کیا اور آج ہر مکتب قرآن کا حصہ ہے۔

رمضان ۱۳۳۸ھ اپریل ۱۹۲۰ء میں مدرسہ ام المدارس قائم فرمایا، آپ نے ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۵ر جولائی ۱۹۲۵ء بروز بدھ انتقال فرمایا، آپ کا مزار فیل گنج قبرستان لدھیانہ میں ہے۔(۱)

حضرت رائے پوری کی شفقتیں
شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب پر

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی اپنے بچپن میں جن شفقتوں اور محبتوں سے لطف اندوز ومحظوظ ہوئے، ان کے بارے میں آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

’’اعلی حضرت شیخ المشائخ قدوۃ الاتقیاء حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ نوراللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ کی خدمت میں میری اصالتاً حاضری تو میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد سے حضرت قدس سرہ کے وصال ۲۶/ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ تک رہی؛ لیکن والد صاحب کی حیات میں بھی ان کی ہمرکابی میں رجب ۱۳۲۸ھ سے ان کے وصال، ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ تک بار بار ہوئی۔

حضرت کی خدمت میں پہلی حاضری

اس سیہ کار کی سب سے پہلی حاضری گنگوہ کے قیام میں جب میری عمر دس گیارہ سال کی تھی، اپنے والد صاحب کے ساتھ ہوئی تھی، مولانا عبدالقادر صاحب کو پہچاننا تو یاد نہیں، حضرت کی کوئی امتیازی حالت بھی اس وقت نہ تھی، اتنا یاد ہے کہ اعلی حضرت نے اپنے

(۱) احوال العارفین

ایک خادم سے جو کثرت سے حجرہ شریف میں آتے جاتے تھے، یوں ارشاد فرمایا تھا کہ ’’مولوی صاحب جو مٹھائی وغیرہ اندر رکھی ہے، وہ سب صاحبزادے صاحب کو دے دو، اور ان صاحب نے اندر کی جانب جو حضرت قدس سرہ کے حجرہ کے غربی جانب دوسرا حجرہ تھا، اب تو اس کا دروازہ بھی مستقل ہو گیا، اس وقت وہ کتب خانہ تھا، اس میں کئی ہانڈیاں متفرق مٹھائیوں کی اور نمکین کی رکھی ہوئی تھیں، اس سیہ کار کے حوالہ کر دی تھیں‘‘۔

البتہ اس وقت میں حافظ عبدالرحیم صاحب سلمہ جو اس وقت میں حضرت کا کھانا لاتے تھے، وہ ضرور یاد ہیں، اور ان سے اس زمانہ میں جان پہچان اور دوستی بھی ہوگئی تھی، اور اعلی حضرت کے حکم سے اس زمانہ میں نہر کا مخرج یعنی جس پہاڑ سے نہر نکلی ہے (بوگری والا) اس کی سیر بھی کرائی گئی تھی، اور چونکہ میرا پہلا سفر تھا اور بچپن تھا، اس لیے بہت سی چیزوں کی سیر کرائی تھی اور چونکہ اعلی حضرت نوراللہ مرقدہ کو تیرنا بہت آتا تھا، اس لیے حضرت نے خود تیر کر تیرنا بھی دکھایا تھا، اور یہ ناکارہ آل کدو کے تونبوں کو بغل میں لے کر چند منٹ تیرا تھا، مگر قابو میں نہیں آیا، اس کے بعد رجب ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور آنے کے بعد سے تو حاضری دن بدن بڑھتی ہی رہی، جب بھی اس ناکارہ کی ابتداءً تبعاً اور انتہاءً اصالتاً حاضری ہوتی تو حضرت قدس سرہ کے یہاں جو بھی پھل یا مٹھائی رکھی ہوئی ہوتی تو حضرت ارشاد فرماتے کہ مولوی عبدالقادر جو کچھ رکھا ہو، صاحبزادے صاحب کے حوالہ کردو، یہ ناکارہ حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ، خود بھی کھاتا اور مکتب کے بچوں کو بھی بانٹتا۔

رائے پور رمضان گزارنے کا شوق

ایک دفعہ اس سیہ کار کو والد صاحب کے زمانہ میں یعنی رمضان ۱۳۳۴ھ میں رائے پور رمضان گزارنے کا شوق ہوا، اور والد صاحب نے اجازت بھی مرحمت فرما دی، اس

لیے کہ والد صاحب کے وصال سے ایک سال پہلے مجھے نیم آزادی مل گئی تھی اور خود میرے ہی سے والد صاحب نے اپنے انتقال سے ایک سال پہلے اعلی حضرت رائے پوری کو خط لکھوایا تھا کہ اب تک عزیز زکریا کی زنجیر میرے پاؤں میں ایسی پڑی ہوئی تھی کہ میں کہیں آنے جانے سے معذور تھا، مگر اب اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس کی طرف سے مجھے اطمینان ہوگیا، اب آپ جب اور جہاں فرمائیں حاضر ہوجاؤں، چنانچہ حضرت کے ارشاد پر اعلی حضرت اور میرے والد صاحب کا قیام بہٹ رہا، اور اس سیہ کار نے بھی والد صاحب کی آزادی پر اعلی حضرت قدس سرہ کو ایک عریضہ لکھا کہ یہ ناکارہ حضرت والا کی خدمت میں رمضان گذارنا چاہتا ہے، اعلی حضرت قدس سرہ نے ازراہ شفقت تحریر فرمایا کہ رمضان کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا، اور نہ ملنے کا، اپنی جگہ پر یکسوئی سے کام کرتے رہو، اس گستاخ نے دوبارہ خط لکھا کہ صرف اخیر عشرے کی اجازمرحمت فرمادیں، اس کا جو جواب آیا وہ اتفاق سے میرے کاغذات میں مل گیا، جس کو تبرکاً بعینہٖ نقل کراتا ہوں:

برخوردار مولوی زکریا سلمہ اللہ، از احقر عبدالرحیم!

بعد سلام مسنون ودعا!

''تمہارا خط پہنچا مضمون معلوم ہوا، جو سبب شروع ماہ مبارک میں عدم قیام کا ہے وہ اخیر ماہ میں بھی موجود ہے، باقی تم اور تمہارے ابا جان زبردست ہو، ہم غریبوں کی کیا چل سکے، یہ تمہاری زبردستی ہے کہ جو اس وقت ماہ مبارک میں تم کو جواب لکھوا رہا ہوں، باقی جو ذکر وشغل حضرت مولانا سلمہ نے تلقین فرمایا ہے وہی کرنا چاہئے، عائشہ کو دعا، تمہاری والدہ محترمہ کی خدمت میں سلام، بخدمت جناب مولانا یحییٰ صاحب، السلام علیکم''

راقم عبدالرحیم از رائے پور

یہ خط حضرت قدس سرہ کے بھانجے مولانا اشفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا لکھا ہوا تھا، ان کی طرف سے یہ اضافہ تھا ''از محمد اشفاق عفی عنہ، السلام علیکم، واقع میں ہو زبردست، اس میں کچھ شک نہیں، فقط'' مگر میرے والد صاحب نے فرمایا کہ تیری وجہ سے حضرت کی یکسوئی میں فرق پڑے گا، اور حضرت کو تیرے کھانے پینے کا فکر رہے گا، اس لیے حضرت کا حرج نہ کر، اور یہ میرے والد صاحب نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔

حضرت کی شفقت کا ایک واقعہ

میرے والد صاحب قدس سرہ کے انتقال کے بعد ایک جانب تو اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ نے مدرسہ (مظاہر علوم سہارنپور) میں یہ سفارش کی کہ پندرہ روپیہ تنخواہ کم ہے، کم از کم پچیس روپئے ہونا چاہئے، اور دوسری جانب اس سیہ کار سے ازراہ شفقت ومحبت ارشاد فرمایا کہ مدرسہ کی تنخواہ خطرہ کی چیز ہے، جب اللہ توفیق دے چھوڑ دیجیو، حضرت قدس سرہ کی ہی توجہ اور شفقت کا اثر تھا کہ اللہ نے چھوڑنے کی توفیق عطا فرمادی۔

حضرت کا استفسار اور میری حماقت

میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مدرسہ کے خزانچی کا ایک واقعہ تفتیش کا پیش آگیا، ہر وقت اس کے متعلق کچھ مساعی ہو رہی تھیں، اس کا بہت فکر تھا، حضرت نے استفسار فرمایا، اس میں کیا ہو رہا ہے میں نے اپنی حماقت سے حضرت کے استفسار پر یہ لکھ دیا کہ والد صاحب کے انتقال کے بعد اب ان امور کی اس ناکارہ کو اطلاع نہیں ہوتی، یہ کیا ہو رہا ہے، اللہ تعالی اپنے فضل وکرم اور انعام سے اعلی حضرت قدس سرہ کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے، کہ میرے اس احمقانہ جواب پر حضرت قدس سرہ

رائے پور سے تشریف لائے اور مجھے علیحدہ بٹھا کر یہ سارا واقعہ بڑی ہی تفصیل سے سنایا، میں بلا تصنع اور بلا مبالغہ لکھواتا ہوں، اس میں ذرا بھی توریہ یا مبالغہ نہیں کہ جب حضرت رائے پوری سنا رہے تھے تو مجھے اپنی حماقت پر پسینہ آ گیا، اور اب تک واقعی جب بھی یہ منظر یاد آتا ہے سناٹا چھا جاتا ہے، خبر نہیں کیا حماقت کی تھی۔

میرا خواب اور حضرت کی تعبیر

میں اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد تقریباً چھ ماہ تک ان کو بہت ہی کثرت سے خواب میں دیکھا کرتا تھا، دن ہو یا رات اور اکثر خواب اعلی حضرت (رائے پوری) قدس سرہ کی خدمت میں لکھا کرتا تھا، اس لیے کہ اپنے حضرت (مولانا خلیل احمد سہارنپوری) قدس سرہ سے ڈرتا تھا اور اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کی بارگاہ میں ان کی شفقتوں کی وجہ سے بہت گستاخ تھا، اور میری ان حماقتوں پر حضرت قدس سرہ اس قدر تبسم اور مسرتوں کا اظہار فرماتے تھے کہ اس وقت یہ گستاخیاں بھی معلوم نہ ہوئیں، خواب تو بہت سے یاد ہیں، اور میرے انبار میں خطوط بھی اعلی حضرت رائے پوری اور دیگر اکابر کے تو ہزاروں ملیں گے۔

چند تصویر بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

ایک مرتبہ اس سیہ کار نے خواب دیکھا کہ والد صاحب نے مجھے خواب میں تین کتابیں دیں، کافیہ، شافیہ، مقامات، میرے حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب) قدس سرہ تو اس وقت نینی تال جیل میں تھے، اس لیے میں نے حضرت رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں لکھا، حضرت کا جو جواب آیا، وہ بھی اس وقت میرے سامنے ہے،

حضرت نے تحریر فرمایا:

برخوردار مولوی زکریا سلمہ، از احقر عبدالرحیم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے دو خط مولوی عبدالقادر صاحب کے نام آئے، میری معذوری جو باعث تاخیر جواب ہے، وہ آپ کو معلوم ہے، اب مختصراً عرض کرتا ہوں، پہلے خواب کی تعبیر، ہر جز کی تعبیر کی ضرورت نہیں، فقط ایک جملہ خلاصہ ہے، اس کی تعبیر جو اپنے خیال میں آئی وہ عرض کرتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ کافیہ شافیہ اور مقامات، امانت کہ معیشت کافیہ وحالت شافیہ ومقامات السلوک والوصول، یہ تینوں بشارتیں حق تعالی نے تمہاری طبیعت میں ودیعت رکھی ہیں، جو اپنے اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوں گی، دوسرے خواب کی تعبیر کی ضرورت نہیں، سب قصہ ہی دنیا کا چند روزہ ہے، خصوصاً عالم آخرت کے مقابلہ میں تو ساری دنیا کی عمر ہی کچھ نہیں۔ فقط

حضرت کا ایک مشورہ اور میرا جواب

اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ نے مولانا میرٹھی کے مشورہ پر مجھے یہ مشورہ دیا کہ میں کتب خانہ لے کر میرٹھ منتقل ہو جاؤں، اور میرے اس جواب پر کہ ”میری یہ تمنا ہے کہ حضرت سہارنپوری کی حیات تک کہیں باہر نہ جاؤں“، حضرت رائے پوری نے انتہائی مسرت سے فرمایا کہ بس بس، اور انتہائی مسرت کے ساتھ مجھے اتنی دعائیں دیں کہ جن کا مشاہدہ اب تک خوب کر رہا ہوں۔

قربانی کے حصے اکابر کے جانوروں میں

اس سیہ کار کا دستور تقسیم ہند سے پہلے زندوں اور مردوں کی طرف سے قربانی کے

حصص کی کثرت کا بہت تھا، آٹھ دس گائیں تو مستقل خود میری ہی ہوتی تھیں اور جس کی گائے میں ایک آدھ حصہ بچ جاتا تھا، اس کے لیے عام دستور تھا کہ وہ مجھے اطلاع کرے اور میرا حصہ اپنے یہاں کرلے، نسبی، سلوکی، علمی، مشائخ خصوصی، صحابہ کرام، ائمہ فقہ، ائمہ حدیث غرض جتنی بھی گنجائش ہوا کرتی، مجھے حصہ لینے میں انکار نہیں ہوا کرتا تھا، اس کے ساتھ یہ بھی شوق تھا کہ اکابر کے جانوروں میں میرا حصہ ہوجائے، حضرت اقدس سہارنپوری اعلی حضرت رائے پوری اور عجیب بات یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہم کے جانوروں میں بھی ایک ایک حصہ میرا ہوتا تھا، جس کے گوشت وغیرہ سے مجھے کوئی تعلق نہیں، وہ جس طرح چاہیں تصرف فرمادیں، اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کے زمانہ کا ایک کارڈ چونکہ نظر پڑ گیا، وہ بھی درج کرارہا ہوں جو حسب ذیل ہے:

سیدی ومولائی حضرت دام مجدکم، ازاحقر عبدالقادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والا نامہ شرف صدور ہوکر باعث افتخار خاکسار ہوا، مضمون حضرت اقدس سلمہ کی خدمت شریف میں عرض کیا، بلکہ کچھ بلفظہ پڑھ کر سنایا، یہی جی چاہا، اور اپنے نزدیک یہی مناسب سمجھا، وقت بھی مناسب ملا، یہ ارشاد فرمایا کہ یوں خدمت والا میں لکھ دے کہ بندے کی تو سعادت ہے، یا سعادت جانتا ہے، غرض حضرت اقدس سلمہ نے اس گائے میں جو یہاں آنجناب والا صفات بوساطت شاہ صاحب ارسال فرمادیں گے، ایک حصہ کی شرکت قبول بخوشی فرمائی، اب احقر عرض پرداز ہے، حضور پرنور اپنی طرف سے حضرت اقدس سلمہ کو عطا فرمارہے ہیں یا قیمتاً حضرت سلمہ خریدیں گے۔

یہ آپ کا غلام غبی بہت ہے، پوری بات نہیں سمجھتا، حضرت خائف نہ ہوں، اور دعا سے

فراموش بھی نہ کیا جاؤں، آخر آپ ہی کا ہوں جیسا بھی ہوں، حضرت سلام فرماتے ہیں، اور طبیعت بدستور سابق ہی ہے، تین چار روز سے شب کو کسی قدر حرارت زیادہ ہوتی ہے۔

اس خط پر رائے پور کی مہر ۶ر ستمبر ۱۹۱۸ء کی ہے، جو قمری حساب سے ذی الحجہ سے ۱۳۳۶ھ بنتا ہے، اس وقت اتفاق سے ایک لفافہ سامنے آگیا جس میں اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کے خطوط ہیں، ہیں تو بہت سے جن میں سے چند کا نمونہ اندراج کرایا، ایک خط حسب ذیل ہے:

سیدی ومولائی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سلمہ

ازاحقر عبدالقادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والا نامہ شرف صدور ہوا، اللہ تعالی جناب کو صحت عاجلہ عطا فرمادیں، جناب کا خط حضرت اقدس سلمہ کو سنانے لگا، اس قدر ہنسی آئی کہ پورا سنا نہ سکا، دو دفعہ کرکے بمشکل سنایا، یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی خط مولوی زکریا کا میرے پاس نہیں آیا، البتہ مولوی الیاس کے خط آئے، ان کا جواب بھی لکھوادیا گیا، باقی ویسے خط مولوی زکریا کو اس وجہ سے نہیں لکھا کہ اکثر آدمی آتے جاتے رہتے ہیں، ان سے خبر ملتی رہتی ہے، اور یہاں سے بھی پوچھوا بھیجا گیا، چنانچہ مولانا عاشق الٰہی صاحب ابھی گئے ہیں، ان کے ہاتھ سلام وغیرہ کہلا بھیجا گیا، حضرت اقدس سلمہ کو بھی کئی روز سے بخار آرہا ہے اور ضعف بہت ہے، نماز میں بھی قیام بتکلف ہوتا ہے، اللہ تعالی جناب کو جلد صحت عطا فرمائے، جناب کی زیارت کو جی چاہتا ہے، دیکھئے کب ہو، آج کل ڈاک کے مدار المہام مخدوم مکرم حضرت ملاجی صاحب سلمہ ہیں، واقعی جناب نے خوب پوچھا، بزرگ تو بہت بڑے ہیں، خطوط بھجوانے کی کچھ زیادہ حاجت نہیں سمجھتے، جس کسی کو کچھ کہنا ہو خود آکر

بالمواجہہ کہو، دور دور سے تیر چلانا کچھ حضرت ملاجی کو بھاتا نہیں، حضرت اقدس مدظلہ اور مولوی الیاس صاحب وغیرہ کو دست بستہ سلام ودعا۔

خانقاہ کی مسجد کے افتتاح کے لیے

مولانا یحییٰ صاحب کو دعوت

جب باغ کی مسجد تعمیر ہوئی (مسجد ایک عرصے تک کچی رہی، اخیر زمانے میں حضرت کے ایک معتقد حاجی سوندھے خان کے تعاون سے تعمیر ہوئی) تو اس کے افتتاح کے لیے اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ نے میرے والد صاحب کو بلایا اور بہت تاکیدی خط ایک ڈاک میں ایک دستی روانہ فرمائے، جس میں بہت تاکید سے مسجد کے افتتاح کے لیے بلایا گیا تھا، اور یہ لکھا تھا کہ ضرور آنا ہوگا، کوئی عذر مسموع نہ ہوگا، میرے والد صاحب اس کی تعمیل میں تشریف لے گئے، یہ ناکارہ بھی ساتھ تھا، بہٹ تک تو تانگہ تھا، اور اس کے بعد پاؤں تشریف لے گئے، دھوپ بڑی تیز تھی، آدھی پٹری پر جا کر لیٹ گئے، مجمع دیہات کا بہت پٹری پر کو گزر رہا تھا، جانے والوں سے دو تین منٹ کے بعد یہ پیام بھیجتے کہ آدھے راستے تو پہنچ گیا ہوں، اگر دیر ہو جائے تو تھوڑا سا انتظار فرماویں، جہاں تک مجھے یاد ہے، ۱۲؍بجے کے قریب پہنچے تھے، غسل فرمایا اور اعلی حضرت نے جوڑا مع عمامہ کے تیار کر رکھا تھا، اسے پہن کر جمعہ کی نماز پڑھائی، جس وقت میں یہ خط سن رہا تھا، مکرم محترم جناب الحاج حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی میرے پاس تشریف فرما تھے، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں خطوں کی مجھے ضرورت ہے، میں نے بصد احترام پیش کر دیئے، اس کے علاوہ بھی اعلی حضرت کے خطوط اس لفافہ میں تو کئی ملے، دوستوں کا اصرار جس کے نقل پر ہوا وہ کرا دیئے۔

مولانا یحییٰ صاحب کی وفات پر حضرت کا خط

ایک خط میرے والد صاحب کے انتقال پر جو حضرت نے تحریر فرمایا وہ یہ ہے:

برخوردار مولوی زکریا سلمہ، از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس وقت گیارہ بج کر بیس منٹ پر تار جو بہٹ شاہ صاحب کے پاس آیا تھا، بندہ کے پاس حاجی غلام محمد صاحب لے کر آئے، جس سے اچانک اس حادثہ عظیمہ انتقال مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم کی خبر معلوم ہو کر سکتہ کی حالت ہوگئی، طبیعت پر ایک ایسی حیرت ہے جو تحریر میں نہیں آسکتی ہے، مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں، وہ مالک مختار ہے وہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے، اس سے جلد اطلاع دو کہ کیا مرض پیش آیا، اس فوری حادثہ سے ایک سخت حیرت ہے، اسی وقت یہاں سے چلدیتا مگر اپنی حالت کی وجہ سے سخت مجبور ہوں، اس وقت زیادہ کیا لکھوں۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

روز شنبہ بوقت گیارہ بجکر بیس منٹ

اسی سلسلہ کا دوسرا والا نامہ

برخوردار مولوی محمد زکریا سلمہ اللہ تعالی از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ حادثہ ایسا ہے کہ جس نے طبیعت کو بہت مضمحل کر دیا، مجھ کو تو صدمہ ہونا ہی چاہئے تھا، مگر یہاں پر مرد و عورت جس کسی نے سنا سب کو صدمہ ہے، بجز صدمہ اٹھانے کے اور کوئی کیا کر سکتا ہے، طبیعت بے اختیار ہے اور تمہارے پاس آنے کو طبیعت چاہتی ہے،

مگراس وجہ سے فوراً حاضر نہیں ہوسکا کہ ضعف اس درجہ ہوگیا ہے کہ کھڑے ہوتے ہوئے چکرآتا ہے، اندیشہ گرنے کا ہوتا ہے، مسجد تک جانے میں مغرب اور عشاء اور صبح کو بغیر دوسرے شخص کے پکڑے جا نہیں سکتا ہوں، ادھر شاہ صاحب چلنے پھرنے سے معذور ہیں، ان کی صحت کی حالت میں سواری کا انتظام بسہولت ہوجاتا تھا، اب ایسی سواری دستیاب نہیں کہ جس میں رائے پور سے بہٹ تک پہنچوں، عنقریب ارادہ کررہا ہوں کہ کوئی سواری کا انتظام ہوجاوے تو انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا، بیل گاڑی کی حرکت سے دماغ پر ایک ایسا اثر پہنچتا ہے کہ جس کی تاب نہیں لاسکتا ہوں، اگرچہ یہ صدمہ تو ایسا ہے کہ تم کو تو لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، مگر آخر مشیت ایزدی پر صبر کرنا اور راضی برضا رہنا، اس کے سچے بندوں کا کام ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری یہی حالت ہوگی، اپنی والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ کی جہاں تک ہوسکے تسلی کرو، اور صبر اور راضی برضا ہونے کا ان کو اجر سناؤ، اگرچہ عنوان اس صدمہ کا بہت وجوہ سے بہت بڑھا ہوا ہے، مگر آخر ہمیں تمہیں سب کو پس وپیش یہی راہ طے کرنا ہے، مالک حقیقی اپنے جو چاہے کرلے کسی کو مجال دم زدن نہیں، رضا وتسلیم بندوں کا کام ہے، زیادہ کیا عرض کروں، یہ نہیں معلوم ہوا کہ کیا مرض پیش آیا، اور کس وقت انتقال ہوا، عائشہ کو بہت بہت دعا اور اپنی والدہ مکرمہ کی خدمت میں سلام ودعا عرض کردو، از جانب مولوی عبدالقادر صاحب وملاجی صاحب ومولوی رستم علی صاحب ومولوی سراج الحق صاحب بعد سلام مسنون مضمون واحد ہے۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

بروز اتوار

اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ کو میرے والد صاحب کے بلانے کا اتنا ہی

اشتیاق واصرار رہتا تھا جس کا نمونہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہ کو اس سیہ کار کے بلانے پر اصرار کے دیکھنے والے ابھی بہت ہیں، اعلیٰ حضرت کا اصرار اور خواہش یہ رہتی تھی کہ میرے والد صاحب کثرت سے بار بار رائے پور جاویں، اور خوب ٹھہریں، اسی کا اتباع حضرت رائے پوری ثانی نے اس سیہ کار کے ساتھ کرکے دکھلادیا، بلکہ اس سے زیادہ کردکھایا، اعلیٰ حضرت کا ایک خط میرے والد صاحب کے نام دوستوں کے اصرار پر اس سلسلہ میں نقل کررہا ہوں۔

المخدوم المکرّم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مدفیوضہم از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ سے ملنے کی غرض سے بہٹ آنے کو بہت جی چاہتا رہا، مگر اول تو سواری اختیاری نہیں ہے، دوم یہ کہ شاہ صاحب کو احقر کے جانے پر اوپر کا کمرہ خالی کرنا پڑتا ہے کہ جس میں وہ خود تشریف رکھتے ہیں، بہٹ آپ کا تشریف لانا طمانیت کا ہو تو مطلع فرماویں، تاکہ بہٹ حاضر ہونے کا قصد کروں، ایسا تو ہو نہیں کہ آپ جمعرات کو تشریف لاویں اور جمعہ کو واپس ہونے لگیں، اس صورت میں تو مجھے آنے جانے کی ہی تکلیف ہوگی، طمانیت سے ٹھہرنا ہو تو تشریف لاویں۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

۵/ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو میرے والد صاحب سے بہت ہی محبت اور تعلق تھا، ۱۳۲۸ھ کے سفر حج میں بہت ہی خواہش اور تمنا رہی کہ والد صاحب کو حج میں ساتھ لے کر جائیں، اور والد صاحب بھی تیار تھے، ٹیکے وغیرہ لگوالئے تھے، عین وقت پر کچھ ایسی مجبوریاں پیش آئیں کہ والد صاحب کو سفر ملتوی کرنا پڑا۔

پنجاب کے ایک سفر میں مولانا یحییٰ صاحب کی معیت

ایک دفعہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے میرے والد صاحب سے ارشاد فرمایا کہ پنجاب کا ایک لمبا سفر ہے اور اعلیٰ حضرت رائے پوری کا سفر بھی حضرت مدنی (مولانا سید حسین احمد صاحب) کی طرح سے گھوڑے سوار نہ ہوتا تھا بلکہ حضرت رائے پوری ثانی کی طرح سے نہایت اطمینان کا ہفتوں اور مہینوں کا ہوتا تھا، مگر اس سفر میں چونکہ میرے والد صاحب بھی ساتھ تھے، اس لئے اعلیٰ حضرت کو مشقت تو بہت اٹھانی پڑی لیکن سفر بہت طویل اور اپنی عادت شریفہ کے خلاف بہت عجلت کا ہوا، جس پر مجھے بھی بہت قلق ہوتا تھا، اعلیٰ حضرت نے میرے والد صاحب سے فرمایا کہ یوں جی چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ پنجاب کا سفر تو حضرت بھی فرمالیں، بہت سے مشتاق ایسے ہیں جو آ نہیں سکتے، حضرت گنگوہی کے خدام بہت پھیلے ہوئے ہیں، جناب کی زیارت کے بھی مشتاق ہیں، میرے والد صاحب نے تین شرطوں کے ساتھ قبول فرمایا۔

پہلی شرط یہ کہ اس سفر میں جو نقد ہدایا آئیں وہ تو میرے والد صاحب کے، کھانے، پینے اور کپڑے کی قسم کی جو اشیا ہوں وہ حضرت کی۔

دوسرے یہ کہ ہر جگہ پر کھانے اور آرام کرنے میں میرے والد صاحب آزاد ہوں گے، حضرت کے پابند نہ ہوں گے۔

تیسرے یہ کہ میں واپسی میں آپ کی ہمرکابی کا پابند نہیں ہوں، جہاں سے میرا جی چاہے گا واپس آ جاؤں گا، حضرت قدس سرہ نے تینوں شرطیں منظور فرمالیں، یہ ناکارہ بھی ہمرکاب تھا، پہلی منزل یہاں سے انبالہ ہوئی، حافظ محمد صدیق صاحب کے مکان پر قیام ہوا، اس کے بعد خان پور، لدھیانہ، جگراؤں، رائے پور گوجراں تک یہ سفر ہوا، ہر جگہ

جہاں جانا ہوتا، سب سے پہلے اعلیٰ حضرت فرماتے کہ صاحبزادے صاحب اور حضرت کا بستر الگ کردو، پہلے چارپائی اور بستر وغیرہ بچھوا کر میرے والد صاحب کو وہاں لٹوا دیتے، یہ ناکارہ شوق میں حضرت کے ساتھ رہتا، ہر جگہ پر ہزاروں کا مجمع حضرت کو گھیر لیتا، مصافحوں اور بیعت کی اس قدر بھرمار ہوتی کہ کچھ انتہا نہیں، کھانا تو میرے والد صاحب کو علیحدہ کھانیکی نوبت نہیں آئی، اس میں تو اعلیٰ حضرت کی شرکت ہوتی تھی، لیکن لیٹنے میں کبھی ساتھ نہ ہوا، اور اعلیٰ حضرت کو بعض مرتبہ تو کئی کئی دن رات لیٹنے کا وقت نہیں ملتا تھا، رتھ اور بیل گاڑیوں میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور تیسرے گاؤں، بعض مرتبہ تو چوبیس گھنٹہ میں تین چار گاؤں نمٹا دیتے، میں تو بچہ تھا کیا تھکتا، مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر تکان اس قدر محسوس ہوتا تھا کہ کچھ حد نہیں ہے، اور تکان کا کیا قصور صبح کی نماز پڑھ کر ایک جگہ سے چلے اور خدام وعشاق سینکڑوں کی تعداد میں گاڑیوں کے دونوں طرف پروانہ وار خوشی خوشی میں جھومتے بھاگتے دوڑتے چلتے تھے، دوسرے گاؤں میں پہنچتے تو میرے والد صاحب تو لیٹ جاتے اور اعلیٰ حضرت عشاق کے ہجوم میں بیٹھ جاتے تھے، کہیں لسی کا دور کہیں چائے کا دور چلتا، حضرت تو ایک دو گھونٹ پی کر چھوڑ دیتے، مگر مجمع کی کثرت کی وجہ سے چائے کا دور بھی دیر تک چلتا اور لسّی کا بھی، مگر حضرت قدس سرہ اتنی دیر مصافحہ اور بیعت سے نمٹ کر اگلی منزل کے لیے گاڑی میں تشریف رکھتے، یہ ناکارہ کبھی حضرت قدس سرہ کی گاڑی میں ہوتا اور کبھی اپنے والد صاحب کی، اسی سفر میں رائے پور گوجراں میں حضرت مولانا احمد الدین صاحبؒ کا نکاح بھی میرے والد صاحب نے پڑھایا تھا۔(۱)

(۱) مولانا احمد الدین صاحب رائے پور گوجراں، ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد مولانا بخش اور چچا مولانا فضل احمد رائے پوری، حضرت شاہ عبد القادر صاحب کے ہم سبق تھے، مولانا فضل احمد کو حضرت شاہ سے خلافت و اجازت حاصل تھی، مولانا احمد الدین صاحب کی وفات ۱۳۵۹ھ م ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ (حیات عبد الرشید)

تیسری شرط بھی حضرت قدس سرہ نے پوری فرمادی کہ مدرسہ کے حرج کی وجہ سے میرے والد صاحب پہلے تشریف لائے، یہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت قدس سرہ نے خود ارشاد فرمایا یا والد صاحب کی درخواست پر اجازت مرحمت فرمائی، بہرحال یہ ناکارہ اور والد صاحب تشریف لے آئے۔

حضرت کی علالت کا زمانہ

اعلی حضرت قدس سرہ کی علالت کا زمانہ بہت ہی طویل گزرا، تقریباً سات آٹھ سال علالت کا سلسلہ رہا اور روز افزوں اضافہ ہی ہوتا رہا، حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی ثم الدہلوی مستقل معالج تھے، بار بار تشریف لاتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے مگر:

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہر نوع کا علاج کیا گیا، مگر ہر علاج بجائے صحت کی طرف لانے کے علالت کی شدت کی طرف لے جاتا تھا۔

زمانہ علالت میں مولانا یحییٰ کی آمدورفت

اس زمانہ میں والد صاحب کی بہت کثرت سے آمدورفت تھی، اور اعلی حضرت قدس سرہ کو اشتیاق اور تقاضہ رہتا تھا، میرے والد صاحب نے اس زمانہ میں کئی دفعہ فرمایا بیماری وغیرہ کچھ نہیں، یوں سمجھ رکھا ہے کہ میری موت کا وقت قریب ہے اور موت کے قریب مقبولین کو جو مرنے کا اشتیاق ہوتا ہے، وہ ابھی ہے نہیں، میں جاکر اول تو اس پر مناظرہ کرتا ہوں کہ کیا آپ کو علم غیب ہے کہ میرا وقت موعود آگیا، اور اس کے بعد احادیث رحمت اور آیات قرآنی بکثرت سناتا ہوں، مثنوی شریف کے وہ اشعار بھی سناتا ہوں جو رحمت الٰہی کے متعلق ہیں، اور زور سے اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ گھبرائیں

نہیں، جب وقت موعود آئے گا تو وہ ساری چیزیں پیدا ہو جائیں گی جن کا آپ کو اشتیاق ہے، اس سے طبیعت دو چار دن کو ابھر جاتی ہے، اٹھنے بیٹھنے لگتے ہیں، کچھ غذا شروع ہو جاتی ہے لیکن دو چار دن کے بعد وہ بات ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے میرے بلانے کا بار بار تقاضہ رہتا، اور میرا بھی دل چاہتا ہے کہ دو چار ماہ مستقل قیام کروں، مگر مدرسہ کے اسباق کی مجبوری کو زیادہ ٹھہرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

اس لیے کہ شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہ کے اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے طویل سفر حجاز کی وجہ سے حضرت سہارنپوری کے اسباق ترمذی، بخاری بھی والد صاحب ہی کے ذمہ ہو گئے تھے، اور ان کے اپنے اسباق ابوداؤد، نسائی شریف وغیرہ تو تھے ہی، البتہ مسلم شریف اس سال پہلی مرتبہ مولانا عبداللطیف صاحب کے پاس ہوئی تھی، میرے والد صاحب کے سفر کی وجہ سے دورے کے اہم اسباق کا حرج ہوتا تھا، اس لیے بہت کثرت سے ایسا ہوتا تھا کہ جمعرات کی شام کو جاکر شنبہ کو علی الصباح واپسی ہوتی تھی، موٹریں بھی اس زمانے میں نہیں تھیں، شاہ زاہد حسن صاحب مرحوم بہتر سے بہتر گھوڑا انتخاب کر کے رکھتے، اور اس کو دگنی اجرت دیتے، اس زمانے میں ایک یا ڈیڑھ روپے میں عموماً بہٹ سے سہارنپور تانگہ آیا کرتا تھا، لیکن شاہ صاحب مرحوم اپنی انتہائی کفایت شعاری اور حسن انتظام کے باوجود اس کو تین روپے دیا کرتے تھے، اگر وہ بہٹ سے سہارنپور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں پہنچا دیتا تو میرے والد صاحب اس کو مزید انعام دیا کرتے تھے، اعلی حضرت قدس سرہ اپنی بیماری کے آخیر زمانے میں پیلوں جو بہٹ اور مرزاپور کے درمیان ایک گاؤں ہے، جس کو شاہ زاہد حسن صاحب نے خرید لیا تھا، وہاں انگریز منیجروں کا قیام رہتا تھا، اور ان کی بنائی ہوئی متعدد کوٹھیاں نہایت ہوادار، ان میں سے ایک کوٹھی میں حضرت کا قیام

تھا، آب وہوا کی عمدگی کی وجہ سے نیز لب سڑک ہونے کی وجہ سے ڈاکٹروں کی آمد میں سہولت تھی، حضرت قدس سرہ کی بیماری کا زمانہ وہیں گزرا، اور انتقال بھی وہیں پر ہوا، اور وصال کے بعد نعش مبارک رائے پور لائی گئی تھی۔

حضرت شیخ کا پیلوں میں حضرت رائے پوری کے
پاس ٹھہرنا اور آم کھانا

حضرت قدس سرہ کی طویل علالت میں اس سیہ کار کا پیلوں جانا کئی دفعہ ہوا، ایک زمانے میں آموں کی ابتدا تھی، اور مجھے پکے آم کھانے کا شوق تو بہت ہی کم رہا، لیکن کیریاں (کچے آم) کھانے کا بہت ہی شوق ہمیشہ رہا، اور اس زمانے میں تو بہت ہی تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میرا یہ باغ فروخت شدہ نہیں ہے، کچے آم کھانے کو جی چاہے یا چٹنی بنانے کو تو شوق سے استعمال کریں، میری ہی ملک ہیں، پھر کیا تھا، اعلی حضرت قدس سرہ نے حضرت مولانا عبدالقادر سے فرمایا کہ نمک مرچ پسوا کران کو دے دینا، حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ نے مٹی کی ایک بڑی رکابی میں نمک اور مٹی کی ایک رکابی میں لال مرچیں پسوا کر مرے حوالہ کردیں، جو مولانا ہی کی قیام گاہ پر چھوڑ دیں، دو دن میرا قیام رہا، خوب یاد ہے کہ نہ روٹی کھائی نہ چاول کھائے اور نہ کوئی اور چیز کھائی، حالانکہ بڑی نعمتیں دستر خوان پر تھیں، چاقو میرے ہاتھ میں رہتا اور دن بھر قلمی آموں کی کیریاں کھایا کرتا تھا، اس کے علاوہ کوئی مٹھائی یا پھل وغیرہ بھی کچھ نہ کھایا، حالانکہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب بہت ہی اصرار فرماتے تھے۔(۱)

---

(۱) آپ بیتی جلد ۴/صفحہ ۴۸/ تا صفحہ ۵۰/

تذکرہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ یکم محرم الحرام ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳/مارچ ۱۸۷۱ء جمعرات کو اپنے آبائی وطن قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے اپنے والد محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی سے بستی نظام الدین دہلی میں عربی پڑھنی شروع کی، منطق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی رہتے ہوئے مدرسہ حسین بخش میں پڑھیں اور حضرت سہارنپوری کی سفارش پر حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ سے دورۂ حدیث پڑھنے کا موقع ملا، حضرت اقدس گنگوہی اس زمانہ میں نزول آب کی وجہ سے معذور ہوگئے تھے، لیکن حضرت مولانا سہارنپوری کی سفارش منظور کر کے مولانا موصوف اور ایک کثیر جماعت کو آخری مرتبہ دورۂ حدیث پڑھایا، ۱۳/شعبان ۱۳۱۳ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد حضرت اقدس گنگوہی کی حیات تک مسلسل بارہ سال آپ کی خدمت میں رہے، آپ نے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کی بڑی خدمت کی ہے، آپ حضرت اقدس گنگوہی کے بڑے مزاج شناس اور ان کے علوم کو محفوظ کردینے والے ہیں، حدیث کی کتابوں کی شروح ''لامع الدراری علی جامع البخاری'' اور ''الکوکب الدری علی جامع الترمذی'' آپ کے قلم سے ہی محفوظ ہوئی ہیں۔

آپ نے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت اقدس سہارنپوری سے رجوع کرلیا تھا، اور ان سے مجاز بیعت بھی ہوئے، اگرچہ تعلق حضرت اقدس گنگوہی کے تمام اجل خلفاء کے ساتھ محبت اور ادب کا باقی رکھا، لیکن اعلی حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری سے آپ کو بہت زیادہ محبت اور تعلق تھا، حضرت شیخ الحدیث

صاحب آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

میرے والد صاحب کا برتاؤ حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہما کے ساتھ تو بہت ادب کا تھا؛ لیکن اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ سے محبت اکابر ثلاثہ میں سے سب سے زیادہ تھی، اور ابتداء بے تکلفی بھی بہت تھی، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کی طرف سے ایک صاحب کشف قبور نے یہ پیام دیا تھا کہ ''مولوی یحییٰ سے کہہ دینا کہ مولانا رائے پوری کے ساتھ ایسی بے تکلّفی نہ کیا کریں'' اس وقت سے آپ کا بہت احترام شروع ہوگیا تھا، لیکن حضرت تھانوی قدس سرہ کے ساتھ بے تکلفی کا برتاؤ آخیر تک رہا، اور بہت زیادہ جو ہم جیسے بچوں کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا''۔(۱)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی بہت اونچی نسبت اور استعداد کے لوگوں میں سے تھے، حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے ضعف اور کمزوری کے بعد آپ کے تمام اسباق مدرسہ مظاہر علوم میں آپ ہی پڑھاتے رہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی قدس سرہ آپ کے حقیقی بھائی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی آپ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں، کاندھلہ کا یہ خاندان دراصل حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی سے نسبت رکھتا تھا اور حضرت مفتی صاحب حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز دہلوی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، اور آپ کے معتمد خصوصی رہے ہیں، تحریک ولی اللہی کا ایک مرکز کاندھلہ میں حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے زیرِ نگرانی کام کرتا رہا ہے، لہٰذا اس خاندان میں ولی اللہی نسبت کے اثرات پوری طرح موجود رہے ہیں، اسی پس منظر میں حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) آپ بیتی صفحہ ۴۳۰/۴۳۱/ جلد اول مطبوعہ کراچی

نے حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی ہوئی تھی۔

حضرت اقدس عالی رائے پوری قدس سرہ کو آپ سے خصوصی تعلق اور محبت تھی، حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے انتقال کے بعد اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ آپ کو بار بار رائے پور قیام کی دعوت دیتے تھے، گویا اپنے شیخ حضرت اقدس گنگوہی کے وصال سے آپ کے قلب کو جو صدمہ پہنچا تھا، اور بخار و حرارت کی کیفیت رہا کرتی تھی اس کو کم کرنے کے لیے شیخ سے محبت رکھنے والوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیا کرتے تھے، جس کا اظہار آپ کے خطوط سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۹/ستمبر ۱۹۱۶ء کو صبح آٹھ بجے انتقال فرمایا اور قبرستان حاجی شاہ میں دفن ہوئے، آپ کے انتقال کا اعلی حضرت رائے پوری کو بہت صدمہ ہو۔

تذکرہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ۱۲/ رمضان ۱۳۱۵ھ مطابق ۵/فروری ۱۸۹۸ء کو قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے، آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے فرزند ارجمند ہیں، آپ نے قرآن پاک حفظ کر کے ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم اور چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس سرہ سے پڑھیں، اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۴ھ میں یہاں سے فراغت پائی اور حدیث کی تمام کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔

آپ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کے اونچے تلامذہ میں سے

ہیں، اور انہی سے بیعت ہوئے اور حضرت سہارنپوری سے اجازت وخلافت آپ کو ملی، علوم حدیث میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، اسی وجہ سے حضرت سہارنپوری نے آپ کو ''شیخ الحدیث'' کا لقب دیا، جو آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔

محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں آپ مظاہر علوم میں استاذ مقرر ہوئے، اور ۱۳۴۶ھ میں مشیر ناظم اور شیخ الحدیث بنے، اور ۱۳۷۳ھ میں مظاہر علوم کے سرپرست مقرر ہوئے، آپ نے مدتوں مدرسہ مظاہر علوم میں درس حدیث دیا، اور کتب حدیث کی بلند پایہ شروحات تصنیف کی ہیں، آپ نے تبلیغی نصاب بھی مرتب کیا، جو تبلیغی جماعت کے کورس میں شامل ہے، غرضیکہ آپ کا فیضان بڑی دور دور تک پھیلا ہے۔

سیاست میں آپ نے ہمیشہ حضرت اقدس مدنی قدس سرہ اور حضرت اقدس رائے پوری ثانی قدس سرہ کی تائید کی، ان حضرات کا قیام اکثر آپ کے یہاں ہی رہتا تھا۔

اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ اپنے عزیز ترین دوست حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی قدس سرہ کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے، جس کا اظہار خطوط کے مطالعہ سے ہوجاتا ہے، آخر زمانہ میں آپ نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، آپ نے وہیں یکم شعبان ۱۴۰۲ھ م ۲۴؍مئی ۱۹۸۲ء کو انتقال فرمایا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

چھٹا باب

علالت اور وفات

چھٹا باب

علالت اور وفات

بخار کا عارضہ

حضرت رائے پوری کی علالت کا زمانہ طویل گزر رہا ہے، مگر آپ میں کتمان حال (اپنی حالت کو لوگوں سے چھپانے) اور ضبط وتحمل بہت زیادہ تھا، بڑی سے بڑی تکلیف کو چھپاتے تھے، آخری زمانہ میں مستقل بخار رہنے لگا لیکن باوجود اس کے مجاہدات کا وہی عالم رہا، مدتوں تک حالت چھپاتے رہے، ایک دن طبیب کے اصرار اور سوال پر فرمایا مجھے بخار اس دن شروع ہوا جس دن حضرت گنگوہی نے اس دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں قید ہوگئے، ان حضرات کے غم میں آپ عشق سوزاں سے شمع کی طرح پگھلتے رہتے تھے، کسی دوا سے افاقہ نہیں ہوتا تھا، ہاں اگر محبوب کا تذکرہ ہوتا، تو طاقت اور توانائی بڑھ جاتی تھی، سوزش عشق کا یہ عالم تھا کہ جسم پر حالت صحت میں بھی ہاتھ رکھنا دشوار تھا، چنانچہ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ مولانا عزیز گل صاحب نے حضرت رائے پوری سے درخواست کی حضرت! مجھے بدن دبانے کی اجازت مرحمت فرمادیجئے'' تو ارشاد فرمایا ''تم برداشت نہ کرسکو گے، مولانا نہ مانے، اور دبانا شروع کیا،

مولانا عزیز گل صاحب کا بیان ہے کہ مجھ سے جسم مقدس پر ہاتھ رکھنا دشوار ہوگیا انگارے کی طرح آپ کا جسد مقدس گرم تھا، فوراً ہاتھ اٹھالیا، تب حضرت نے فرمایا ''دیکھ لیا''۔

مولانا محمد یحییٰ سے دل کی بے چینی کا اظہار
اور مولانا کا دلچسپ جواب

ایک مرتبہ بیماری میں بندہ (محمد عاشق الٰہی میرٹھی) اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم حاضر ہوئے، دونوں سے حضرت کو کمال بے تکلفی تھی، اس لیے جب سب اٹھ گئے تو فرمایا مجھے ایک پریشانی لاحق ہے جس میں گھلا جاتا ہوں، وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ بندۂ مومن کو لقاء رب کی تمنا ہوتی ہے اور میں اپنے اندر اس مضمون کو نہیں پاتا، مولوی یحییٰ صاحب نے کہا حضرت یہ تمنا وشوق تو عندالموت ہوتا ہے، اور آپ ابھی مرنے والے نہیں، آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ مرنے کو تو پڑا ہی ہوں، اور اسی لیے فکر ہے کہ شوق لقاء کیوں نہیں، مولوی صاحب نے کہا پھر حضرت ہمارے لئے تو مبارک ہے کہ ابھی حق تعالیٰ نے اس وقت کو مؤخر فرمایا کہ وہ وقت ہوتا تو شوق لقاء بھی غالب آتا۔

چنانچہ آپ تندرست ہوگئے اور زندہ رہے، حتی کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے دفعتہً انتقال فرمایا، اور یہ روح فرسا صدمہ آپ کو پہنچا جس کو آپ نے سابق صدمات کے پہلو میں رکھ لیا، آخر جب وہ وقت آیا جس کے آپ منتظر تھے تو باوجود کروٹ لینا دشوار تھا اور نماز کے لیے بھی دو آدمی سہارا دے کر اٹھاتے، اور پلنگ سے اتار کر مصلے پر بٹھایا کرتے تھے۔

کمال ضعف کے باوجود حج وزیارت کا شوق

مگر آپ پر آستانہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کا غلبہ ہوا، اور آپ نے سفر حج کا پختہ قصد کرلیا اور میں (عاشق الٰہی خدمت اقدس میں) حاضر ہوا تو آپ نے بڑے اہتمام سے مجمع کو اٹھا کر تنہائی حاصل کی، اور مجسم شوق بن کر فرمایا میں تو تیرا ہی انتظار دیکھ رہا تھا کہ دل کی بات کہوں، وہ یہ کہ امسال حج کا ارادہ کر چکا ہوں اور تمنا ہے کہ زندہ رہوں تو پہلے جہاز پر سوار ہو جاؤں، میں نے عرض کیا کہ حضرت آفریں ہے حضرت کی ہمت پر کہ کروٹ تو لی نہیں جاتی اور قصد ہے اس کٹھن سفر کا، جس میں مستعد جوان بھی چور چور ہو جاتے ہیں، بھلا کیسے ہو سکتا ہے، فرمایا حضرت بوڑھے جوان سب ہی اس راستہ میں چلتے ہیں، پس مجھے تو کوئی پکڑ کر ریل میں ڈال دے، تو پڑا پڑا انشاء اللہ چلا ہی جاؤں گا، میں نے دیکھا کہ یہ غلبہ شوق دبنے والا نہیں، تو موافقت کا پہلو لے لیا، اور عرض کیا ہاں حضرت ہمت کا حمایتی خدا ہے، جب حضرت نے قصد فرمالیا تو انشاء اللہ پہنچنا کچھ دشوار نہیں، فرمایا الحمد للہ، الحمد للہ، تو نے تو موافقت کر لی، اب ایک خاص درخواست ہے، وہ یہ کہ بس اب حضرت سہارنپوری کا میرے بزرگوں میں ایک دم باقی ہے جن کے حکم کے سامنے چوں وچرا کی ہمت نہیں، اس کا سہم چڑھا ہوا ہے کہ حضرت نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا تو پھر کیا کروں گا، بس یہ خدمت تیرے سپرد ہے کہ حضرت سے بخوشی اجازت دلوادے۔

میں چونکہ سمجھ رہا تھا کہ یہ تو سرکار کے بلاوے کی علامت ہے کہ حاضری آستانہ کا شوق بیتاب بنا رہا ہے، ورنہ موسم حج میں ابھی اتنا وقت ہے کہ اس وقت تک حضرت حیات ہی رہیں تو زہے نصیب، پھر آپ کے دل کو پژمردہ کیوں کروں، اس لیے میں

نے عرض کیا کہ ہاں حضرت انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا، اور امید قوی ہے انشاء اللہ حضرت انکار نہ فرمائیں گے بلکہ کیا عجب ہے حضرت بھی قصد فرمالیں اور پھر بندہ بھی ہمرکاب ہو، اتنا سن کر فرحت وسرور سے حضرت کا چہرہ چمکنے لگا اور الحمد للہ، الحمد للہ، اب اطمینان ہو گیا، فرماتے ہوئے از خود اٹھ بیٹھے کہ تکیہ سے سہارا لگائے دیر تک اسی کی باتیں کرتے اور مزا لیتے رہے، حضرت نے اپنی شدت بیماری میں اپنا سارا سامان حتی کہ بدن کے کپڑے بھی مولانا عبدالقادر صاحب کو ہبہ کر دیئے تھے، کہ اب تم سے مستعار لے کر پہنا کروں گا، مگر تیرہ سو روپئے نقد زاد راہ بنا کر مولانا عبدالقادر صاحب کے حوالہ کر دیا تھا کہ اس کو محفوظ رکھو، یہ میرے اور تمہارے سفر حج کا خرچ ہے، آخر جوں جوں حج کا موسم قریب آتا گیا، آپ کا مرض اور ضعف بڑھتا اور وصال کا وقت قریب آتا گیا، حتی کہ آپ نے سمجھ لیا کہ اب گنجائش نہیں رہی، اور تیرہ سو روپئے ترکہ بنا چاہتا ہے، تب آپ نے مولانا کو بلا کر وہ روپیہ بھی تقسیم کرادیا، کیونکہ آپ مولائے کریم سے ایسی حالت میں ملنے کے متمنی تھے کہ دنیا کا کوئی حبہ اور پارچہ بھی آپ کی ملک میں نہ ہو، بیت کے دھیان سے ہٹ کر اب آپ رب البیت کے خالص تصور میں غرق ہو گئے اور آخر چند ہی روز بعد وہ مبارک وقت آیا جس کے شوق میں آپ کا رواں رواں پکارتا تھا۔

حضرت سہارنپوری کا خواب

آپ کے مرض کو چونکہ امتداد زیادہ ہو گیا تھا، اس لیے زائرین آتے اور چلے جاتے تھے، کس کو خیال تھا کہ فلاں وقت رخصت کا ہے اور ٹھہرنا چاہئے، ایک مرتبہ حضرت سہارنپوری نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا، حسب

معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے، اہلیہ نے پوچھا آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں، اور طبیعت کچھ فکرمند معلوم ہوتی ہے، کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا، اور محزون لہجہ میں فرمایا، اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود الحسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں، دوسرے مجھ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو۔

غرض صبح کو حضرت پیلوں روانہ ہو گئے، جہاں تبدیل آب و ہوا کے لیے حضرت کا قیام تھا، بعد مغرب حضرت نے فرمایا آج عشاء کی نماز ذرا سویرے پڑھ لو، چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہوگی نماز اول وقت پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے، حضرت دوسرے کمرہ میں جا لیٹے کہ دفعتہً آپ کو آخری کرب شروع ہوا، اور حضرت اپنے کمرہ سے لپک کر پاس آئے، مولانا نے حضرت کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینہ پر رکھ لیا۔

حضرت رائے پوری کا وصال

حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور رائے پور کا آفتاب اپنے محبوب کا ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چند منٹ کے اندر شب کے گیارہ بج کر انیس منٹ پر ۲۶/ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹/جنوری ۱۹۱۹ء کو پیلوں میں غروب ہو گیا، یہ گاؤں شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ کا خریدا ہوا تھا، آب و ہوا اس کی بہت اچھی تھی اور انگریزوں کی دیگر کوٹھیاں اس میں تھیں، بہت ہی خوشگوار اور پرفضا تھی، شاہ صاحب کی درخواست پر حضرت قدس سرہ زندگی کے آخری ایام میں تبدیلی آب و ہوا کی وجہ سے یہاں تشریف لے آئے تھے، وصال کے بعد جنازہ رائے پور لے جایا گیا، حضرت سہارنپوری

نے نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں مسجد کے جنوب میں تدفین ہوئی۔

حضرت کی وفات کا حادثہ تمام حلقوں میں بہت اہم سمجھا گیا، بالخصوص دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور جیسے مراکز دینیہ اور مدارس قرآنیہ میں آپ کی جدائی کا صدمہ زیادہ تھا، اسی طرح جدوجہد آزادی کے حوالے سے قومی حلقوں میں بھی آپ کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس موقع پر مشاہیر نے اردو، فارسی اور عربی زبان میں طویل مرثیے آپ کی یاد میں تحریر فرمائے، خاص طور پر حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ''مسدس مالٹا'' کے عنوان سے ایک طویل مرثیہ تحریر فرمایا، ایک مختصر تاریخ وفات یہاں نقل کر دینا بے جا نہ ہوگا، جو حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے لکھی تھی، جس میں آپ کی ہمہ جہتی شخصیت کے جملہ پہلوؤں کو بڑے خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا گیا، اور آپ کے وصال بحق کی منظر کشی بڑے عمدہ انداز میں کی گئی ہے، مولانا فرماتے ہیں:

تمہیں کچھ خبر بھی ہے اے دوستو!
کہ ہے آج کیوں شور محشر بپا

چراغ ہدی شاہ عبدالرحیم
طریق شریعت کے تھے رہنما

وہ چرخ طریقت کے بدر منیر
و مہر حقیقت کے نور وضیاء

سپاہ تواضع کے افسر جلیل
وہ مصر سیاست کے یوسف جمیل

وہ ملک ولایت کے فرماں رواں
جو تھے نیک خو نیک رو پارسا

ہوا ان کو جب شوق خلد بریں
تو راتوں کو حق سے یہ کی التجا

کہ اب تاب درد جدائی نہیں
غم ہجر کی ہو چکی انتہا

دل آرام مجھ کو دکھا دیجئے
جمال مبارک کا ایک پرتوا

ادھر سے تمنائے دیدار تھی
ادھر سے بڑھا شوق حب لقا

ادھر سے تو قطرے کو جنبش ہوئی — ادھر سے وہ دریائے رحمت چلا
غرض اپنے ذرے کو خورشید نے — محبت سے آغوش میں لے لیا
ادھر جوش الفت سے 'رضوان' نے — سلام علیکم فطبتم کہا
ادھر بزم عرفاں میں ہل چل پڑی — نمونہ قیامت کا برپا ہوا
زمانہ میں ایک کھلبلی مچ گئی — ہے شور دریغا ویاحسرتا
جو کل تک رہے طالب نورحق — ہوئے آج مطلوب رب العلی
جہاں فیض سے جن کے گلزار تھا — وہ رنگ بہار جناں ہوگیا
ہوئے نوحہ گر خوش نوایاں باغ — ہوئی باغ میں گرم بزم عزا
ادھر چشم شبنم ہوئی اشکبار — ادھر فرط غم سے نہ غنچہ ہنسا
گریباں کیا ہر گل ترنے چاک — اڑانے لگی خاک سرپر صبا
ہوئی لب پہ قمری کے مہر سکوت — کھڑا رہ گیا سرد حیراں سا
پڑا دل میں لالہ کے داغ فراق — ہوا رنگ بے رنگ ، رنگ حنا
جو کشتہ نے دیکھا یہ حال زبوں — تو اس کو غم سال رحلت ہوا
اٹھا کر کے سرہاتف غیب نے — لقد مات موتا شهيداً کہا

۷ ۳ ۳ ۱ ھ

ساتواں باب

اولادواحفاداورخلفائے کرام

ساتواں باب

اولادواحفاداورخلفائے کرام

اولادواحفاد

حضرت اقدس عالی رائے پوری قدس سرہ کا آبائی وطن اگرچہ ''تگری'' تھا، جب کہ آپ کی ننھال رائے پور میں تھی، آپ کی والدہ محترمہ راؤولی محمد خان ولد راؤذوالفقار خاں رائے پوری کی صاحبزادی تھیں، حضرت اقدس کی ہمشیرہ محترمہ کی شادی بھی رائے پور میں راؤ مرادعلی خاں صاحب سے ہوئی تھی، آپ کے بھانجے حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب رائے پوری انہیں کے بطن سے تھے۔

حضرت مولانا اشفاق صاحب خاصے طویل عرصہ (۱۳۴۴ھ تا ۱۳۶۷ھ) تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بڑے معزز ممبران میں سے تھے، حضرت کی خانقاہ کے کتب خانہ میں جو کتابیں تھیں، ان کے متولی تھے، حضرت اقدس رائے پوری نے اپنی حیات مبارکہ میں اس کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی تھی۔

حضرت اقدس عالی رائے پوری کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی راؤامانت علی ولد راؤ قلندر علی رائے پوری کی صاحبزادی محترمہ سے ہوئی، ان کے بطن سے دو بچے ہوئے، ایک حافظ عبدالرشید جو کہ ۱۳۲۸ھ-۱۹۱۰ء میں سفر حج سے واپسی پر ''عدن'' کے

مقام پر انتقال فرماگئے تھے، دوسری صاحبزادی محترمہ جن کا نکاح جناب چودھری تصدق حسین صاحب رئیس گمتھلہ سے ہوا تھا، اور حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز قدس سرہ (جانشین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) انہی کے بطن سے پیدا ہوئے، حضرت عالی رائے پوری نے اپنے ان نواسے کی تربیت ظاہری وباطنی اپنی زندگی میں کردی تھی، جس کی تکمیل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے دور میں ہوئی تھی۔

حضرت اقدس عالی کی دوسری شادی، پہلی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح بیوگان کے سلسلہ میں ہوئی تھی، اور یہ شادی آپ نے اپنے سسر کی دوسری بیوی کے بیوہ ہونے پر ان سے کی تھی، یہ دوسری اہلیہ محترمہ چودھری برکت علی ولد علی نواز خان لیدھا والوں کی صاحبزادی تھیں، دوسری اہلیہ محترمہ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

خلفائے کرام

ویسے تو حضرت عالی رائے پوری کے تربیت یافتہ افراد اور اجازت یافتہ حضرات کی تعداد خاصی ہے؛ لیکن آپ کے چند خلفاء خاص طور پر اہم اور قابل ذکر ہیں جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری۔

(۲) حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری قدس سرہ دین پور ضلع بہاولنگر۔

(۳) حضرت منشی رحمت علی صاحب جالندھری قدس سرہ

(۴) حضرت ملا عبدالعزیز صاحب رائے پوری (والد محترم حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری)۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ ، کی طرف حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی پوری نسبت منتقل ہوگئی تھی، انوار وبرکات کا وہی ہجوم تھا، اور اپنے شیخ سے حصۂ وافر پایا تھا، اس لیے آپ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے جانشین قرار پائے ،حضرت کے خلفا میں آپ کی سب سے بڑی شان تھی، اور آپ کی نسبت قوی تھی ، ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے آپ کا ظاہر وباطن دونوں ’’نور علی نور‘‘ تھا، مکاتب قرآنیہ کے سلسلہ میں آپ نے بہت اسفار فرمائے اور بہت محنتیں کیں ۔(۱)

آپ ۹۱-۱۲۹۰ھ مطابق ۷۴-۱۸۷ء میں پنجاب کے ایک دوردست گاؤں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے ، آپ جب ۲۳-۱۳۲۲ھ میں رائے پور آئے تو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (متوفی ۱۹۱۹ء) کے استفسار پر اپنا نام غلام جیلانی بتلایا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ تو عبدالقادر ہیں، چنانچہ اسی وقت سے آپ کا نام عبدالقادر مشہور ہوا۔

تعلیم وتربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم پاکستان کے مختلف حضرات سے حاصل کی ، انتہائی تعلیم اور تکمیل کے لیے ہندوستان کا سفر کیا اور سہارنپور، رام پور، دہلی اور بریلی وغیرہ میں مختلف اونچے حضرات سے متعدد کتابیں پڑھیں، اور تکمیل نصاب کیا۔

---

(۱) رسالہ عظمت القرآن صفحہ ۲۵ر

ملازمت

ان مختلف مقامات پر علوم کی تحصیل اور درسیات کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی ، شاید اس کا سلسلہ بریلی میں تکمیل کو پہنچا، اور وہیں بریلی ہی میں تدریسی فرائض انجام دئے ، اور وہیں والد کے انتقال کی خبر ملی، ان کے انتقال کے دو ماہ بعد ملازمت چھوڑ دی ، پھر آپ افضل گڈھ (ضلع بجنور) چلے گئے ، اور وہاں کسی دوست یا رفیق درس کے تعلق سے کچھ عرصہ قیام کر کے مطب قائم کیا؛ لیکن یہ سلسلہ بھی چھ ماہ سے زائد نہیں چلا۔

انجذاب الی اللہ

بانس بریلی کے قیام کے دوران طبیعت کی بے چینی اور قلبی بے اطمینانی بہت بڑھ گئی تھی ، اس زمانے میں حضرت امام غزالی کی کتاب ” المنقذ من الضلال “ کا مطالعہ کیا، جس میں انہوں نے اپنی سرگزشت بیان کی ہے ، اور اس بات کا اظہار کیا ہے کہ صحیح راستہ صوفیائے کرام کا ہے، جو اپنی سیرت واخلاق میں نبوت کے پرتو کامل ہیں، اور ان کا نور باطن مشکوۃ نبوت سے ماخوذ و مستنیر ہے۔

حضرت جس باطنی کشمکش اور جس قلبی پریشانی میں مبتلا تھے، ان حالات میں اس کتاب نے رہبر کامل کا کام دیا، پھر حضرت نے افضل گڈھ (بجنور) میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی مثنوی ’’تحفۃ العشاق‘‘ کو دیکھا تو اس نے عشق حقیقی کی سوزش اور محبوب حقیقی کی طلب وتڑپ پیدا کردی۔

چونکہ ایک دفعہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی سہارنپور میں طالب علمی کے زمانے میں زیارت کر چکے تھے، نیز حضرت کے بعض مریدین سے بھی آپ کی ملاقات ہوچکی تھی ، اس لیے حضرت رائے پوری کی طرف دل کھنچا جاتا

تھا، چنانچہ آپ نے حضرت کی خدمت میں عریضہ تحریر فرمایا کہ ''میں بیعت کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں'' حضرت عالی نے جواب میں رقم فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے ''اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ'' میں آپ کو لکھتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ میں تو طلب ہے، مجھ میں تو یہ بھی نہیں ہے، آپ ہمارے مرشد حضرت گنگوہی کی طرف رجوع کریں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ ''میں اس خط کو پڑھ کر پھڑک گیا کہ اخلاص اور بے نفسی اس کو کہتے ہیں، چنانچہ دوبارہ حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور عرض کیا کہ ''مجھے معلوم ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا، حضرت گنگوہی سے ملا، مگر میرا رجحان جناب کی طرف ہے، میری طرف سے اگر مہمان داری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں، میں اپنے قیام وطعام کا خود ذمہ دار ہوں''۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اس خط کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لوگوں کو خط دکھلایا اور فرمایا کہ ''دیکھو یہ ہیں طالب''۔

رائے پور حاضری

آپ افضل گڈھ سے حضرت کی خدمت میں پہلی بار غالباً ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ میں رائے پور حاضر ہوئے، راؤ عطاء الرحمٰن خاں رائے پوری نے راقم سطور کے دریافت کرنے پر کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت کے پاس کب اور کیسے آئے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ جس وقت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب تشریف لائے تو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا قیام تاجیوالا، جمنا کے کنارے، ہریانہ میں تھا، حضرت آرہے تھے، جب حضرت نے شاہ عبدالقادر کو دیکھا تو فوراً بغیر سلام وکلام کے ان کو اپنی بہلی میں بٹھالیا، یہ پہلی نظر کرم وشفقت ومحبت تھی، چنانچہ آپ نے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا ''جلدی کیا ہے؟ استخارہ کرلو''، چونکہ آپ کو گھر جانا تھا،

فرمایا گھر ہو آؤ، پھر بیعت کرلینا، گھر لوٹتے ہوئے حضرت شاہ عبدالرحیم کے ساتھ حضرت گنگوہی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضرت نے پڑھنے کو وظیفہ بتلا دیا۔

دوبارہ رائے پور واپسی اور مستقل قیام

پھر دوبارہ وطن مالوف سے رائے پور واپسی ہوئی اور بیعت سے مشرف ہوئے، ذکر کی کیفیت بتلانے کے بعد پھر رائے پور میں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا۔

رائے پور کے قیام میں حضرت نے بڑا مجاہدہ کیا، اگرچہ اس دور کی پوری تفصیل ملنی تو مشکل ہے، تاہم حضرت نے اس دور کے جو حالات کبھی کبھی اصلاح وتربیت مریدین کی غرض سے بیان فرمائے تھے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے اس دور میں مشائخ متقدمین کا سا مجاہدہ کیا تھا، پوری پوری رات ذکر وفکر میں گزر جاتی تھی اور حضرت کی رات دن کی خدمت اس کے علاوہ تھی، زندگی کی کوئی آسائش وسہولت حضرت کو میسر نہیں تھی، خود فرماتے تھے کہ ''اس وقت خانقاہ میں بڑی عسرت کا دور تھا، مسلسل سوکھی روٹی کھا کر کئی قسم کے امراض پیدا ہوگئے تھے، کبھی حضرت کی خدمت میں مشغول ہوتا اور مطبخ بند ہوجاتا تو یا ڈیگچی چاٹ لیا، یا پھر طاق میں سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہوتے ان کو پانی میں بھگو کر کھالیا''۔

الغرض اس وقت یا اس زمانے میں حضرت کے دو ہی کام تھے، ذکر واذکار کی مشغولیت اور حضرت کی خدمت، دن رات میں آرام کرنے کا بہت تھوڑا وقت میسر آتا تھا، رات کو حضرت کو لٹانے کے بعد ذکر میں مشغول ہوجاتے اور پوری رات ذکر میں گزار دیتے، ذکر وشغل کے علاوہ رات دن آپ حضرت کی خدمت میں مصروف رہتے اور آپ کو حضرت سے ایسا خادمانہ وعاشقانہ تعلق ہوگیا تھا، جس کی مثال صرف اولیاء

متقدمین کے حالات میں مل سکتی ہے، کہ اپنے آپ کو بھول کر فنافی الشیخ ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم کے ساتھ تبلیغی اسفار

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری تبلیغ کی غرض سے ملک کے طول وعرض میں طویل دورے فرمایا کرتے تھے، جگہ جگہ قیام کرتے اور مدارس کا اجراء کرتے اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کرتے، مگر شاہ عبدالقادر صاحب ہم رکاب رہتے اور شاہ عبدالرحیم کی ضروریات کا اہتمام کرتے، چنانچہ حضرت مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے اپنے حضرت سے اتنی مناسبت ہوگئی تھی کہ جو کچھ حضرت کے قلب پر وارد ہوتا، اللہ کی طرف سے وہی میرے قلب پر وارد ہوتا تھا، اور جو کچھ میرے قلب پر وارد ہوتا تھا وہی حضرت کے قلب پر وارد ہوتا تھا، گویا کہ معاملہ ایسا تھا، کہ

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

تکمیل طریقت اور اجازت وخلافت

چنانچہ جب آپ نے منازل سلوک طے کرلیے، تو پہلے آپ کو حضرت عالی نے سلسلہ قادریہ میں مجاز فرمایا، اس کے بعد چاروں سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

اپنے بزرگوں کو راضی رکھنا چاہیے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ خواہ کوئی راضی رہے یا ناراض رہے، ہم تو اپنے بزرگوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں، اور یہ اپنا پرانا قاعدہ ہے،

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری جب بیمار تھے تو حضرت بدپرہیزی بھی کرلیا کرتے تھے، اور مجھے کچھ ایسی چیز لانے کو فرمایا کرتے جو طبیبوں نے پرہیز بتا رکھا ہوتا تھا، تو بعض راؤ صاحبان اور دوسرے لوگوں نے مجھے کہا کہ حضرت کو تم بدپرہیزی کیوں کراتے ہو، میں نے کہا کہ تمہارے پاس نہیں آیا حضرت کے پاس آیا ہوں، اور ان کو راضی رکھنا ہے، لہٰذا میں تو جو حضرت فرمائیں گے، وہی کروں گا، پرہیز تم کراؤ، انہوں نے کہا کہ حضرت زہر مانگیں تو تم زہر لادوگے، میں نے کہا کہ ہاں، اگر حضرت زہر مانگیں گے تو میں زہر لادوں گا۔

جہاں حضرت ہیں، وہیں رائے پور ہے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ بعض نے مجھ سے کہا کہ حضرت کو بیلوں سے رائے پور چلنے پر آمادہ کرو، جب حضرت بیماری میں وہاں قیام فرماتے تھے، ان دنوں کا قصہ ہے، تو میں نے جواب دیا، کہ میرے لیے تو جہاں حضرت ہیں، وہیں رائے پور ہے، اگر کہنا ہے تو تم کہو، میں کیوں کہوں، میرے لئے تو اگر حضرت جنگل میں ہیں وہی رائے پور ہے، وہی گلزار ہے۔(۱)

انڈہ نیم برشت کتنے وقت میں ہوتا ہے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو انڈہ نیم برشت کرکے کھلانے میں تجربہ کیا ہے کہ گرم پانی میں انڈہ ڈال کر ساٹھ تک اللہ! اللہ کرنے میں جو وقت لگتا ہے، اتنے میں انڈہ نیم برشت ہو جاتا ہے۔(۲)

(۱) ارشادات صفحہ۱۰۲ار　(۲) ارشادات صفحہ۱۲۱ار

حضرت شاہ عبدالرحیم کی وفات اور آپ کی جانشینی

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی علالت کا سلسلہ وفات سے پانچ سال قبل شروع ہو گیا تھا، مرض وفات میں جو لوگ بیعت کے لیے آتے تھے، حضرت کے حکم سے آپ ان سے بیعت لیتے تھے، اس زمانے میں بہ کثرت لوگ آپ سے بیعت ہوئے، ان ہی ایام میں ایک روز حضرت نے شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا ''دل تو چاہتا ہے کہ جیسے زندگی میں اکٹھے ہیں، مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ رہیں'' مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

بالآخر ۲۶؍ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۱۹۱۹ء کو حضرت کا وصال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چونکہ امام العصر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سلسلے میں کسی رسمی جانشینی اور خلافت کا اعلان نہیں کیا جاتا تھا، جو صاحب اہل ہوتے ہیں، وہ خود ہی مرجع خلائق ہوجاتے ہیں، ویسے ہی حضرت نے آپ کو اجازت وخلافت خود دے دی تھی، نیز چودھری محمد صدیق صاحب کو آپ کے بارے میں وصیت فرمانا کہ ''میرے بعد عبدالقادر کا خیال رکھنا'' زندگی میں اور موت کے بعد ایک ہی جگہ رہنے کی خواہش کا اظہار کرنا، حضرت شاہ عبدالقادر کا سارے تعلقات ختم کر کے حضرت کی خدمت میں پڑا رہنا، یہ باتیں سب آپ کی جانشینی پر دال تھیں، چنانچہ خود ہی حالات واسباب ایسے پیدا ہوتے گئے کہ بالآخر حضرت شاہ عبدالقادر ہی حضرت شاہ عبدالرحیم کے صحیح جانشیں وقائم مقام اور باطنی دولت کے وارث بنے۔

بیت اللہ کی زیارت اور حج

آپ نے کل تین حج کیے ہیں، پہلا حج آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے

ساتھ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں کیا، دوسرا حج حضرت کی وفات کے بعد آپ نے ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں کیا، اس سفر میں آپ کے ساتھ بہت سے علماء وصلحاء کا مجمع تھا۔

تیسرا اور آخری حج آپ نے ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں کیا، اس سفر میں آپ کے ہمراہ رائے پور کے رؤسا اور راؤ صاحبان اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنے اعزہ واحباب کے ساتھ تھے، فیض آباد، بہٹ اور بریلی کے بعض شرفاء بھی شریک قافلہ تھے۔

عوام میں مقبولیت ومحبوبیت

حضرت کے اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی وفنائیت کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اس مادہ پرستی کے دور میں آپ کو ایسی مقبولیت ومحبوبیت نصیب فرمائی، اور آپ کی طرف محبین ومعتقدین کا ایسا ہجوم ہوا، جس سے مسلمانوں کے عہد عروج اور دین داری وخدا طلبی کے دور ترقی کی ایک جھلک نظر آ گئی، آپ کہیں ہوں، گاؤں میں یا شہر میں، ہندوستان میں ہوں یا پاکستان میں، اہل طلب وارادت آپ کو گھیرے رہتے تھے، اور بغیر کسی اعلان واشتہار کے پروانہ وار جمع ہوجایا کرتے تھے، جس جگہ بھی تشریف فرما ہوتے، کئی سو کا مجمع حاضر رہتا، وسیع کوٹھیوں کا چپہ چپہ ذکر کرنے والوں اور دور دور سے آنے والوں سے معمور ہوجاتا تھا۔

آپ کی ذات نے ثابت کردیا کہ زمانے کے انقلاب کا بہانہ ہے، اخلاص وکمال کہیں مخفی ومستور نہیں رہ سکتے، دور آخر میں آپ کی محبوبیت اور عوام کی عقیدت کے مناظر نے اسلام کے دور اول کے علمائے ربانی کی مقبولیت ومحبوبیت کی یاد تازہ کردی۔

حضرت کی اس مقبولیت نے ثابت کردیا کہ دین اور خلوص میں اب بھی وہ کشش ہے جو کسی بڑے سے بڑے دنیادار، صدر مملکت اور کسی ارب پتی کو حاصل نہیں، سچ ہے:

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ

دنیا کے بڑے لوگوں کو خدام تو مل سکتے ہیں؛ لیکن ان کو وہ عقیدت ومحبت اور دل سوزی نہیں مل سکتی جو اللہ کے مقبول بندوں کے مخلص خدام میں ہوتی ہے، اوران خدام میں جن کا شمار ہوسکتا ہے، ان میں مولانا عبدالمنان صاحب، بھائی الطاف صاحب، صوفی برکت علی صاحب، حضرت حافظ عبدالرشید صاحب، قاری محمد بشیر صاحب، حضرت کے بھتیجے مولوی عبدالجلیل صاحب اور بھانجے مولوی عبدالوحید صاحب پیش پیش ہیں۔

حضرت کی تمام ضروریات وضوء استنجاء کرانا، کھانا کھلانا، دوائی وغیرہ استعمال کرانا، نہلانا، کپڑے پہنانا، لٹانا، بٹھانا، سب کچھ یہی خدام کرتے تھے۔

عمومی بیعت

آپ کے اخلاص، وسعت اخلاق، شفقت ومحبت اوراپنے کام میں انہماک ویک سوئی کی وجہ سے بہت جلد رائے پور کی خانقاہ مرجع خاص وعام بن گئی، سہارنپور کا ضلع خاص طور پر، اور دوآبہ عام طور پر بزرگوں کے ساتھ عقیدت رکھنے والا، خدا کے نام کی چاشنی کا لذت آشنا ہے، رائے پور کے اطراف اور کوہ شوالک کے دامن، اور جمنا کے کنارے کا دونوں طرف کا علاقہ حضرت شاہ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ بالعموم عقیدت وارادت رکھتا تھا، جابجا ضلع میں، پہاڑ پر، کھادر کے علاقے اور جمنا کی ترائی میں آپ کے خدام اور آپ کے قائم کیے ہوئے مدارس ومکاتب پھیلے ہوئے تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد یہ سب اہل ارادت وتعلق آپ سے مانوس

اور متعلق ہوئے، پرانے خدام نے آنا جانا اور ذکر کرنا شروع کیا، ان کی ترغیب یا ان کی صحبت کے اثر سے نئے نئے لوگ بیعت کے لیے آنے لگے، اور بڑی تعداد میں داخل سلسلہ ہونے لگے، آپ علماء وخواص کو بیعت کرنے میں جتنے محتاط اور متأمل تھے، عوام کو اللہ کا نام سکھانے اور توبہ کرادینے میں نہیں تھے، بعض مرتبہ فرمایا ”یہ لوگ نہایت سادہ طبیعت، مخلص اور سچے ہوتے ہیں، ان کی کوئی اورغرض نہیں ہوتی، صرف توبہ کرنا چاہتے ہیں، میں بھی اس خیال سے پس وپیش نہیں کرتا، کہ شاید ان کے خلوص کی برکت سے میری بھی نجات ہوجائے اور ان کے ساتھ میں بھی توبہ کرلوں“۔

حضرت کے اخیر زمانے میں لوگ بہت زیادہ آتے تھے، کئی کئی سو کا مجمع ہوتا، تو حضرت کے حکم سے حضرت حافظ عبدالرشید صاحب بیعت وتوبہ کے کلمات کہلواتے تھے۔

خصوصی استفادہ واصلاح

رائے پور کی خانقاہ چونکہ رسوم وقیود سے بہت آزاد اور حضرت کی طبیعت مبارک بہت جامع، وسیع اور دار وگیر سے بھی دور تھی، نیز مختلف ماحول اور طبقات کے لوگوں کا آپ سے تعلق اور عقیدت، اور آپ کو ان سے محبت تھی، اس لیے مختلف ذوق اور مکاتب فکر، صحیح الخیال علماء، سیاسی رہنما، قومی کارکن، اہل مدارس، اہل قلم وصاحب تصنیف، جدید تعلیم یافتہ اور قدیم مدارس کے فضلاء، اپنی اصلاح وتربیت اور اپنے اپنے خلا کی تکمیل کے لیے حاضر ہونے لگے۔

ان میں بہت سے ایسے تھے کہ عرصے سے دین وعلم دین کی خدمت، اصلاح وتبلیغ، تصنیف وتقریر یا مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی اور قومی خدمت میں مشغول تھے، اور ہندوستان کی علمی یا سیاسی محفلیں ان کی علمی لیاقت، سحر انگیز خطابت، یا مفکرانہ

قیادت کی شہرت وآوازہ سے گونج رہی تھیں، اور وہ خود ہزاروں لوگوں کے مرجع اور مرکز عقیدت بنے ہوئے تھے؛ لیکن ان کو خود (اس پوری دینی وعلمی مشغولیت وافادہ کے ساتھ) اپنے اخلاص واخلاق کی تکمیل کے لیے ایک شیخ کامل اور ایک طبیب حاذق کی تربیت وصحبت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضرورت کا احساس ان کو کشاں کشاں حضرت کے پاس لایا اور انہوں نے رائے پور پہنچ کر بہ صد شوق وبہ کمال جوش خواجہ حافظ کی زبان میں عرض کیا۔ ؎

تو کہ کیمیا فروشے نظرے بہ قلب ما کن
کہ بضاعتے نہ داریم وفگندہ ایم دامے

مرض الوفات

جب حضرت آخری مرتبہ پاکستان گئے، تو لاہور کے قیام میں کئی بار مرض کا شدید حملہ ہوا، درجہ حرارت بہت بڑھ گیا اور غفلت وغنودگی طاری ہوگئی، کئی کئی روز یہ حالت رہی، خدام پریشان وسراسیمہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب حضرت کا مرض انتہا کو پہنچ چکا تھا، حضرت پر استغراق کامل اور انقطاع کل کی کیفیت طاری تھی، زبانی تعلیم وتربیت اور ارشاد واصلاح کا وقت بہ ظاہر ختم ہو چکا تھا اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ رشد وہدایت کا یہ چراغ اب گل ہونے کے قریب ہے؛ لیکن حضرت کے پاس مقیم ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ اس انقطاع ومعذوری کے باوجود یہ ماحول کسی کے نفس گرم اور قلب روشن سے گرم اور منور ہے اور پورے ماحول پر سکینت واطمینان کا ایک شامیانہ نصب ہے۔

آخر کار ۱۴؍ربیع الاول ۱۳۸۲ھ م ۱۶؍اگست ۱۹۶۲ء کو جمعرات کے روز، دن کے ساڑھے گیارہ بجے رشد وہدایت کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

اکثر اہل اللہ کے لیے یہی یوم لقا ثابت ہوا ہے، قیام گاہ پر سناٹا چھا گیا، ہر شخص کو اس نعمت عظمی کے چھن جانے کا اور اپنی محرومی کا احساس ہوا۔

حضرت نے نصف صدی سے زائد مدت مسلسل مجاہدہ، مسلسل خدمت، مسلسل دعوت واصلاح اور مسلسل بے داری روح وقلب میں گزار کر اپنے خالق حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر سکون واطمینان پایا" يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي اِلٰى رِبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي "۔

لاہور شہر میں بجلی کی طرح خبر پھیل گئی، ریڈیو پاکستان نے لاہور سے اس روح فرسا واقعے کی اطلاع دی، شہر کے کونے کونے سے لوگ آخری زیارت کے لیے ٹوٹ پڑے، چار مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی، اور عین صبح صادق کے وقت تدفین عمل میں آئی، حضرت کی زندگی میں جس جگہ حضرت کی مجلس ہوا کرتی تھی، آج وہیں حضرت کی قبر (کوٹھری) بنی، دفن سے فراغت کے بعد صبح کی اذان ہوئی اور سیکڑوں میل سے آئے ہوئے خدام، نماز پڑھ کر بادیدہ تر رخصت ہوئے۔

امتیازی خصوصیات

مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر اور دینی وسیاسی، قومی رہنماؤں اور اہل علم وقلم حضرات کا حضرت کو اپنا مرشد ومربی بنانا، اس وجہ سے تھا کہ حضرت میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو دوسری جگہ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھیں، چند قابل ذکر خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

آپ کے یہاں قرآن مجید سے شغف اور اس کی تلاوت کا خاص اہتمام تھا، محبت رسول اور صحابہ کرام سے تعلق ومحبت، اپنے شیخ سے اور اکابر سے خصوصی تعلق حد درجہ تھا، بے نفسی وفنائیت، زہد وتوکل اور بذل وسخا، آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، نومسلموں

سے خصوصی تعلق اور شفقت آپ کا امتیاز خاص تھا، حقیقت پسندی اور حالات سے باخبری، اسلام کی فکرمندی اور مسلمانوں کے لیے دل سوزی آپ کا رات دن کا مشغلہ تھا۔

اگر کوئی شخص بلند اخلاق، شفقت و عاجزی، مسکینی و انکساری، کمالات کا اخفاء، تسلیم و توکل و رضا و سخاوت وغیرہ کو مجسم دیکھنا چاہے تو مجموعہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم سیہ کاروں کو بھی حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے اور آخرت میں عاقبت محمود کردے۔

حضرت مولانا اللہ بخش بہاولنگری

حضرت اقدس مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری قدس سرہ بہاول نگر کے قریب بستی ککر بودلہ میں ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی کا نام میاں بخت آور تھا، آپ کا خاندان ۱۵ ر پشت پہلے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردی قدس سرہ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوا تھا، پہلے آپ کے جدامجد ملتان کے قریب قصبہ قادر پور میں رہا کرتے تھے، اور اسی جگہ اسلام قبول کیا تھا، پھر ان کی اولاد دیپالپور کے قریب قصبہ منچریاں میں آباد ہوئی اور یہاں سے آپ کے جدامجد بہاول نگر کے قریب بستی ''ککر بودلہ'' میں تشریف لے آئے، حضرت بہاول نگری کا بچپن اسی بستی میں گزرا۔

تعلیم و تربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم بہاولنگر کے قریب ایک بستی ''سمجھو'' میں مشہور عالم دین حضرت مولانا کرم دین صاحب سے حاصل کی، یہ بستی بہاولنگر سے شمال کی طرف

رواجھانوالی اور توگیرے شریف کے درمیان تھی، جواب ختم ہو چکی ہے، یہاں آپ کے ساتھیوں میں حضرت مولانا روشن دین صاحب خطیب جامع مسجد بہاول نگر اور حضرت مولانا جمال الدین چشتی بھی تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد متوسط کتابیں مختلف شہروں اور قصبوں میں پڑھتے رہے، اور بالآخر مدرسہ حسین بخش دہلی میں داخل ہوئے، اور اسی مدرسہ سے علوم کی تکمیل فرمائی، تعلیم سے فراغت کے بعد جوہری بازار (جس کو دریبہ کلاں بھی کہتے ہیں) کی ایک مسجد مہرکن میں خطیب مقرر ہو گئے، مسجد کے حجرہ میں ہی قیام تھا اور اسی مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، متولی مسجد نے دس بیرونی طلبہ کے رکھنے کی اجازت دی ہوئی تھی، آپ کا علم اور مطالعہ بڑا وسیع تھا، خوب محنت سے پڑھایا کرتے تھے، مزاج میں اتباع سنت کا جذبہ بہت تھا۔

اسی دوران آپ کے دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوا، چنانچہ طلب حق میں بے قرار رہنے لگے۔

حضرت رائے پوری کا دہلی میں آپ کی مسجد میں قیام کرنا

اسی عرصہ میں ۱۳۱۷ھ میں حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کو لقوہ کی تکلیف ہوئی اور علاج کے سلسلہ میں دہلی تشریف لائے، آپ کے ساتھ خانپور کھڑر کے حاجی عبدالعزیز خان بن حاجی سوندھے خان اور صاحبزادہ حافظ عبدالرشید تھے، یہ دونوں حضرات ایک اس مسجد میں تشریف لائے، جہاں حضرت بہاول نگری قیام فرما تھے، اور انہوں نے حضرت مولانا سے بات کی کہ ہمارے پیرومرشد ساتھ ہیں، یوں تو رہائش کے لیے بڑی بڑی کوٹھیاں مل سکتی ہیں، حضرت

رائے پوری کی خواہش ہے کہ وہ مسجد کے ساتھ ایسے حجرہ میں قیام کریں، جہاں نماز باجماعت کی سہولت ہو، اگر اپنا کمرہ دے دیں تو عنایت ہوگی، حضرت بہاولنگری نے اپنا حجرہ حضرت اقدس رائے پوری کے لیے خالی کردیا، اور خود مسجد میں بستر جمالیا، حضرت اقدس رائے پوری جب تشریف لائے اور یہ زیارت سے مشرف ہوئے تو زبان عشق پکار اٹھی، یہ تو وہی بزرگ ہیں جو خواب میں مجھے نظر آتے رہے، یہی میرے پیرومرشد اور شیخ عالی مقام ہیں، جتنے دن حضرت اقدس رائے پوری کا قیام رہا، آہستہ آہستہ دل میں محبت جمتی چلی گئی، بالآخر بیعت کی درخواست کی؛ لیکن حضرت نے فرمایا استخارہ کرلو، صحت یاب ہونے کے بعد حضرت اقدس رائے پور تشریف لے آئے، اسی دوران آپ کے دل میں مزید بے قراری پیدا ہوگئی۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

رائے پور حاضری اور حضرت سے بیعت

دل کی بیقراری اتنی بڑھی کہ رائے پور دیوانہ وار حاضر ہوئے، حضرت اقدس اس وقت رائے پور سے لودھی پور (جو رائے پور سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے) تشریف لے گئے تھے، وہیں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی، حضرت اقدس رائے پوری نے فرمایا گنگوہ میں میرے پیرومرشد حضرت اقدس گنگوہی تشریف رکھتے ہیں، ان سے بیعت ہوجاؤ، لیکن حضرت بہاولنگری نے فرمایا، حضرت وہ تو آپ کے پیر ہیں، میں تو آپ سے ہی بیعت کروں گا، بالآخر سچی طلب تھی، بیعت فرمالیا اور ذکر واذکار اور دیگر وظائف بتلادئے، آپ نے بڑی عالی ہمتی سے منازل سلوک طے

فرمائے، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری فرمایا کرتے تھے کہ ان کو بہت تھوڑے عرصہ میں وہ مراتب حاصل ہوئے، جو دوسروں کو سالہا سال صرف کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، مکاشفات واحوال عجیبہ اور علوم عالیہ کا بڑا ورود ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ علوم کے آسمان وزمین بھرے ہوئے دیکھتا ہوں۔

تربیت وتکمیل اور اجازت وخلافت کے بعد

تربیت وتکمیل اور اجازت وخلافت کے بعد دہلی چھوڑ دی اور حضرت اقدس رائے پوری کے حکم پر پہلے چک نادر شاہ میں قیام فرمایا، پھر کچھ عرصہ بہاولنگر کے قریب شورہ کوٹھی میں بھی قیام رہا کہ اس دوران حضرت اقدس رائے پوری کا بہاول نگر کی طرف سفر ہوا، جب دین پور والی جگہ سے گزر ہوا، جب کہ وہاں جنگل ہی جنگل تھا، ایک جگہ حضرت اقدس رائے پوری کھڑے ہوگئے اور اپنی لاٹھی گاڑ دی اور چاروں طرف دیکھ کر فرمایا کہ ”مولانا اللہ بخش صاحب! یہ جنگل تو بڑا مبارک ہے، یہاں تو انوار برس رہے ہیں، تم اپنی جگہ اسی جنگل میں بناؤ، چنانچہ حضرت بہاول نگری نے اسی جگہ ایک ٹپری ڈال لی اور متوکلانہ بیٹھ گئے، اللہ تعالی نے اس جگہ کو مرکز ہدایت بنادیا“۔

حضرت بہاولنگری کا فیض

ریاست بہاول پور اور اطراف واکناف میں حضرت اقدس رائے پوری کا فیض روحانی آپ کی ذات گرامی سے پھیلا اور بہت دور تک پھیلا، آپ نے ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) میں اس جگہ مدرسہ انوار ہدایت بھی قائم فرمایا، جس میں حضرت صاحبزادہ محترم حافظ عبدالرشید رائے پوری، حضرت مولانا محمد اشفاق رائے پوری اور حضرت حاجی عبدالحکیم خانپوری اور دیگر حضرات نے بھی تعلیم حاصل کی، اسی طرح تاحیات

آپ مدرسہ تجوید القرآن خیر پور ٹامے والی کے متولی اور نگراں رہے، اور پوری ریاست میں مساجد ومدارس کا قیام اور ان کی سرپرستی اور نگرانی بھی آپ فرماتے رہے، آپ نے ۱۰؍رجب المرجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۳۳ء منگل کی رات کو دین پور ضلع بہاولنگر میں اپنی خانقاہ میں وصال فرمایا اور مسجد کی جنوبی سمت آپ کا مزار مبارک ہے۔

آپ کو حضرت اقدس رائے پوری سے بڑا تعلق تھا، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب بہاولنگری کا تعلق حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری سے رہا، اور پھر آپ کے پوتے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب بہاولنگریؒ نے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری سے تربیت حاصل کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، وہ اپنے والد گرامی کے بعد جانشین ہوئے اور آج اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر قائم رکھے۔ آمین

منشی رحمت علی جالندھریؒ

منشی رحمت علی صاحب بہت ہی صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، آپ باوجودیکہ اردو چار تک پڑھے ہوئے تھے؛ لیکن حضرت کے فیض وصحبت سے اللہ نے علم وہبی انہیں عطا فرمایا تھا، کہ جس کی بدولت بخاری ومسلم اور قرآن پاک کے معانی ومطالب اور تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، جس پر علماء متحیر رہا کرتے تھے۔

منشی رحمت علی جالندھری کے بہت اونچے حالات تھے، منشی جی کو بعض ان بزرگوں کی اکثر زیارت ہوتی رہتی تھی جن کے انتقال ہوگئے۔

منشی رحمت علی صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے اخص اصحاب اور کبار خلفاء میں سے تھے، استعداد بڑی عالی اور کمالات وعلوم باطنیہ سے بڑی مناسبت

تھی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ بڑا ہی بسط تھا، بڑا ہی بسط تھا، تین دفعہ فرمایا، ایک مرتبہ آپ نے کتاب فتوح الغیب کو دریافت کیا، کسی نے عرض کیا وہ تو حضرت منشی صاحب لے گئے ہیں، فرمایا ان کو فتوح الغیب کی کیا ضرورت ہے، وہ تو خود فتوح الغیب ہیں، تعلیم معمولی تھی اور گاؤں کے ایک مکتب میں پڑھاتے تھے؛ لیکن جب بسط ہوتا اور کچھ ارشاد فرمانے لگتے تو بڑے بلند مضامین اور علوم عالیہ کا ورود ہوتا، بالآخر ۲۱؍جمادی الثانیہ کی شب میں ۱۳۵۱ھ ۲۳؍اکتوبر ۱۹۳۲ء کو انتقال فرماگئے۔

حضرت ملاجی عبدالعزیز رائے پوری

حضرت ملا عبدالعزیز خان رائے پور ہی میں پیدا ہوئے، آپ ملاجی کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے ہیں، آپ نے قرآن مجید ناظرہ کیا اور کچھ دینی کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ اجل اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے پیر بھائی تھے، حضرت ملاجی رائے پور میں حضرت شاہ عبدالرحیم کے ساتھ ہونے والوں میں سب سے پہلے شخص تھے، جب شاہ عبدالرحیم صاحب کو حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری نے رائے پور میں بھیجا، تو عماد پور کا ایک آدمی سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت ہوا، اور حضرت ملاجی نے سب سے پہلے ان کی رفاقت کی، یہاں تک کہ مجاہدوں کے زمانے میں بھی ساتھ رہے، اس طرح سے تقریباً آپ حضرت شاہ عبدالرحیم کے ساتھ چالیس سال رہے ہیں۔

حضرت ملاجی کی حج کے سفر میں رفاقت

حضرت ملاجی کے خلف الصدق حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری نے

مولانا محمد اشفاق صاحب رائے پوری کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اور ان کی بیوی فاطمہ حضرت ملاجی کی معیت میں حج کے لیے حجاز مقدس کے سفر میں گئے تھے، وہاں پر ایک جگہ ایک راستہ بہت پر خطر تھا، بدو لوگ مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے، اسی اثنا میں اتفاق سے حضرت کی بیوی کا اونٹ جس پر وہ سوار تھیں پیچھے رہ گیا، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب پیچھے مڑ کر دیکھنے کے لیے گئے، پیچھے پیچھے حضرت ملاجی بھی ساتھ چل دئے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ملاجی تم کہاں آ گئے ہو، یہ تو پر خطر راستہ ہے، تو ملاجی نے محبت سے لبریز، دل آویز اور عاشقانہ جواب دیا، کہ اگر حضرت ہی نہ ہوں گے تو ہم دنیا میں کیا کریں گے، اس واقعہ سے حضرت ملاجی کا حضرت شاہ سے تعلق ومحبت اور قلبی لگاؤ اور سچی رفاقت کا اندازہ ہوتا ہے، کہ کس درجہ وہ فنا فی الشیخ کے مرتبے پر فائز تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت شاہ عبدالرحیم کو بھی ملاجی سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔

حضرت رائے پوری ملاجی کے لیے پانی لائے

حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم صاحب اور ملاجی دونوں لوہاروں والی مسجد میں رات میں بیٹھے ہوئے پڑھ رہے تھے، اچانک ملاجی کو پیاس لگی، پانی وہاں تھا نہیں اور ملاجی پانی پینے نہیں گئے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو کشف ہو گیا، اٹھ کر لوٹا لیا اور نہر سے پانی لے کر آئے، نہر لوہاروں والی مسجد سے جنوب میں تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے اور ملاجی کو پلایا، اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیخ کو مرید سے اور مرید کو شیخ سے کس قدر والہانہ، مشفقانہ اور عقیدت مندانہ ربط اور تعلق تھا، حضرت ملاجی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے زمانے میں بھی

اور حضرت شاہ عبدالقادر کے زمانے میں بھی باغ ہی میں مقیم رہے، باغ سے مراد خانقاہ رحیمی ہے، چونکہ اس کے اردگرد باغ ہے، مدرسے کا کام بھی حضرت شاہ صاحب کے بعد انہوں نے ہی چلایا، اور اس کے کمرے میں رہتے تھے، جس میں اس وقت مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کا دفتر اہتمام ہے، اب تو چند سالوں سے وہاں نئی تعمیر ہو گئی ہے۔

خانقاہ کا مدرسہ اور اس کے ذمہ داران

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ مدرسہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے ۱۳۰۸ء میں قائم کیا تھا، ان کی وفات کے بعد مدرسہ ختم ہو گیا، پھر حضرت ملاجی نے اس کو از سر نو شروع کیا، اور تیرہ سال تک مدرسہ کا کام ملاجی کے ہی سپرد رہا، ان کے بعد مولانا اشفاق صاحب کے سپرد رہا، حضرت مولانا علی میاں صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مدرسہ کا اہتمام مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نومسلم کے سپرد رہا، ۱۴۰۵ھ م ۱۹۸۴ء سے حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب اس کے ذمہ دار ہیں، مگر عملاً حضرت مفتی صاحب کے داماد الحاج عتیق احمد صاحب ناظم ہیں۔

حضرت رائے پوری کے حکم سے حضرت ملاجی کا مدارس قائم کرنا

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ملاجی کے ساتھ حکیم غلام محمد صاحب پٹھیڑ والے اور ایک آدمی اور تھا، ان تینوں آدمیوں نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے حکم سے رام پور، ڈھکرانی، سہس پور، مئو والا وغیرہ، دہرہ دون میں اور دیگر بہت سے مقامات پر مدارس دینیہ قائم کئے ہیں، غرضیکہ حضرت ملاجی حضرت شاہ صاحب کے خاص خادم بھی تھے، اور حضرت کی ڈاک بھی اکثر آپ ہی لکھا کرتے تھے، تحریک

ریشمی رومال کے سلسلہ میں مالی اعانت کا نظام بھی آپ سے ہی متعلق تھا، چندہ اکٹھا کرنا اور مجاہدین کوارسال کرنا آپ کی ذمہ داری تھی، اور اس سلسلہ کی خط وکتابت اور دیگر ذمہ داری بھی آپ ہی کی وساطت سے ہوتی تھی، حضرت عالی کے انتہائی معتمد افراد میں سے تھے۔

ملاجی کی خصوصیات

حضرت ملاجی کی نرم طبیعت تھی، نورانی چہرہ، بے انتہا صبر وتحمل تھا، نماز میں حد درجہ خشوع وخضوع تھا، بہت ہی اونچے حالات تھے۔

مولانا جان محمد باقرپوری نے فرمایا کہ تقویٰ میں مولوی الطاف حسین (۱) اور صبر میں حضرت ملاجی اپنی مثال آپ تھے۔

رسول نما بزرگ

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ سنسار پور کے منشی عبدالرشید تھے، ان کا تعلق حضرت ملاجی سے تھا اور ان سے ہی بیعت تھے، ایک مرتبہ میں بیمار ہوا (اس قدر بیمار ہوئے تھے کہ لوگ زندگی سے مایوس ہوگئے تھے) منشی جی نے اباجی سے کہا کہ عبدالرشید بچ جائے اور صحیح ہوجائے، اور میرا انتقال ہوجائے، اس بات سے حضرت ملا جی کو ان سے بہت ہی زیادہ الفت ومحبت ہوگئی، ایک مرتبہ حضرت ملاجی نے ان کو رات میں اٹھا کر کہا کہ آنکھیں بند کرو، تو انہوں نے آنکھیں بند کیں، جیسے ہی آنکھیں بند کیں تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک صاف میدان ہے، اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) مولانا الطاف حسین صاحب مولانا واجد علی صاحب رائے پوری کے بڑے بھائی اور حضرت ملاجی کے داماد تھے، جن کا تقویٰ اور پرہیزگاری مشہور تھی۔

بیٹھے ہوئے ہیں، پھر دوسری مرتبہ رات میں ان کو سوتے ہوئے اٹھایا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی، اس واقعہ کے بعد حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ ایسے بزرگ کو رسول نما کہتے ہیں۔

حضرت ملاجی فنافی اللہ اور فنافی الرسول کے اس مرتبہ پر تھے کہ وہ جس کو چاہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیتے تھے، یہ سب اللہ کے فضل اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب جیسے پیر کی صحبت وتوجہ کا اثر تھا، جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت ملاجی کے یہاں ایک ہی اولاد ہوئی جن کا نام نامی اسم گرامی عبدالرشید تھا۔(۱)

(۱) حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ اور خادم خاص تھے، جب ۱۹۱۰ء میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے صاحبزادے عبدالرشید کا حج سے واپسی پر راستے میں انتقال ہوگیا، حضرت ملاجی ساتھ تھے، تو حضرت ملاجی کے یہاں جولڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام عبدالرشید رکھا، جنھوں نے عجیب کارنامے انجام دئے، انہوں نے دینی، دعوتی، اصلاحی بہت کام کئے، تقسیم ہند کے بعد مرتد ہونے والے لوگوں کو دوبارہ اسلام میں داخل کیا، انکو کلمہ پڑھوایا، جن علاقوں میں مسجدوں کی ضرورت تھی، مساجد قائم کی، مدارس قائم کئے، اس طرح آپ نے ۴۴؍مساجد قائم کیں اور ۷؍رمضان ۱۴۱۶ھ م ۲۸؍جنوری ۱۹۹۶ء اتوار کی شب میں تقریباً ۹؍بج کر ۴۵؍منٹ پر انتقال ہوا، حضرت حافظ صاحب کے حالات پر راقم کی ایک مستقل کتاب ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے ہے۔

آٹھواں باب

خصوصیات وامتیازات

آٹھواں باب

خصوصیات وامتیازات

عادات واطواراوراوصاف وخصائص کا اجمالی خاکہ

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے آپ کے اوصاف، امتیازی خصوصیات اور عادات مبارکہ کا اجمالی خاکہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

''حضرت ممدوح اس صدی کی وہ مقتدر ہستی تھی جو گذشتہ صدیوں کے بزرگان مشاہیر کا نمونہ بن کر دنیا میں آئی تھی ، شان تفویض (یعنی ہر بات کو خدا تعالی کے سپرد کرنا) کی مجسم تصویر، بحر توحید کی غواص (غوطہ لگانے والے) تسلیم ورضا میں غرق اور توکل واعتماد میں فنا، شریعت میں آپ عالم متبحر تھے، مگر طریقت کا آپ پر ایسا غلبہ تھا کہ دیکھنے والا آپ کو مولوی وعالم نہ سمجھتا تھا، یکسوئی اور وحدت نشینی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، مگر حق تعالی کو آپ کے نور فیضان سے عالم کو معمور (آباد) کرنا تھا، اس لیے جس گمنامی وپنہائی کے آپ متمنی اور شیدا تھے، اس میں کامیاب نہ ہوئے، مخلوق کو قدرتی طور پر آپ کی طرف کشش ہوتی اور آپ جتنا دنیا سے بھاگتے، گھبراتے اور دامن چھڑاتے تھے، اسی قدر دنیا آپکا تعاقب کرتی لپکتی اور دامن پکڑتی تھی، آپ کے

حالات عجیبہ بیان کرنے سے زبان عاجز ہے، محبوبیت آپ پر سایہ فگن تھی، اور اس لیے مخلوق کو آپ کے وجود با وجود سے ظاہری و باطنی ہر قسم کا ہر وقت نفع پہنچتا رہتا تھا''۔

آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجلہ خلفاء میں تھے اور غلبہ کتمان اور اخلاق کی وجہ سے ''نقشبندیت'' کا آپ پر غلبہ تھا، کہ باغ کے پتہ پتہ اور نہر کے قطرہ قطرہ سے ذکر اللہ سنائی دیتا تھا۔

اور بے حس و بے مس شخص بھی حاضر خدمت ہو کر اس اندرونی لذت کو محسوس کرتا تھا، جس میں آپ کا اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گذرا کرتا تھا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالا رانند
کہ برند از رہ پنہا بحرم قافلہ را

نقشبندی بزرگ بھی عجیب راہبران قافلہ ہیں، کہ چھپے راستے سے ہی قافلہ کو حرم شریف پہنچا دیتے ہیں۔

صفائے باطن اور تزکیہ نفوس میں رشد و ہدایت کے تاجدار

طریقت کے حوالے سے تربیت باطن اور تزکیۂ نفوس کا کام حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی زندگی کا وہ پہلو ہے جو محتاج تعارف نہیں، خانقاہ رائے پور تربیت باطن کی مثالی درسگاہ ہے، جو شخص رائے پور باغ کے دائرہ میں ایک دفعہ آجاتا ہے، وہ آج بھی اپنی آنکھوں سے انوار باطنی کا مشاہدہ کرسکتا ہے، اور حضرت اقدس رائے پوری کی مجلس تو انوار وبرکات کا خزانہ تھی، تعمیر باطن اور تکمیل اخلاص واحسان کے حوالے سے آپ منصب رشد و ہدایت کے تاجدار تھے، مولانا میرٹھی کا بیان ہے۔

آپ پر (شان) محبوبیت غالب تھی، ہر آدمی کا دل آپ کی طرف کھنچتا تھا، آپ کی

مجلس انوار وبرکات کی مخزن تھی، آپ کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، آپ نے چاہ کنعان میں چھپنے کی لاکھ کوشش کی، مگر قدرت نے آپ کو بازار مصر میں نکال کر آخر منصۂ ظہور اور تخت عروج اور شہرت پر لا بٹھایا، آپ (تواضع وانکساری) میں ''دانہ تخم'' کی طرح لاکھ مٹے، مگر ''کشت زار'' ہو کر مخلوق کو شکم سیر بنانے کے لیے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہے، آپ دنیا کے لیے رحمت الٰہیہ تھے، کہ اجابت (دعاؤں کی مقبولیت) آپ کی دعاؤں کا استقبال کرتی تھی، آپ منصب ارشاد وہدایت کے تاجدار تھے کہ درخت کا پتہ پتہ اور نہر کا قطرہ قطرہ حاضرین کو ذکر اللہ کا سبق پڑھایا کرتا تھا، آپ کی عمر اپنے مولیٰ کی یاد میں ختم ہوئی کہ تین برس کی عمر سے آپ کے قلب میں قطب وقت مولانا گنگوہی کی محبت کا تخم جما اور آخر سی میں تمام (ختم) ہوگئے کہ ہڈیوں کا گودا بھی جل جل کر خشک ہوگیا۔

وہ راز ہوں، جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا
وہ نکتہ ہوں، جو بیان ہو کے بھی بیان نہ ہوا
رواں رواں مرا، کیا عشق میں زبان نہ ہوا
بیان نہ ہونا تھا یہ حال دل، بیان نہ ہوا

غرضیکہ آپ کا قلب مبارک مہبط انوار الٰہی تھا، اور صفائے باطن میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے وجود مبارک کی موجودگی سے گردوپیش کی تمام اشیاء سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی، آپ سے ایک عالم نے فیض حاصل کیا اور تربیت باطنی کا فیضان حاصل کیا۔

صحیح حکمت عملی اور فہم وبصیرت کی اعلیٰ صلاحیت

عظیم الشان سلسلوں کے بزرگوں اور علمائے ربانیین کی صحبت، تربیت اور رہنمائی

نے حضرت اقدس عالی رائے پوری کے فکر وعمل اور جہد وکردار پر انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں، بچپن سے لے کر رائے پور میں منصب رشد وہدایت سنبھالنے تک، آپ جس ماحول میں پروان چڑھے اور جس فکر وعمل کے زیر سایہ آپ نے نشو ونما پائی، اس کے اثرات آپ کی زندگی پر بڑے گہرے محسوس ہوتے ہیں۔

خانوادۂ ولی اللہی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دور کے مطابق حکمت عملی کا فن انہیں ودیعت کیا گیا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں:

’’اللہ پاک نے مجھے ایسی حکمت عملی سکھلائی ہے کہ جس سے اس دور کی اصلاح وابستہ ہے، اور مجھے اس بات کی توفیق دی ہے کہ اس کے اصولوں کو کتاب وسنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار کی روشنی میں مزید مضبوط بنادوں‘‘۔

یہ خصوصیت ہمیں تمام حضرات اکابرین دیوبند میں بڑی واضح طور پر نظر آتی ہے، چنانچہ حضرت اقدس عالی رائے پوری میں بھی یہ خصوصیت بڑی ممتاز حیثیت میں سامنے آتی ہے، اللہ تعالیٰ کو چونکہ آپ اور آپ کے ساتھیوں سے موجودہ دور میں کام لینا تھا، اس کے پیش نظر اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق کام کرنے کی حکمت عملی اور اس کا فہم وشعور آپ کو بھرپور طور پر عنایت فرمایا تھا۔

رائے پور خانقاہ کی سب سے بڑی خصوصیت اور امتیازی شان یہی رہی ہے کہ اس کے بزرگان دور کے تقاضوں اور گردوپیش میں موجود معروضی حقیقتوں کو پیش نظر رکھ کر کام کرنے کی حکمت عملی، دینی فہم وفراست اور سماجی عقل وشعور سے حصہ وافر لئے ہوئے ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ اس حوالے سے بڑی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

مناقشات ومجادلات سے تحرز

چنانچہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس حقیقت کا اظہار بڑے جامع الفاظ میں فرمایا ہے، دارالعلوم دیوبند میں حضرت رائے پوری قدس سرہ کی وفات پر جو تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا، اس کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ صاحب شیخ الادب دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

’’اس جلسہ میں حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور حضرت رائے پوری کے ان اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد کہ جو روز روشن سے زیادہ عیاں ہیں، ان خواص خصائص کا ذکر بھی فرمایا کہ جن میں حضرت رائے پوری اپنے اقران (ہم عصر علماء ومشائخ) سے بالکل ہی ممتاز تھے، انہیں خواص میں:

فراست، ذکاوت، اصابت رائے، مناقشات ومجادلات سے تحرز (بچنا) مردم شناسی، ہر شخص کی اس کے مرتبہ کے موافق قدردانی بھی تھی۔

چنانچہ آپ کی عملی زندگی ان اوصاف اور مخصوص خصائص کا ایسا حسین مرقع ہے کہ اب تک آپ کے فکر کے جتنے گوشے سامنے آئے ہیں، اور دین کے جن اہم ترین شعبوں میں آپ نے کام کیا ہے، ان میں بڑی خوبی کے ساتھ ان خصائص کی جامعیت نظر آتی ہے، گویا ان اوصاف وخصائص میں آپ کی شخصیت گندھی ہوئی تھی، آپ کی ہر ہر ادا میں اس کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

حکمت وفلسفہ کے بلند پایہ عارف

حضرت عالی رائے پوری قدس سرہ اسی جماعت حق کے ایک ایسے عظیم الشان فرد ہیں کہ جنہیں حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے بقول اس ہزارۂ دوم کی زیب وزینت قرار

دیا گیا ہے، اس حوالے سے اپنے دور میں آپ کا اعلی مقام واضح کرتے ہوئے، حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ آپ کو ''حکمت اور فلسفہ کا بلند پایہ عارف'' قرار دیتے ہیں، چنانچہ ''مسدس مالٹا'' کی پہلی مسدس ملاحظہ ہو۔

قبلہ وکعبہ امانی مرد　　عالم وحافظ مثانی مرد
عارف حکمت یمانی مرد　　طائر عرش آشیانی مرد
زینت وزیب الف ثانی مرد　　شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

ترجمہ: ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کے قبلہ وکعبہ (مرکز ومحور) تھے، چل بسے! قرآن پاک کے حافظ اور عالم تھے، چل بسے! بلند پایہ حکمت وشعور کے عارف تھے، چل بسے! عرش الٰہی کے پرندہ تھے، چل بسے!۔

گویا وہ تجدیدی کام جو امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ اسرارہم سے شروع ہوا تھا، اس کی زیب وزینت کرنے، اس کو نکھارنے، پھیلانے اور غالب کرنے کا کام، حضرت اقدس عالی رائے پوری سے لیا گیا ہے۔

معارف وحقائق اور بیماری کا علاج

اس پس منظر میں حضرت اقدس رائے پوری کے اس تعلق قلبی کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے علوم وافکار کے حوالے سے بڑی شدت کے ساتھ آپ کے اندر موجود تھا، شاہ صاحب کے فلسفہ وفکر سے آپ کے قلبی تعلق اور گہرے لگاؤ کا اندازہ اس سے ہوجاتا ہے کہ مرض کے ایام میں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں بیان کردہ علوم وافکار اور معارف وحقائق سننے سے، آپ کے مرض میں افاقہ ہوجایا

کرتا تھا، چنانچہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کا بیان ہے:

''ایک مرتبہ آپ سخت بیمار ہوئے اور ضعف کی وجہ سے کروٹ بدلنا مشکل ہوگیا، پھر مرض سے کچھ افاقہ ہوا، مگر ضعف کی وہی حالت رہی، کہ دودھ پینے کے لیے چمچہ ہاتھ میں تھامتے تو ہاتھ کانپتا اور چمچہ پکڑا نہ جاتا تھا، ایک مزاج شناس خادم نے طبیب کو رائے دی کہ مقویات ومفرحات کا استعمال بے کار ہے، کوئی کتاب جس میں معارف وحقائق ہوں، سنانا شروع کردیجئے، روزانہ قوت بڑھتی رہے گی، چنانچہ حکیم صاحب نے اشراق کے وقت ''حجۃ اللہ البالغۃ'' سنانے کا معمول بنالیا، حضرت بڑے شوق سے سنتے اور اور بے اختیار سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہتے ہوئے، بعض دفعہ جوش میں اٹھ بیٹھا کرتے تھے، کامل تین گھنٹے آپ کتاب سنتے اور پتہ بھی نہ چلتا کہ آپ بیمار ہوئے تھے اور ضعف ہے، حتی کہ چندہی روز میں آپ کی کمزوری قوت سے بدل گئی اور آپ نماز کے لیے اپنے پاؤں پر چل کر مسجد تک جانے لگے۔

حقائق ومعارف کا ہر وقت فیضان

آپ پر حقائق ومعارف اور حکمت وشعور کا ہر وقت فیضان رہتا تھا، لیکن اس کے اظہار کا پیرایۂ بیان بھی بڑا منفرد تھا، حالات ومواقع کی مناسبت سے گفتگو فرماتے تھے، متعلقہ افراد کی مفوضہ ذمہ داریوں میں بڑی حکمت کے ساتھ رہنمائی فرماتے تھے، مواقع کی مناسبت سے ہٹ کر عمومی اظہار آپ کو قطعاً پسند نہ تھا، مولانا میرٹھی لکھتے ہیں:

''حقائق ومعارف آپ پر بارش کی طرح برسا کرتے، مگر آپ کسی پر ان کا اظہار نہ فرمایا کرتے تھے، کسی خاص موقع پر کوئی بات زبان سے نکل جاتی، ورنہ ہر وقت آپ ایک اندرونی لذت میں غرق رہتے اور بزبان حال فرمایا کرتے''۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ

تو زغنچہ کم نرمیدہ دردل کشا بچمن درآ

ترجمہ: بڑا ظلم ہے، اگر ہوس تم کو اس طرف کھینچے کہ چنبیلی کے پھولوں اور سرو کے درختوں کی سیر کے لیے باغ میں داخل ہو، تم تو خود کھلے ہوئے پھول سے کم نہیں ہو، دل کا در کھولو اور چمن میں داخل ہو جاؤ۔

غرض حکمت وشعور اور علوم وافکار آپ کے زندگی کا حصہ تھے، بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ اور ان کے سلسلہ کے علمائے ربانیین کے علوم وافکار کے ساتھ آپ کو بڑا قلبی لگاؤ اور تعلق تھا، جس کا اظہار آپ کی عملی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں سے بخوبی ہوتا رہتا تھا، اور کیوں نہ ہو، آپ کی ظاہری وباطنی تربیت میں یہی افکار رچے بسے تھے، اور آپ کی عملی زندگی انہی کے کردار کی عکاس اور آئندہ نسل کو یہ سب کچھ منتقل کرنے کی ذمہ داری تھی، آپ نے اس ذمہ داری کو بخوبی ادا فرمایا اور زیر تربیت افراد میں اسے منتقل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اکابرین کا طبعی مزاج اور حضرت رائے پوری کی جامعیت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

’’شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہ کے یہاں رحم دلی اور دلداری کا بہت غلبہ تھا، جب کہ حضرت حافظ ضامن صاحب بہت تیز مزاج تھے، اسی طرح حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ اور حضرت نانوتوی قدس سرہ میں طبعی اختلاف تھا کہ حضرت نانوتوی کے یہاں دلداری کا مضمون بہت بڑھا ہوا تھا، حضرت تھانوی حسن العزیز جلد اول صفحہ ۴۹۵/ میں فرماتے ہیں: حضر مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس کوئی بیٹھا

ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے، جبکہ مولانا رشید احمد صاحب کی اور شان تھی کوئی بیٹھا ہو، جب وقت اشراق یا چاشت آیا وضو کر کے نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، جہاں کھانے کا وقت آیا لکڑی (لاٹھی) لی اور چل دئے، چاہے کوئی نواب کا بچہ بھی بیٹھا ہو، وہاں بادشاہوں کی شان تھی۔

حضرت نانوتوی کھلم کھلا کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے، اور حضرت گنگوہیؒ صاف صاف کہتے تھے، لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے، چاہے کوئی رہے، چاہے کوئی جائے، اس اختلاف طبائع کا فرق ان حضرات کے خدام میں بھی نمایاں ہے، حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی میں قاسمی رنگ کا غلبہ تھا اور حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانوی میں حضرت گنگوہی کے رنگ کا غلبہ تھا اور حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کا تو عجیب معاملہ تھا، رنگ طبیعت تو قاسمی رنگ کا تھا لیکن ہیبت کا اثر خدام پر اتنا تھا کہ عملاً گنگوہی طرز کا ظہور رہتا تھا۔

حضرت اقدس عالی رائے پوری کی نسبت بہت قوی تھی

آپ کی تربیت باطنی اور نسبت قویہ سے بڑے بڑے لوگوں کی تربیت ہوئی، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اکثر متوسلین نے حضرت گنگوہی کے وصال کے بعد آپ سے رجوع کئے رکھا اور آپ کی تربیت سے فیض یاب ہوئے، مولانا میرٹھی کا بیان ہے۔

آپ (حضرت رائے پوری) کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متوسلین سے خاص محبت تھی کہ وہ شیخ کے یتیم بچے تھے اور آپ کے پاس آ کر اپنے شیخ کی یاد تازہ کیا کرتے تھے۔

اس طرح آپ نے حضرت گنگوہی کے وصال کے بعد ان حضرات علماء کی تربیت فرمائی، جن کا بیعت کا تعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ سے تھا، خود حضرت مولانا میرٹھی

اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

’’میری اصلاح وتربیت میں حضرت کا ایک خاص حصہ ہے، جس کے احسان سے میری گردن نہیں اٹھ سکتی‘‘۔

حضرت گنگوہی کے خلفاء میں حضرت رائے پوری کا مقام

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں تین نام بڑے اہم ہیں:

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ، یہ تینوں حضرات اپنی جگہ پر بڑی عالی نسبت، پختہ فکر اور علم وعمل میں بڑے اونچے مرتبہ پر فائز تھے، اور تینوں کے درمیان وحدت فکری اور محبت ویگانگت کا یہ عالم تھا کہ ایک جان اور سہ قالب تھے، اور ہر ایک اپنے کو دوسرے دونوں سے کم تر اور ناقص سمجھتا تھا، لیکن بایں ہمہ ہر ایک میں ایک خاص رنگ کا غلبہ اور جامعیت کا ایک خاص پہلو تھا، حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے حوالے سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا بیان ہے کہ:

احقر حضرت مولانا محبّ الدین صاحب (مکی) جو کہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف مشہور تھے، ان کے پاس بیٹھا تھا انہوں نے فرمایا۔

میں نے مولانا رشید احمد صاحب کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ ’’قطب الارشاد‘‘ تھے، میں نے مولانا گنگوہی کے خلفاء کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ واقعی وہ ’’قطب الارشاد‘‘ تھے جو ایسے ایسے کام بنا گئے ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کا بیان ہے کہ:

’’میں نے جرأت کرکے دریافت کیا کہ مولانا (شاہ) عبدالرحیم صاحب رائے پوری کیسے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

’’بڑے قومی النسبت ہیں کہ ان کے پاس چاہے کوئی کیسا ہی دل لے کر آئے سب جھاڑ جھنکار کو ایک دم صاف کردیتے ہیں۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ باطن میں حضرت عالی رائے پوری کا مقام ومرتبہ کیا تھا، غرض طریقت کے شعبہ میں آپ انتہائی اونچے مقام پر فائز تھے، چنانچہ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت کام لیا، آپ کی نسبت قویہ کے یہ نتائج تو بڑے واضح ہیں کہ آپ کے خلفاء اور پھر ان کے خلفاء کے ذریعے پورے عالم میں آج آپ کا فیض پہنچ رہا ہے، ایک دنیا ہے کہ جو سیراب ہو رہی ہے، جس کا دل واقعی یہ چاہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرے وہ ان حضرات کے ساتھ بے غرض تعلق قلبی اور محبت حقیقی پیدا کرکے بخوبی اس کا نظارہ کرسکتا ہے۔

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور جس باغ میں قائم ہے اور جہاں حضرت اقدس کے فیضان کے انوارات ہیں، وہ سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آج اسی طرح انوارات کا مہبط ہے، اور گرد وپیش کی اشیاء سے بھی ذکر الٰہی کی آواز آتی ہے، آج بھی دور دراز سے لوگ آکر فیض یاب ہوتے ہیں اور رحمت الٰہی کو اپنے دامن میں سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اس بحر ناپید کنار سے فیض یاب ہونے اور اس کی صحیح قدر دانی کرنے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے۔

تصوف کی اصل حقیقت اور اس کے عملی تقاضے

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری مجدد دین اسلام کے اس عظیم سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں، جنھوں نے زندگی کے بدلتے تقاضوں کے مطابق دین کے تجدیدی کام کو بڑے احسن طریقے سے آگے بڑھایا ہے، اس حوالے سے آپ طریقت کے امام اور تصوف میں مجددیت کی شان رکھتے تھے، جو سلسلہ بالسلسلہ خانوادۂ ولی اللہی کے جانشین حضرات کا امتیازی وصف ہے۔

تصوف کے حوالے سے آپ کا ذہن بڑا عملیت پسند تھا، آپ کے نزدیک تصوف محض ذہنی آسودگی اور روحانی تسکین کا نام نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ عقل وشعور کی بالیدگی اور فکر وعمل کی تحریک پیدا کرنا تصوف کا انتہائی اعلیٰ مقصد ہے، یہی وجہ ہے، حضرت رائے پوری کے نزدیک زندگی کے تلخ حقائق اور عملی تقاضوں سے راہ فرار اختیار کر کے محض ذہنی سکون اور اطمینان حاصل کرنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا قطعاً تصوف نہیں ہے، بلکہ اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی اور سلیقہ کے ساتھ سرانجام دینا اور اس نیت سے ان کو کماحقہ پورا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری عائد کی ہے اور اس کی صحیح ادائیگی سے انسانیت کی خدمت اور خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے، حقیقی تصوف اور سلوک واحسان کہلاتا ہے۔

چنانچہ تصوف کا ابتدائی درجہ حضرت رائے پوری کے یہاں یہ تھا کہ تصحیح نیت کے بعد حرام اور ناجائز امور سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے زندگی کے تمام فرائض اور مباح کاموں میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا، یہی دین کی روح اور تصوف کا خلاصہ ہے، باقی دیگر وظائف تو محض غفلت کو دور کرنے اور تعلق مع اللہ کو پختہ کرنے کے لیے بطور

علاج اور اصلاح کے لیے ہیں، اگر ان وظائف سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوتے ہیں اور دین کی روح اس میں پیدا ہو جاتی ہے، تب تو ٹھیک ہے، ورنہ وظائف کی حیثیت محض رسمی اور روح سے خالی ظاہری ڈھانچہ کی سی ہے، جو بسا اوقات فائدہ کی بجائے الٹا نقصان کا باعث بھی بن جاتی ہے کہ انسان وظائف کے گھمنڈ میں آ کر دینی پارسائی کا دعویدار بن جائے، حالانکہ اس کی حالت انتہائی خراب ہوتی ہے اور وہ رسمیت کا شکار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس رائے پوری کے یہاں اس کا اہتمام تھا کہ جو آدمی زندگی کی کسی اہم ذمہ داری میں لگا ہوا ہے، اسے اسی کام میں لگا رہنے دیتے، بس صرف نیت کی درستی یعنی خدمت انسانیت کے جذبہ سے کام کرنا، خدا کی رضا کے لیے اس کی جانب سے عائد کردہ حقوق کو ادا کرنے کی نیت کی تلقین فرمایا کرتے تھے، اور توجہ کو خدا کی جانب یکسو کرنے کے لیے چند چیزیں پڑھنے کے لیے بتا دیا کرتے تھے، اس طرح آپ کے ہاں تصوف ان مشکلات کا نام نہیں رہا تھا جیسا کہ عمومی طور پر سمجھا جاتا تھا بلکہ آپ کے نزدیک تو تصوف بڑا آسان اور سہل تھا۔

تصوف دینی عقل وشعور کا دوسرا نام ہے

اوپر جو کچھ بیان ہوا یہ تو حضرت اقدس رائے پوری کے نزدیک تصوف کا عمومی اور ابتدائی درجہ ہے، البتہ قومی رہنماؤں اور بالخصوص علماء کے لیے (جن کو دین اسلام کے حوالے سے قوم کی رہنمائی کرنی ہے) تصوف کا آخری نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ دین کا صحیح تفقہ، اس کا بھرپور شعور اور فہم وبصیرت پیدا ہو جائے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مولوی صاحب! لوگ خبر نہیں تصوف کسے سمجھتے ہیں۔

تصوف تو فقاہت (سمجھ اور شعور) کا نام ہے، اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے ارشاد فرمایا کہ تصوف کی ابتدا نیت کا درست کرنا ہے، اور حضرتؒ نے اس جملے میں تصوف کا انتہائی نتیجہ اور مقصد بیان فرمادیا جو تصحیح نیت سے حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس کے یہاں اس چیز کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ بہت انوارات نظر آئیں، کشف وغیرہ ہوتا ہو، اور خوشنما خواب نظر آئیں بلکہ اصل چیز جس کی اہمیت ہے، وہ اللہ جل شانہ کی ذات پر کامل یقین اور مکمل اعتماد کا پیدا ہونا، نیز دین کے حوالے سے صحیح عقل وشعور اور اس کی فہم وبصیرت کا ہونا ہے، چنانچہ اپنے زیر تربیت افراد میں اسی یقین واعتماد کو پیدا کرنے اور فہم وبصیرت کو اجاگر کرنے کی جانب آپ کی پوری توجہ رہتی تھی۔

قوم کی انفرادی واجتماعی مشکلات کا صحیح خطوط پر حل

تصوف کے حوالے سے آپ کا یہ تجدیدی تربیتی طریقہ کار اور عملی زندگی کے حوالے سے طریقت کی تشریح وتعبیر اس پس منظر میں انتہائی اہمیت اختیار کر جاتی ہے، کہ غلامی کے دور میں دین ومذہب کے نام پر مسلمانوں کو جتنا بے وقوف بنایا گیا ہے، شاید ہی کسی ملت اور قوم کے لوگوں کا اس طرح استحصال کیا گیا ہو، اور اس دور میں عقل وشعور سے بے بہرہ ہو کر محض جذباتیت کی بناء پر جتنے غلط فیصلے ہم نے کئے ہیں، شاید ہی کہیں ایسا ہوا ہو، حالانکہ قوموں کی زندگی میں جب کہ وہ اجتماعی حوالے سے قومی مسائل میں گھری ہوئی ہوں اور مجموعی طور پر زوال سے دوچار ہوں، ایسے وقت میں انتہائی عقل وشعور اور فہم وبصیرت سے کام لے کر زوال کے دائرے سے نکلنا اور ترقی اور عروج کی

جانب قدم بڑھانا بڑا اہم ہوتا ہے، ایسے وقت میں قوم کو اپنی موت وحیات کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، بے عقلی اور بے شعوری کے ساتھ کیا ہوا اجتماعی زندگی کا ایک غلط فیصلہ قوموں کو صدیوں پیچھے دھکیل دیتا ہے، ایسے میں قومی حوالے سے عقل وشعور اور پوری فہم وبصیرت کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی فیصلوں کی ضرورت دوچند ہو جاتی ہے۔

اس تناظر میں علماء حق نے جس انداز میں تصوف کو عقل وشعور اور فہم وبصیرت کے ساتھ جوڑ کر زندگی کے عملی تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا اور قومی ضرورت اور ملی تقاضوں کے تناظر میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا، وہ قومی زندگی کی تشکیل نو کے لیے لائق آفرین ہے، اور قوم کی انفرادی اور اجتماعی مشکلات کا صحیح خطوط پر حل پیش کرتا ہے، جس پر یہ حضرات تمام مسلم امت کی جانب سے خراج تحسین کے مستحق ہیں۔

توکل کی نعمت

حضرت رائے پوری کو حق تعالی نے توکل کی نعمت نصیب فرمائی تھی، اور اس لیے آپ کے مدرسہ فیض ہدایت کا یہ بڑا کارخانہ نہ کسی محصل کا حاجت مند تھا، نہ سفیر ومبلغ کا، بمقتضائے ”ہر کسے را بہر کارے ساختند“ آپ کا ایک رنگ خاص تھا، جس میں آپ مستغرق تھے، اور اس لیے بلا اسباب ظاہری آپ کے سارے کام منجاب اللہ انجام پایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا قدم ابتلا وامتحان کے وقت ڈگمگاتا نہ تھا۔

صبر وشکر، قناعت، اخلاص، علم ویقین، تفویض وتوکل، رضا وتسلیم کی آپ مجسم تصویر تھے، ہر چہ از دوست می رسد نیکوست آپ کی خوتھی، مرض اور تکلیف کا کتمان آپ میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اس کا ظاہر کرنا یا زبان سے نکالنا بھی آپ اپنے اللہ جل

جلالہ کی شکایت کرنا سمجھتے اور مخلص سے مخلص حاضر باش کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہے۔

صبر و تحمل

ایک بار حاضرین نے دیکھا کہ نماز کے لیے مسجد کو جاتے وقت آپ کے پاؤں میں لنگ ہوتی ہے، اور پوچھا کہ حضرت کیا کچھ تکلیف ہے، مگر آپ نے فرمایا نہیں، الحمدللہ ہر طرح راحت ہے، کئی دن متواتر اسی حال پر گزر گئے، آخر چھٹے ساتویں دن مسجد کو جاتے ہوئے پاجامہ پیپ اور خون سے بھر گیا، اس وقت خدام کو پتہ چلا کہ دمّل (پھوڑا) تھا، جو اندر ہی اندر پک رہا تھا، اور آپ نہ زبان سے ذکر فرماتے تھے، نہ چلنے میں اثر محسوس ہونے دیتے تھے کہ بزبان حال اظہار نہ ہو جائے۔

ایک بار آپ سخت بیمار ہوئے کہ زیست کی امید نہ تھی، حکیم جمیل الدین صاحب معالج تھے، ایک دن بندہ بھی حاضر تھا کہ اشاروں سے باتیں فرمائیں، ہر چند حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ کیا تکلیف ہے، مگر آپ چہرہ کی بشاشت اور ہاتھ کے اشاروں سے صحت و راحت ظاہر فرماتے رہے، آخر تین دن اسی حالت پر گزرے اور چوتھے دن معلوم ہوا کہ سارے منھ کے اندر آبلے پڑ گئے تھے، جن کو کھول کر دکھانا تو کیا گوارا ہوتا، بات کرنے میں منھ کا کھلنا اور آبلوں کا دکھ جانا بھی آپ کو گوارہ نہ ہوا، اس لیے اشاروں سے باتیں کیں۔

دل جوئی و مدارات

اس کے ساتھ مخلوق کی دلجوئی و مدارات بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ ہر

شخص یوں سمجھتا تھا کہ حضرت کو سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے، اس لیے دونوں کے جمع ہو جانے کے وقت آپ کو بڑی ضیق پیش آتی کہ جب آپ کا مرض کھل جاتا تو خدام کا اصرار ہوتا تھا دوا استعمال کرنے کا، اور آپ طبعی اقتضا سے دوا کا استعمال مکروہ سمجھتے تھے، کہ جس مالک نے مرض دیا وہی معالج کافی ہے، اور ادھر خدام سے صاف انکار فرما کر ان کی دل شکنی بھی نہ کر سکتے تھے، اس لیے مفید و مضر ہر دوا یہ سمجھ کر کہ یہ بھی منجاب اللہ ہے، آپ پیتے اور دوا کے مؤثر ہونے کا کسی درجہ میں بھی آپ کو واہمہ نہ ہوتا تھا۔

سنت سے محبت، بدعت سے نفرت

ہر چند کہ آپ خلق مجسم تھے مگر خلاف سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمال نفرت تھی، ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع رہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں، اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں، صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ہی سا جزوی اختلاف ہے، جیسا باہم ائمہ میں، وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرنے نہ پائے تھے کہ آپ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے، اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا آپ کو خود ہی تسلیم ہے، میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جز تو جز اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو، مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو، تو وہ بھی برباد و گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا، پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے، پس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو، مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے یا سنت کے سنت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے بے درماں مہلک اور سم قاتل ہے۔

اصلاح اور امر بالمعروف کا انداز

آپ کے امر بالمعروف کا طریق بھی عجیب پیارا تھا کہ کوئی کتنا ہی بدعمل ہو، آپ اس کو چھاتی سے لگاتے اور اپنے کو اس کے سامنے ہیچ در ہیچ سمجھتے، مگر جب دیکھتے کہ اس کو تعلق ہوگیا اور اب نصیحت کرنا بے اثر نہ ہوگا تو چپکے سے نہایت نرم اور میٹھے لفظوں میں اس کو اتباع شریعت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

حضرت رائے پوری علم ظاہری وباطنی کے جامع

تاریخ دار العلوم دیوبند میں سید محبوب رضوی نے لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ علم ظاہری وباطنی کے جامع، زہد وتوکل، صبر وقناعت اور وسعت اخلاق میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے، حضرت گنگوہی قدس سرہ سے خلافت حاصل تھی، فیوض وبرکات کا دائرہ بہت وسیع تھا، قرآن مجید کی تعلیم کی جانب خاص توجہ تھی، سہارنپور کے مضافات اور پنجاب کے اکثر مشرقی اضلاع میں تعلیم قرآن کے بہت سے مدارس آپ کی سعی وتوجہ سے جاری تھے، استفاضہ باطنی کرنے والے حضرات کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا، غرض کہ ظاہر وباطن کے دونوں سلسلے آپ کی ذات گرامی سے قائم تھے، استفاضہ باطنی کا طریقہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بہت اشبہ تھا، دار العلوم کے ساتھ نہایت خصوصیت سے تعلق تھا، اس کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں غایت دلچسپی سے حصہ لیتے تھے''۔(۱)

حضرت شاہ عبدالرحیم پر نسبت نقشبندیہ غالب تھی

ایک مرتب حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند جلد اول صفحہ ۲۵۱/۲۵۲ر

ذکر کیا کہ مجھے نقشبندیہ مشائخ میں سے اب بڑا آدمی کوئی نظر نہیں آتا، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا ایسا نہیں؛ کیونکہ حضرت میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کو قادریہ اور نقشبندیہ میں بیعت فرمایا تھا، اور مجاز بھی کیا اور حضرت گنگوہی نے بھی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو پانچوں سلسلوں میں بیعت کیا اور مجاز فرمایا، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت گنگوہی کو غالباً نسبت نقشبندیہ تھی، اور اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب پر نسبت نقشبندیہ ہی غالب تھی۔(۱)

قرآن پاک اور اس کی تعلیم سے عشق وتعلق

قرآن پاک اور اس کی تعلیم سے آپ کو عشق تھا، بچوں کو صحیح صاف اور سادہ لہجہ میں قرآن پاک پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے تھے، خود آپ نے اپنے باغ میں ایک مدرسۂ قرآن قائم کیا، جو توکل کا مجسمہ تھا، نہ چندہ کا سوال تھا، نہ کوئی وقف جائیداد تھی، یہیں پر ایک مسجد تھی، مدرسہ اور مسجد دیکھ کر عہد نبوت کے سادہ دور کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا تھا۔

قرآن وسنت سے عشق

آپ سنت نبویہ کے عاشق تھے، اور تعلیم قرآن مجید سے بالخصوص مانوس کہ تمام علوم دینیہ بلکہ دین کی اصل یہی ہے، اور عام طور پر اس کی طرف سے توجہات کے قلیل ہوجانے سے آپ کی توجہ اس طرف اور زیادہ بڑھ گئی تھی، جگہ جگہ مکاتب قرآنیہ جاری کرنے کے آپ حریص تھے اور بچوں کو صحیح وصاف سادہ لہجہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

(۱) ارشادات صفحہ ۲۵۳ر

مدارس کے چندہ کے
متعلق حضرت رائے پوری کی احتیاط

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ آپ بیتی میں حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ سرپرست دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا اور سنا بھی کہ ’’مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا، اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو، وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے، اور ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہوسکتا ہے، لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنے کا چندہ ہوتا ہے، ہم سب سرپرستان مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں، اگر اس مال کے اندر افراط وتفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا، اس لیے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے؟

اتنا ضرور ہے کہ اگر بمصالح مدرسہ، چشم پوشی کریں، تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمالے، لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات (کی وجہ) سے ہم لوگ تسامح (نظر انداز) کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں، لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا، کہ حقوق العباد ہے، اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر (اور زیادہ لوگ ہیں) کہ ان سے معاف نہیں کروایا جاسکتا، اس سے قوم کے اجتماعی چندہ کو خرچ کرنے کے حوالے سے آپ کے انتہائی محتاط رویہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مہمانوں کی تواضع اور راحت ودلداری

قلت طعام، قلت منام اور قلت کلام کا آپ مجسمہ تھے، امراء سے آپ کو وحشت اور فقراء سے انس تھا، اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی آپ کی حد سے بڑھی ہوئی تھی کہ مہمان پر اپنی راحت کا نچھاور کرنا آپ کی عین مراد تھی۔

ایک دفعہ بندہ (عاشق الٰہی) حاضر ہوا تو بعد مغرب دیکھا کہ مکان سے جو کہ بستی میں باغ سے دو فرلانگ فاصلہ پر تھا، کھانا خود لئے آرہے ہیں، شرم کے مارے مجھے پسینہ آگیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا کوئی خادم نہ تھا، کہ حضرت نے تکلیف فرمائی، بے ساختہ فرمایا دل نے یوں ہی چاہا کہ خود لے کر چلوں کہ اس سے زیادہ خوشی کا وقت کون سا ہوگا۔

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو شب کو آنکھ کھلی، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت لاٹھی لئے باغ میں پھر رہے ہیں، اٹھ کر بیٹھ گیا، تو حضرت پاس آئے اور فرمایا جنگلی بھینسا کبھی کبھی باغ میں گھس آتا ہے، اس کی نگرانی کر رہا تھا کہ مہمانوں کی نیند خراب نہ کرے، آپ اطمینان سے سو جائیے، صبح کو معلوم ہوا کہ حضرت کی تو تمام رات پہرہ داری میں گزری۔

حضرت شاہ صاحب کو مشتبہ کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ اپنے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو بارہا دیکھا کہ کھانا قے کرنا پڑا ہے، میں صاف کر دیتا، اصل بات یہ تھی کہ مشتبہ کھانا حضرت کو ہضم نہیں ہوتا تھا، اگر کھا لیتے فوراً قے ہوجاتی، ایک دفعہ گمتھلہ کے ایک رئیس نے دعوت کی، حضرت نے بہت عذر کیا، لیکن اس نے نہ مانا اور بہت اصرار

کیا، آخر حضرت نے اس کی دلداری کے لیے کہ اس کی دل شکنی نہ ہو منظور فرمالیا، جب کھانا کھا کر مکان پر تشریف لائے، تو سب قے کر دیا اور اوپر سے گرم پانی پی کر اچھی طرح پیٹ صاف کر دیا، وہ رئیس سود لیا کرتا تھا اور فرمایا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا، جب بھی کوئی مشکوک کھانا کھا لیتے وہ ہضم نہ ہوتا اور قے ہو جاتی، اور قے میں کھانا صاف جس طرح کھایا ہوتا اسی طرح خارج ہو جاتا، ذرا بھی تغیر نہ ہوتا۔(۱)

تعبیر خواب میں دست گاہ

خواب کی تعبیر میں آپ کو بہت مناسبت تھی، مگر تفصیل بہت کم بیان کرتے تھے، چودھری حافظ مختار احمد صاحب نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ چت لیٹے ہوئے ہیں اور سیدھی جانب سر کے برابر ایک مونڈھے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، اور آپ سے کچھ نیچے قلب کے مقابل سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں، قلب بجائے بائیں جانب کے دائیں جانب ہے، اور کھلا ہوا ہے کہ نہ اس پر کوئی کپڑا ہے اور نہ گوشت، کھال کو چیر کر اس کے اوپر سے ہٹا دیا گیا، اور قلب پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے فیضان کا ترشح ہو رہا ہے، جس کی لذت بائیس سال گزر جانے پر بھی محسوس ہوتی ہے، خواب ہی میں یہ خیال ہوا کہ نور بھرا جا رہا ہے، چند علماء سے انہوں نے خواب ذکر کیا اور ہر ایک نے تعبیر دی مگر ان کے دل کو نہ لگی، رائے پور حاضر ہوئے تو حضرت کو خواب سنایا، فرمایا بارک اللہ بہت اچھا خواب ہے، جس کی تعبیر کھلی ہوئی ہے کہ آپ کو نسبت یوسفی حاصل ہے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اس کو مشرح فرما دیں کہ نسبت سے کیا مراد ہے؟۔

(۱) نفحات طیبہ صفحہ ۶۱/

فرمایا چودھری صاحب دیکھئے جس طرح دنیا میں جس کسی کو کچھ بھی انعام واکرام عطا ہوتا ہے، وہ سب حقیقتاً بادشاہ کی جانب سے ہوتا ہے، مگر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خزانہ شاہی سے وزراء کو دیا جاتا ہے، اور وزراء کے یہاں ہر محکمہ کے سردار کو اور پھر اس سردار کی طرف سے ہر اس شخص کو ملتا ہے، جو اس کا مستحق اور افسر کا ماتحت ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالی کی طرف سے جو کچھ بھی روحانی برکات وفیوض بندوں کو عطا ہوتے ہیں وہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سیدنا موسی، سیدنا عیسی اور سیدنا یوسف غرضیکہ جملہ انبیاء علیہم السلام تک پہنچتا ہے، اور یہ حضرات اپنی صفائی اور کمالات خصوصی کی بنا پر جس جس محکمہ کے سردار وامیر قافلہ قرار پائے ہیں، اسی خصوصی انعام سے بہرہ یاب ہونے والوں کو وہ فیوض وانعامات الٰہیہ پہنچاتے ہیں، اور وہی صفات خصوصی نسبت کہلاتے ہیں کہ کوئی نسبت ابراہیمی ہے اور کوئی نسبت یوسفی، کوئی موسوی اور کوئی عیسوی، اس وقت چودھری صاحب کو انشراح صدر ہوا، اور سمجھے کہ سر کی جانب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور قلب کے محاذ سیدنا یوسف علیہ السلام کا قلب پر انوار وبرکات کا ڈالنا یہ حقیقت رکھتا ہے۔

بزرگوں اور متعلقین کی آمد سے مسرت

آپ کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متوسلین سے خاص محبت تھی کہ وہ شیخ کے یتیم بچے تھے اور شیخ کی یاد تازہ کیا کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی آتا تو گویا آپ کے ہاں عید آجاتی، اور اگر خاص تعلق والا آتا تب تو آپ کی مسرت کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہتا تھا، اس کی خدمت ودلداری کو تمام نوافل واذکار پر ترجیح دیتے اور اکابر میں سے کوئی بزرگ تشریف لاتے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ آپ کتنا اہتمام فرماتے اور

آپ کا رواں رواں مسرور ہو کر یوں پکارا کرتا تھا:

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

حضرت شاہ عبدالرحیم کو کیا کچھ حاصل تھا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو دیکھا کہ ان کو کیا کچھ حاصل تھا، اور سچ ہے مجھے بھی ابتداء میں مالیا خولیا تھا کہ ہم ایسی چیز پر کیسے یقین لا سکتے ہیں، جو دیکھنے سننے چھونے میں نہ آسکے، مگر حضرت کی برکت سے یہ سمجھ میں آ گیا، اور دل میں اتر گیا کہ اللہ چاہے تو ضرور یقین حاصل ہو جاتا ہے پس جب آخرت میں اپنی کمائی سے کام پڑتا ہے، تو جو ہو سکے کما لو، دنیا کا کیا ہے۔(۱)

ایسا چہرہ جو باطل پر نہیں

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے متعلق حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر ہی یہ جی میں آتا تھا کہ یہ ایسے شخص کا چہرہ نہیں جو باطل پر ہو، جیسے حضور کے سامنے دیہاتی آ کر دل سے پکار اٹھتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔(۲)

حضرت شاہ صاحب پر حقیقت محمدیہ کا ورود

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم پر حقیقت محمدیہ کا ورود ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔(۳)

(۱)ارشادات صفحہ۲۳۳ر (۲)ارشادات صفحہ۲۱۲ر (۳)ارشادات صفحہ۱۶۱ر

نواں باب

تحریک ریشمی رومال اور حضرت رائے پوری

نواں باب

تحریک ریشمی رومال اور حضرت رائے پوری

انگریز سامراج کا ظالمانہ نظام

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز سامراج کے ظالمانہ نظام نے جس طرح جبر وآمریت اور دہشت کا بازار گرم کیا، وہ الگ ایک داستان ہے، صرف دس سال کے مختصر عرصہ میں ۵۵/ ہزار علمائے حق آزادی کے حصول کی پاداش میں شہید کردئے گئے، ان کے علاوہ ہندوستان بھر کے قومی راہنماؤں کو جس بری طرح تہہ تیغ کیا گیا، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس جبر وآمریت اور دہشت گردی کے ماحول میں علماء حق کے ان سرکردہ حضرات نے دیوبند میں ایک دارالعلوم قائم کیا، جہاں بظاہر دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا انتظام تھا، لیکن حقیقت میں آزادی وحریت کے لیے افراد سازی کا عمل منظم کرنا تھا۔

تحریک شیخ الہند

چنانچہ خانقاہ رشیدی گنگوہ کی سرپرستی میں ان کے تربیت یافتگان حضرت شیخ الہند

مولانا محمود حسن اسیر مالٹا اور حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ نے ایک خفیہ تحریک کو منظم کیا، جسے تاریخ میں ''تحریک ریشمی رومال'' یا تحریک شیخ الہندؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

رہنمائی کا مرکز رائے پور

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے وصال کے بعد مشاورت اور رہنمائی کا مرکز گنگوہ سے ''رائے پور'' منتقل ہوگیا، اور میدان عمل کا مرکز دیوبند ہی رہا، یوں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد آزادی کے حصول کے لیے جو تحریک منظم کی گئی، اس کا مرکز گنگوہ کے بعد رائے پور رہا، اور حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ کی سرپرستی میں اس تحریک کے لیے افرادی قوت کا مہیا کرنا اور مالی امداد کی سپلائی کو جاری رکھنے کا کام بڑی جرأت وہمت سے ہوتا رہا۔

چونکہ تحریک ریشمی رومال انگریز کے انتہائی جبر وآمریت اور دہشت کے ماحول میں پروان چڑھی تھی، اس لیے خفیہ طور پر اسے چلانے کے لیے اس کے اراکین سے اس کے رازوں کی حفاظت کے لیے تاحیات حلف وفاداری لیا جاتا تھا، اس پس منظر میں اس تحریک کی بہت سی تفصیلات ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔

اس کے باوجود سرکاری ریکارڈ اور دیگر ذرائع سے جو کچھ ابھی تک سامنے آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کی منصوبہ بندی اور اس کی خفیہ حکمت عملی میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے بعد ان کے خلفاء حضرت شیخ الہند اور حضرت اقدس رائے پوری اور حضرت سہارنپوری کا کردار بڑا نمایاں ہے، اگرچہ میدان عمل میں سرگرمی کا مرکز حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ کی ذات گرامی تھی؛ لیکن ان تمام حضرات کی

مشاورت اور رہنمائی کا مرکز ''رائے پور'' تھا، بالخصوص حضرت شیخ الہند اور حضرت رائے پوری کے یہاں جس طرح آپس میں طبعی مناسبت اور قلبی تعلق و محبت موجود تھا، اس کا اندازہ ان دونوں حضرات کے فکر و عمل اور جہد و کردار سے بڑا واضح طور پر سامنے آتا ہے۔

حضرت رائے پوری کی رہنمائی و مشاورت

چنانچہ تحریک ریشمی رومال کے ایک اہم رہنماء حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔

''تحریک ریشمی رومال میں حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ عام طور پر حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے مشورے اور شرح صدر پر عمل فرمایا کرتے تھے''۔

چنانچہ خود حضرت شیخ الہند قدس سرہ اپنے مرثیہ ''مسدس مالٹا'' میں اس حقیقت کو بیان فرماتے ہیں:

ہمدمو، رائے کس سے لو گے؟ کہو!
مشورے کس سے اب کرو گے؟ کہو!
راز دل کس سے اب کہو گے؟ کہو!
رائے پور بھی کبھی چلو گے؟ کہو!
زینت و زیب الف ثانی مرد!
شاہ عبدالرحیم ثانی مرد!

اس طرح تحریک ریشمی رومال میں حضرت اقدس عالی رائے پوری کی رہنمائی اور

مشاورت حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی پوری جدوجہد میں شامل حال رہی۔

حضرت رائے پوری کا کردار

چنانچہ تحریک ریشمی رومال کے اہم ترین رکن اس حقیقت کو یوں فرماتے ہیں کہ:

''تحریک ریشمی رومال کو صرف ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند ہی نہیں چلا رہے تھے بلکہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے شاگردوں کی ایک جماعت اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگردوں اور مریدین کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی جیسے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ہیں''۔

تحریک ریشمی رومال میں حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری کا کیا کردار تھا؟ اور اس میں آپ کا اصل مقام اور حیثیت کس درجہ بلند تھا، خود حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

سر پر اس کوہ کو اٹھاتا کون
گردن اس کے لیے جھکاتا کون
دل کے اندر اسے بٹھاتا کون
پڑھ کے یہ روتا اور رلاتا کون
زینت و زیب الف ثانی مرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

حضرت رائے پوری کی وجہ سے ساتھیوں کے حوصلے بلند تھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''تحریک ریشمی رومال'' کے حوالے سے قومی آزادی کے

حصول کی تمام تر سرگرمیاں حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی مشاورت، راہنمائی اور سرپرستی سے منسلک تھیں، آپ کی وجہ سے تحریک کے کام کا مورال (Moral) قائم تھا، اور ساتھیوں کے حوصلے بلند اور کام کرنے کا جذبہ پورے شباب پر تھا، آزادی کے حصول کی جدوجہد میں آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا تھا، اس کا احساس بڑی شدت سے حضرت اقدس شیخ الہند کو ہوا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

نازش فخر دوستاں نہ رہا — زور بازوئے ہمرہاں نہ رہا
قدر افزائے خادماں نہ رہا — لو "حدی خواں کارواں" نہ رہا
زینت وزیب الف ثانی مرد — شاہ عبدالرحیم ثانی مرد
سینہ کل تک تھا محشر آمال — آج بیٹھے ہیں کیسے فارغ البال
جی میں کوئی ہوس رہی نہ خیال — جینا آتا نظر ہے کیوں جنجال
زینت وزیب الف ثانی مرد — شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

حضرت رائے پوری کو تحریک کی عملی ذمہ داریاں سپرد

یہی وجہ ہے کہ تحریک ریشمی رومال کے کام کے حوالے سے جب یہ محسوس کیا گیا کہ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ حجاز تشریف لے جائیں، تو اس سلسلہ میں تحریک کے مرکزی مشاورتی بورڈ کا ایک اہم اجلاس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا، اس اجلاس میں جہاں یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری تحریک کے سلسلہ میں حجاز کا سفر کریں، وہاں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ہندوستان بھر میں اب عملی ذمہ داریاں بھی حضرت شیخ الہند کے بعد حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے سپرد ہوں گی، خفیہ طور پر راہنمائی اور سرپرستی کا عمل تو پہلے سے آپ کر رہے تھے، اور عملی ذمہ داریاں

حضرت شیخ الہند قدس سرہ پر تھیں، لیکن حجاز جانے کی صورت میں ہندوستان کا یہ کام بھی حضرت اقدس رائے پوری کے سپرد کر دیا گیا، اس مشاورتی بورڈ کے فیصلوں کے بارے میں جزوی تفصیلات حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے درج ذیل بیان سے ملتی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"شوال ۱۳۳۳ھ مطابق اگست ۱۹۱۵ء سے پہلے جب ان دونوں حضرات (حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوریؒ) کا حجاز کا سفر طے ہو رہا تھا، اس زمانہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ایک ہفتہ مستقل مدرسہ مظاہر علوم میں قیام فرمایا، اور اعلی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا الحاج احمد صاحب رام پوری کا قیام بھی اس زمانہ میں سہارنپور ہی رہا، یہ چاروں حضرات صبح کی چائے کے بعد مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما ہوتے تھے"۔

کتب خانہ کا دروازہ ان کی نشست گاہ سے بہت دور تھا، اس کے اندر کی زنجیر لگ جاتی، اور ان چار حضرات کے علاوہ کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا۔

"تین چار دن یہی سلسلہ رہا، جو لوگ اجمالاً حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے واقف تھے، وہ تو اجمالاً سمجھے ہوئے تھے کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے، ان ہی ایام میں اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کے ذمہ حضرت شیخ الہند کی غیبت میں ان کی تحریک کی سرپرستی تجویز ہوئی تھی اور حضرت سہارنپوری کا حضرت شیخ الہند کے ساتھ حجاز جانا تجویز ہوا تھا، مگر اس طرح کہ علیحدہ علیحدہ سفر ہو، اس لئے کہ حکومت کی نگاہ میں دونوں مخدوش تھے، خیال یہ ہوا کہ ایک گرفتار ہو جائے تو دوسرا حجاز پہنچ جائے"۔

ظالمانہ اقتدار کے خلاف ہر جماعت نے کام کیا

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور جیسا بظاہر غیر سیاسی مدرسہ بھی اپنے اصل اور مرکزی مشن یعنی قومی آزادی کے حصول کی جدوجہد میں برابر کا شریک رہا ہے، محض خفیہ کام کی وجہ سے تمام مدارس اور خانقاہوں کو غیر سیاسی رنگ دیا گیا، ورنہ بنیادی طور پر سامراج کے ظالمانہ اقتدار کے خلاف اس جماعت کے اصول پر کام کرنے والا ہر مدرسہ، ہر خانقاہ اور ہر جماعت اپنی اپنی جگہ کام کرتا تھا۔

حضرت سہارنپوری بھی تحریک شیخ الہند کے رکن رکین تھے

عام طور پر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کا تعلق تحریک شیخ الہند اور آزادی کے حصول کی جدوجہد کے ساتھ نہ تھا؛ لیکن واقف راز حضرات جانتے ہیں کہ وہ بھی اس تحریک کے رکن رکین تھے، جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے بیان سے واضح ہے، اسی طرح حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ تحریک ریشمی رومال کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان فرماتے ہیں۔

ہمارے حضرت (حضرت اقدس رائے پوری) اور حضرت شیخ الہند کی طبیعت میں بڑی یکسانیت تھی، ہمارے حضرت رائے پوری نے مرض الموت کے ایام میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت سہارنپوری سے جا کر میری طرف سے بیعت جہاد کر، اور اپنی طرف سے بھی، حالانکہ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری ان معاملات میں بالکل نہ تھے، مگر جب میں اپنے حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت سہارنپوری کی

خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا:

''کہ حضرت رائے پوری نے کچھ فرمایا ہے''۔

میں نے عام باتیں بتائیں تو حضرت سہارنپوری نے عام لوگوں سے الگ ہو کر دوبارہ دریافت فرمایا کہ:

''وہ حضرت شیخ الہند والے کام کے بارے میں کچھ فرمایا ہو تو پھر میں سمجھا کہ بڑے میاں کو بھی اس کام میں لگاؤ ہے، اس پر میں نے وہ عرض کیا۔

اس بیان کے اسلوب سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تحریک کے حوالے سے اہم رازوں کو یہ حضرات کسی طرح بھی زبان پر نہ لاتے تھے، اور اس خفیہ حلف کی پاسداری کرتے تھے جو بیعت جہاد کے وقت ان حضرات سے کیا گیا تھا، اس بیان میں حضرت اقدس رائے پوری نے محض اشارے کیے ہیں، تفصیلات بیان نہیں فرمائیں، بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان حضرات نے بڑے صبر آزما ماحول میں پوری استقامت کے ساتھ ہندوستان کی قومی آزادی کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور تحریک ریشمی رومال اس کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔

ہندوستان کی آزادی میں ''تحریک ریشمی رومال'' کی اہمیت

تحریک ریشمی رومال نے انگریز سامراج کے ظالمانہ اور غاصبانہ اقتدار پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی، اس کا اندازہ انگریز حکومت کے سی آئی ڈی کے ریکارڈ سے بخوبی ہو جاتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس تحریک کی ظاہری منصوبہ بندی اور جدوجہد کی حقیقت انگریز حکومت کو جب معلوم ہوئی اور اس کے لیے جو مخصوص خفیہ منصوبہ بندی کی گئی تھی، وہ پایہ تکمیل کو پہنچی، تو ہندوستان بھر میں انگریزی اقتدار میں کھلبلی مچ گئی حتی

کہ برطانوی حکومت بھی اپنی جگہ پر ہل کر رہ گئی ، ردعمل کے طور پر پورے ملک میں گرفتاریوں کا عمل شروع ہوگیا، گرفتاریوں کے بعد اس تحریک کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے برطانوی حکومت نے رولٹ کمیشن Rowlett Commission قائم کیا، جس نے رولٹ ایکٹ (Rowlett Act) کے نفاذ پر مبنی سفارشات پیش کیں، اور اس کے بعد برطانوی حکومت نے پورے ہندوستان میں رولٹ ایکٹ نافذ کیا، جس نے جبر وآمریت کو قانونی شکل دی، آزادی کے لیے اجتماعات اور جلسہ کرنے پر پابندی لگادی گئی، اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ہی پورے ملک میں انگریز سامراج کے خلاف ایجی ٹیشن Agitation شروع ہوا، اسی دوران امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ جانکاہ پیش آیا، جس نے پورے ہندوستان کے طول وعرض میں آزادی کے حوالے سے بیداری کی لہر دوڑادی، اوراس کے بعد پورے ہندوستان میں سول نافرمانی کی تحریک شدت اختیار کرگئی۔

یوں ہندوستان بھر میں تحریک ریشمی رومال کی خفیہ جدوجہد کے نتیجہ کے طور پر آزادی کی دبی ہوئی چنگاری کچھ اس طرح بھڑکی کہ جو آگے چل کر ایک شعلہ جوالہ بن گئی، اور پورے ہندوستان میں آزادی کے حصول کے لیے عمومی بیداری پیدا ہوئی، اوراگلے چند سالوں میں انگریز سامراج کو مجبور کردیا گیا کہ وہ اس خطے کے عوام کو آزادی دے۔

اس طرح اس خطے کی آزادی میں تحریک ریشمی رومال نے تحریکات آزادی کی ایک مسلسل کڑی کے طور پر ایسا لازوال کردار ادا کیا جس کی نظیر دنیا کے دیگر ملکوں میں قومی سطح پر نظر نہیں آتی۔

آزادی کے حصول میں تمام تحریکات کا مجموعی عمل

کسی تحریک کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اس کا نتیجہ فوری کامیابی کی صورت میں جلوہ

گر ہو، اس سے بڑی خوش فہمی اور بے عقلی کوئی اور نہیں ہوسکتی، یہ ایک حقیقت ہے کہ قومی آزادی کے حصول کے لیے انگریز سامراج کے خلاف چلائی جانے والی تمام تحریکات نے جس طرح مسلسل اور پے در پے برطانوی اقتدار پر کاری ضربیں لگائیں ہیں، آزادی کا حصول ان تمام تحریکات کے مجموعی عمل کا نتیجہ قرار پائے گا، نہ محض چند سالوں کی رسمی کارروائیوں اور کسی ایک تحریک کے ذریعہ آزادی کا حصول ممکن ہوسکا۔

برعظیم پاک وہند میں برطانوی سامراج اوراس کے اقتدار کے خلاف چلائی جانے والی تمام تحریکات آزادی میں اسی جماعت حقہ کے تربیت یافتگان نے جس طرح عدم تعاون کے اصول پر قومی آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھایا وہ یقیناً انہی علماء ربانیین کی خلوص پر مبنی بے ریا زندگی کا عظیم شاہکار ہے، اس خطے کے تمام لوگ ہمیشہ ان حضرات کی قربانیوں اور لازوال جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرتے رہیں گے، اس ریجن Region کے لیے ان حضرات نے قومی زندگی کی نئی تشکیل وتعمیر کے لیے جس طرح سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر جدوجہد کی، وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوکر رہ گئی ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

آزادی کے حصول کے لیے پے در پے تحریکات

برعظیم پاک وہند پر انگریز سامراج کے غاصبانہ تسلط اور ظالمانہ نظام جبر وآمریت نے اس خطے کے سیاسی، معاشی اور فکری ارتقاء کے عمل کو ہی سبوتاژ نہیں کیا بلکہ اس پورے ریجن کی قومی آزادی سلب کرکے اسے غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا اور جس قوم کی آزادی اور حریت ختم کردی جائے، وہ اپنی حیات اجتماعی کی تشکیل نو قومی اور ملی تقاضوں کے مطابق قطعاً نہیں کرسکتی۔

قومی آزادی کے سوال نے ہندوستان کے حقیقی قومی اور ملی راہنماؤں کے سامنے ایک بڑا چیلنج پیش کر دیا تھا، اس تناظر میں اگر ہم ہندوستان کے غلامی کے دور کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کریں، تو یہ حقیقت اپنی جگہ ابھرتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادۂ کرام اور تربیت یافتگان نے اپنی عظیم جدوجہد کے ذریعہ سے اس چیلنج کا بھرپور جواب دیا اور غلامی کے پورے دور میں انگریز سامراج سے عدم تعاون کرتے ہوئے قومی آزادی کے حصول کیلئے مردانہ وار جدوجہد کی، ان حضرات نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے آزادی کی شمع کو بجھنے نہ دیا، بالخصوص ان نامساعد حالات میں جب کہ مسلمانوں کے چند نام نہاد لیڈروں نے انگریز سامراج کے ساتھ کلی تعاون اور اس کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے کام کرنا شروع کر دیا اور یوں ان کے اس منافقانہ کردار کی وجہ سے افراد ہی نہیں بلکہ جماعتوں کی صورت میں غداران وطن کی ایک طویل فہرست بنتی چلی گئی۔

ایسے مشکل حالات اور سیاسی طور پر پیچیدہ ماحول میں اسی جماعت نے ہندوستان کی قومی آزادی و حریت کے لیے طویل منصوبہ بندیاں اور دوررس سیاسی حکمت عملیاں ترتیب دیں، اور جیسے معروضی تقاضے ابھرتے رہے، ان کے مطابق اپنی عملی جدوجہد کو منظّم کرتے رہے، دستیاب حالات میں آزادی کی تحریکات کو مسلسل اور مستقل بنیادوں پر چلانا بڑا صبر آزما اور مشکل کام ہے، بالخصوص جبر و آمریت کی دہشت کے سائے میں آزادی کے لیے کام کرنا، ایک کٹھن مرحلہ ہے، لیکن اسی جماعت نے بڑی ہمت و جرأت کے ساتھ غلامی کے ہر دور میں جدوجہد آزادی کو تحریکات کی صورت میں زندہ رکھا، اور ایک تحریک کے بظاہر ناکام ہونے کے بعد دوسری تحریک پیدا کر دی گئی، اور یوں تسلسل کے ساتھ قومی آزادی کے حصول کے لیے پے در پے تحریکات

چلائیں، یہ اس کا نتیجہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس خطہ کے لوگوں کو کسی درجہ میں آزادی نصیب ہوئی۔

آزادی کا جذبہ سب سے پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک نے پیدا کیا

برعظیم پاک و ہند میں آزادی کا جذبہ بیدار کرنے میں سب سے پہلے جس عظیم الشان تحریک نے بنیادی کردار ادا کیا، اسے ہم ''تحریک مجاہدین'' یا تحریک سید احمد شہید کے نام سے یاد رکھتے ہیں، اس تحریک کی منصوبہ بندی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ''فتوی دارالحرب'' کے بعد معرض وجود میں آئی، اور ان کے تربیت یافتگان حضرت سید احمد شہید (م ۱۲۴۶ھ) اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ) نے اس تحریک کے کام کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے زندہ جاوید بنایا، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس خطے میں آزادی کا جذبہ بیدار کرنے میں اس تحریک کا بڑا ہاتھ ہے۔

اس کے بعد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تربیت یافتہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت اقدس گنگوہی اور حضرت نانوتوی قدس اللہ اسرارہم نے بڑا اہم کردار ادا کیا، جہاد ۱۸۵۷ء میں ان حضرات نے مردانہ وار حصہ لیا اور آزادی کے حصول کی جو عظیم الشان جدوجہد کی وہ سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

حضرت رائے پوری جماعت مجاہدین کے اہم رہنما

الغرض حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ العزیز اس جماعت مجاہدین کے ان اہم ترین راہنماؤں میں سے تھے، جنھوں نے ہزارہ دوم میں

دین اسلام کی سربلندی اور خطے کے انسانوں کی آزادی اور حریت کی جدوجہد کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا، بلاشبہ وہ اس ہزارہ دوم کی ایسی زیب و زینت تھے جنھوں نے اس پرفتن دور میں صحیح معنوں میں خدا پرستی اور انسان دوستی کے دیپ جلائے اور انسانوں کو غلامانہ زندگی کے دلدل سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی کرنے کے آداب سکھائے اور انسانوں کے مابین باہمی محبت اور تعاون کو فروغ دینے کے لیے اور قومی آزادی کے حصول کے لیے لازوال جدوجہد کی۔

تحریک آزادی میں رائے پور کی سیاسی اہمیت

ایک مرتبہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی مجلس میں حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ اور رائے پور کا تذکرہ آیا، اس مجلس میں مولانا عبدالمجید سندھیؒ بھی موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ حضرت رائے پوری کے ذکر خیر پر حضرت سندھی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور پھر بڑے جوش میں فرمایا:

”عام طور پر لوگ تحریک آزادی میں رائے پور کی سیاسی اہمیت کو پوری طرح نہیں جانتے، میں اس سے بخوبی آگاہ ہوں، میرا تو دل چاہتا ہے کہ تحریک آزادی میں رائے پور نے جو کردار ادا کیا ہے، اس پر مضامین اور کتابیں لکھوں؛ لیکن کیا کروں کہ حضرت اقدس رائے پوری اس کو پسند نہیں کرتے تھے، اور ہمیں اس کے بیان سے منع کیا ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے انسان زمین پر اللہ تعالی کی ان نشانیوں میں سے ہوتے ہیں، جو اپنے تئیں قربان ہو کر انسانوں کی صحیح خطوط پر رہنمائی کے لیے پیدا ہوتے ہیں، یہی لوگ انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث اور جانشین ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی ہمیں ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ان تمام نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور جو انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے ربانیین رحمہم اللہ جیسے انعام یافتہ لوگوں کو نصیب ہوئیں۔

دسواں باب

کارہائے نمایاں حضرت رائے پوری

دسواں باب

کارہائے نمایاں

دین اسلام کے تین بنیادی شعبے

محققین علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ دین اسلام کے تین بنیادی شعبے ہیں: شریعت، طریقت اور سیاست (حکمت) یہ دین کے تین ایسے بنیادی شعبے ہیں کہ جو اپنی جامعیت کے ساتھ روبہ عمل ہو جائیں تو دین کا اعلی مزاج اور حکمت وشعور سے بھرپور جاندار عملی کردار پیدا کرتے ہیں، یہ تینوں شعبے ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں کسی ایک کو دوسرے سے الگ کر کے وہ نتائج اور مقاصد حاصل نہیں کئے جاسکتے، جو دین میں اعلی پیمانے پر مطلوب ومقصود ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے سلسلۃ الذہب کے علمائے حق میں دین کے حوالے سے یہ جامعیت بڑی نمایاں طور پر نظر آتی ہے، یہ حضرات جہاں عقائد واحکام کے حوالے سے شریعت کے متبحر اور محقق عالم نظر آتے ہیں، وہاں معرفت ذات حق جل مجدہ اور صفائی باطن میں بڑے اونچے مرتبہ پر فائز ہیں، یہی نہیں بلکہ قومی سیاست کے جملہ تقاضوں کا بھرپور شعور رکھنے کے ساتھ ساتھ قومی آزادی کی تحریکات

میں مجاہدانہ کردار کی سنہری تاریخ رکھتے ہیں، اس طرح ان حضرات کی زندگی جامعیت کے حوالے سے بڑی مثالی حیثیت کی حامل ہے۔

حضرت رائے پوری کے فکر وعمل اور جہد وکردار کی جامعیت

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کے فکر وعمل اور جہد وکردار میں بھی اسی جامعیت کا رنگ بڑا واضح اور روشن ہے، یہ تینوں شعبے اپنی پوری جامعیت کے ساتھ آپ کی زندگی کا نمایاں حصہ معلوم ہوتے ہیں، ایک طرف آپ تصوف وسلوک کے امام ومجدد نظر آتے ہیں، اوراس حوالے سے تربیت باطن کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں، تو دوسری طرف شریعت کے متبحر عالم ہیں، اوراس کے بنیادی فکری اثاثے، قرآن کریم کی تعلیم وتعلم اور گھر گھر اس کی تعلیمات کو پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہیں، اور شریعت کے بنیادی احکام اوراساسی فرائض کی تعلیم کا بندوبست ہی نہیں کرتے، بلکہ لوگوں کواپنی معاشی اور عملی زندگی میں دین کے جس بنیادی شعوراور تربیت کی ضرورت ہے، اپنے قائم کردہ مکاتب قرآنیہ کے ذریعہ اس کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

مکاتب قرآنیہ کا جال

اس طرح آپ نے یوپی کے شمال میں واقع پسماندہ پہاڑی علاقوں سے لے کر مشرقی پنجاب کے ستم رسیدہ علاقوں اور ریاست بہاولپور کے دورافتادہ علاقے کے لوگوں میں صحیح دینی شعور بیدار کرنے کی جدوجہد اورکوشش فرمائی، اس سلسلہ میں اپنی مدد آپ کے تحت مکاتب قرآنیہ کا ایک وسیع جال Net work بچھادیا، ان مکاتب قرآنیہ میں جہاں بنیادی عقائدواعمال درست کیے جاتے تھے، وہاں زندگی گزارنے کا

سلیقہ اور بہتر شعور بھی دیا جاتا تھا، اور قومی آزادی کے شعور کو بتدریج پروان چڑھایا جاتا تھا۔

قومی تحریکات میں مرکزی کردار

دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست تو آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے زمانے سے ہی تھے ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' دہلی جہاں حضرت اقدس شیخ الہند کی نگرانی میں کام ہورہا تھا، اس ادارے کی سرپرستی اور رہنمائی بھی حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری نوراللہ مرقدہ فرمارہے تھے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی باہم مشاورت بھی ہوئی، جسے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے۔

اس باطنی تربیت اور ظاہری دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ حضرت اقدس رائے پوری قومی آزادی کی تحریکات کے سرپرست اوران کے برپا کرنے میں مرکزی کردار ادا کرنے والے ہیں، جس طرح حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے دہلی کے مرکز میں بیٹھ کر حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید قدس اللہ اسرارہم کی عملی جدوجہد کی رہنمائی اوراسے مالی امداد بہم پہنچائی اور تحریک مجاہدین کو باہم مربوط انداز میں آگے بڑھایا، بالکل اسی طرح گنگوہ کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے رائے پور مرکز میں بیٹھ کر قومی آزادی کی تحریک میں سرگرم عمل حضرات، حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ کی مشاورت اور رہنمائی اور مالی امداد سے بھر پور تعاون فرمایا، اور حضرت شاہ اسحاق صاحب کے طرز پر آئندہ کے لیے فکری رہنمائی اور افراد سازی کا عمل بھی جاری رکھا، چنانچہ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ نے سفرحجاز کے

موقع پر اپنے تمام شاگردوں کا تعلق حضرت اقدس رائے پوری سے کرادیا، اسی لیے تربیت کے اگلے مراحل ان حضرات نے جو ہندوستان میں تھے، حضرت اقدس رائے پوری سے حاصل کئے، اس طرح تحریک ریشمی رومال میں آپ کی عملی جدوجہد بڑی بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہے، اور دین کے تینوں شعبوں میں آپ کا کردار بڑی جامعیت لیے ہوئے تھا۔

حضرت کی انتظامی مہارت اور قائدانہ سلیقہ مندی

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی شخصیت بلا شبہ جامعیت کا مرقع تھی، تزکیہ نفوس اور تعمیر باطن کے حوالے سے آپ کی زندگی کے چند پہلو بیان کئے جاچکے ہیں:

دین کے دوسرے شعبہ جات کے حوالے سے آپ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ شریعت کے انتہائی متبحر اور جید عالم تھے، علوم دینیہ کے تمام اساسی اور فروعی مسائل پر آپ بڑی دقیق اور گہری نظر رکھتے تھے، نہ صرف یہ کہ دینی مسائل کا گہرا شعور اور فہم آپ کو حاصل تھا بلکہ اہم تر بات یہ ہے کہ ملکی معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو بھی صحیح تناظر میں بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے، اور دینی علوم کی ترویج واشاعت اور صحیح فکر وعمل کے پھیلاؤ کے حوالے سے جس قسم کے بنیادی معاشرتی حقائق، علاقائی خصوصیات اور معروضی مسائل کا سامنا ہوا کرتا ہے، ان پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔

آپ کی زندگی کا مطالعہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ مدارس اور دیگر اجتماعی اداروں میں پیدا شدہ مسائل کو صحیح تناظر میں حل کرنے کے لیے جس دوراندیشی اور حکمت عملی

کی ضرورت ہوتی ہے، آپ اس سے بھی بہرہ ور تھے، اور اداروں میں مسائل کے مختلف پہلو ہمیشہ آپ کی نظر میں رہتے تھے، بڑے بڑے مدارس کی سرپرستی او نگرانی کرتے ہوئے بعض انتہائی نازک مواقع پر آپ نے حسن تدبیر اور عملی بصیرت کا جس طرح مظاہرہ فرمایا، اس سے آپ کی انتظامی مہارت اور قائدانہ سلیقہ مندی کا اظہار ہوتا ہے۔

بڑے اور اہم اداروں کی سرپرستی ونگرانی

اس پس منظر میں آپ نے اپنے شیخ قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حکم پر دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور جیسے بڑے اداروں کی سرپرستی اور نگرانی فرمائی، اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کچھ اس انداز سے مسائل حل فرمائے کہ سب حضرات کو آپ کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، پھر ثمرۃ التربیت اور جمیعۃ الانصار جیسے ادارے جن میں فضلائے دارالعلوم کی خصوصی تربیت کا نظم قائم کیا گیا تھا، ان کے اہم معاملات میں آپ کی بھرپور شرکت اور مشاورت رہی، اور جب نئی حکمت عملی کے تحت ”نظارۃ المعارف القرآنیہ“ دہلی قائم کیا گیا، جس میں جدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات کی تربیت مقصود تھی، اس سلسلہ میں بھی آپ کے مشورے اور رہنمائی نے بنیادی کردار ادا کیا، چنانچہ ان ایام میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا بار بار دیوبند سے رائے پور آکر باہم مشاورت فرمانا اسی سلسلے میں تھا۔

تمام بڑے اداروں کی جدوجہد کا بنیادی محور

ان اداروں کی تمام تر جدوجہد کا بنیادی محور یہ تھا کہ آزادی اور حریت کی قومی تحریک کے لیے ایسے افراد تیار کئے جائیں، جو اعلی، علمی دینی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ

ساتھ قومی راہنمائی کا کردار حسن وخوبی سے سرانجام دیں، حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم اور ندوۃ العلماء جیسے بڑے اداروں نے اپنے پہلے پچاس سالہ دور میں ایسے افراد تیار کئے، جو ایک طرف بلاشبہ علم کے پہاڑ، اعلیٰ ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے مالک تھے، تو دوسری طرف قومی جدوجہد آزادی کے صف اول کے رہنما اور رہبر تھے۔

ان حضرات علماء ربانی نے زوال کے دور میں نہ صرف یہ کہ دین اسلام کے پورے فکری اثاثے کو صحیح تر شکل میں محفوظ رکھا بلکہ اس کی بنیاد پر معاشرے کی قومی تشکیل نو کے لیے جس بھرپور قومی شعور کی ضرورت تھی، اس کو بروئے عمل لاکر انگریز سامراج کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور آزادی کے حصول کے لیے انتہائی جاندار تحریکات چلائیں۔

حضرت اقدس عالی رائے پوری اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مشائخ کا شروع کیا ہوا یہ بنیادی کام اپنے پہلے پچاس سالہ دور میں اہم نتائج دے چکا تھا، اور ایسے جامع الصفات علماء اور قومی رہنماؤں کی تربیت یافتہ جماعت تیار ہو چکی تھی، اگلے مرحلے میں قومی اور ملی ضرورتوں کا منظرنامہ اگلے قدم کا متقاضی تھا کہ نئی حکمت عملی کے تحت دینی فکر کے عمومی پھیلاؤ کی جدوجہد اور کوشش کی جائے اور عام آدمی میں قرآنی تعلیمات سے محبت وتعلق پیدا کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی قومی آزادی کا شعور بھی ان میں جاگزیں کر دیا جائے۔

چونکہ انگریز سامراج نے اپنے غاصبانہ تسلط کے دوران مسلمانوں کو معاشی بدحالی میں مبتلا کرنے اور ان میں ذہنی پسماندگی اور جہالت پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان اپنی قومی حکومتوں کے دور میں بڑی شاندار تاریخ اور ماضی رکھتے تھے۔

قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کیا جائے

ان حالات میں ہنگامی بنیادوں پر اس چیز کی ضرورت تھی کہ عام لوگوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے طویل نصاب کی بجائے بنیادی تعلیم کے حوالے سے قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کیا جائے، قرآن کریم کے ساتھ لوگوں کا تعلق اس قدر مضبوط اور گہرا ہو جائے، اور اس کی تعلیم بستی بستی میں اس قدر عام ہو جائے کہ اس کے مقابلہ پر کوئی دوسرا مشن اور نظریہ چل نہ سکے، اور فکری پراگندہ خیالی کا سبب نہ بن پائے۔

اس حکمت عملی کے پیش نظر حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ وغیرہ حضرات نے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے دو جہتوں پر بڑی تیزی کے ساتھ عمل کیا، ایک تو یہ کیا گیا کہ جس شہر میں کوئی عالم موجود ہے، وہاں صبح شام حلقہ ہائے درس قرآن قائم کئے جائیں، اور دوسرے یہ کہ بستی بستی میں قرآنی تعلیم کے مکاتب ومدارس قائم کر کے حفظ وناظرہ اور بنیادی اسلامی تعلیمات کو عام کر دیا جائے۔

حلقہ ہائے درس قرآن کریم

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ہندوستان میں سب سے پہلے فارسی ترجمہ قرآن کریم کر کے قرآنی مطالب اور مفاہیم کو عام کر دیا تھا، پھر آپ کے صاحبزادگان شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کر کے تمام لوگوں کے لیے اس سے استفادہ کرنا ممکن بنا دیا، خانوادہ ولی اللہی نے ایک طرف تو تراجم قرآن کے ذریعہ دینی فکر کو عام کیا، دوسری طرف مساجد میں درس قرآن دینے کا آغاز بھی انہی حضرات کے زمانہ سے ہو جاتا ہے، اگرچہ اس وقت اس

کا عمومی رواج نہ ہوا تھا۔

مساجد میں حلقہ ہائے درس قرآن کریم کا عمومی رواج اس وقت ہوا جب دار العلوم دیوبند کے فضلا اور علماء کی تربیت کے لیے ثمرۃ التربیت اور جمعیۃ الانصار جیسے ادارے وجود میں آئے؛ چنانچہ ان اداروں میں تربیت دے کر علماء کرام کو تبلیغ کے لیے بھیجا جاتا تھا، اور عام مسلمانوں میں دین کی پختگی پیدا کرنے کے لیے درس قرآن کریم کے حلقہ جات کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، اس کام کو مزید وسعت اس وقت ملی، جب دہلی میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' نے اپنے مختصر دور میں ایسے علماء کی تربیت کی جنھوں نے منفرد اسلوب میں قرآن کریم کے دروس کا سلسلہ شروع کیا، مولانا عبید اللہ سندھی قدس سرہ نے علماء کو اس نہج پر مطالعہ قرآن کا شوق دلایا کہ آج اس دور میں ہم قرآنی مطالب اور مفاہیم سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں، ہمارے گردوپیش بے شمار انفرادی اور اجتماعی مسائل موجود ہیں، قرآن کریم اس حوالے سے ہماری کس طرح رہنمائی کرتا ہے، بالخصوص قومی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے قرآن کریم کیا پروگرام پیش کرتا ہے، اور اس طرح کے اہم ترین سوالات کے جوابات قرآن حکیم سے لئے جائیں، مسائل پر سوچنا اور فکر وتدبر کر کے قرآن کریم کی روشنی میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل نو کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ صحیح تناظر میں غور وفکر کر کے سلف کے طریقہ کار کے مطابق قرآن کریم کے پیغام کو سمجھا جائے۔

تفسیری اسلوب کے پیچھے حضرت رائے پوری کا دماغ

اس منفرد تفسیری اسلوب کے پیچھے جو دماغ کام کر رہا تھا، وہ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ اور حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کا تھا، ان

دونوں حضرات کی باہم مشاورت سے یہ تمام ادارے وجود میں آئے تھے، اور کام کر رہے تھے، یوں دروس قرآن کے حلقہ جات کی سرپرستی اور نگرانی کا کام ان حضرات مشائخ نے بڑی خوبی سے سرانجام دیا۔

حضرت لاہوری کا درس قرآن

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نظارۃ المعارف القرآنیہ کے تربیت یافتہ حضرات نے ملک کے مختلف علاقوں میں درس قرآن کے حلقہ جات قائم کئے، سندھ، پنجاب اور یوپی وغیرہ کے مختلف علاقوں میں مساجد کے ائمہ کے ذریعہ اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی گئی کہ وہ فجر کی نماز کے بعد یا عشاء کے بعد درس قرآن ضرور دیا کریں، اسی سلسلہ میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا حلقہ درس قرآن شیرانوالہ لاہور میں قائم ہوا، جو شہرت کے بام عروج پر پہنچا، ہزاروں، لاکھوں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا، اسی طرح خواجہ عبد الحئی فاروقی کا حلقہ درس قرآن دہلی میں بھی کام کرتا رہا، پھر لاہور میں آسٹریلیا بلڈنگ سے درس قرآن کے نام سے طبع بھی ہوتا رہا، اسی طرح اور حضرات نے بھی حلقہ ہائے درس قرآن قائم کئے جن سے ایک مخلوق سیراب ہوئی۔

درس قرآن کا بنیادی مقصد

درس قرآن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعہ عمومی ذہن کو اپنی بنیادی دینی فکر سے متعارف کرایا جائے اور عام لوگوں میں قرآن سے تعلق اور محبت پیدا کر دیا جائے، نیز اپنے معاشرے کے اجتماعی اور انفرادی مسائل کو زیر بحث لا کر قرآن کریم کی روشنی میں انہیں حل کرنے کا شوق پیدا ہو، اور پھر قرآن کریم جس طرح قومی آزادی کا جذبہ اور شعور پیدا کرتا ہے، وہ بھی اپنی جگہ انتہائی اہم ہے، غلامی کے دور میں قوم کی صحیح لائحہ

عمل کی جانب رہنمائی کرنا اور آزادی وحریت کے جذبے کو فروغ دینا بڑا ضروری ہوجاتا ہے،اس حوالے سے یہ ساری تحریک بڑے مفید نتائج کی حامل قرار پائی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن پر آپ کی نظر ثانی

حلقہ ہائے درس قرآن کے ذریعہ قرآنی علوم کو عام فہم انداز میں بیان کرنے کے لیے ضروری تھا کہ عام لوگوں کی اردو زبان جس نئے اسلوب اور نہج پر ڈھل چکی ہے، قرآن کریم کا ترجمہ اسی اسلوب میں کیا جائے؛لیکن یہ کام اس طرح ہوکہ قرآن کریم کے معجزانہ الفاظ اور معانی کی جامعیت اور صحت میں کوئی فرق نہ پڑے،ایسا ترجمہ ہوجو لفظی اور معنوی اغلاط سے قطعاً پاک ہو،تاکہ قرآن پاک کے حقیقی مقاصد، مفاہیم اور تقاضے زیادہ واضح اور صحیح شکل میں سامنے آئیں،حضرت اقدس رائے پوری نے اپنی اس خواہش اور وقت کے بنیادی تقاضے کا اظہار حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ سے کیا اور انہیں ترجمہ کرنے کے لیے فرمایا،آپ کی نظر میں حضرت شیخ الہندؒ سے بڑھ کر اس کام کے لیے اور کوئی آدمی نہ تھا،چنانچہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ”حیات شیخ الہند“ میں لکھتے ہیں۔

”بعض اہل علم کی استدعا اور بہت سی مصالح سے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی نہایت آرزو دیکھ کر حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) کو قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کا خیال ہوا“۔

حضرت شیخ الہند نے اس شرط پر یہ کام شروع فرمایا کہ حضرت اقدس رائے پوری اس پر نظر ثانی فرمایا کریں، حضرت نے منظور فرمایا، چنانچہ حضرت شیخ الہند جتنا ترجمہ لکھتے، حضرت اقدس رائے پوری کے پاس ”رائے پور“ لے آتے، وہاں حضرت

اقدس رائے پوری اس پر نظر ثانی فرماتے ،اسی طرح تقریباً ایک تہائی قرآن پاک کا ترجمہ اور حواشی تحریر ہوئے ، چنانچہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

”ہمیں حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی عظمت شان کا صحیح طور پر اس وقت اندازہ ہوا، جب حضرت شیخ الہند کو دیکھا کہ وہ ترجمہ قرآن تحریر کرکے رائے پور لے جایا کرتے تھے،اس وقت ہم متنبہ ہوئے کہ حضرت رائے پوری کا کتنا اونچا مقام ہے، جو ان کے تواضع اور انکساری کی وجہ سے اب تک ہم سے پوشیدہ تھا“۔

لیکن جب حضرت شیخ الہند تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں مالٹا میں گرفتار ہوگئے تو یہ سلسلہ جاری نہ رکھا جاسکا، البتہ مالٹا کے قیام میں ترجمہ کا کام ہوتا رہا، اور بالآخر باقی دوتہائی کا ترجمہ ۱۳۳۶ھ میں مکمل ہوگیا، اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی خواہش رہی کہ حضرت اقدس رائے پوری اس پر نظر ثانی فرمالیں، چنانچہ مقدمۂ ترجمہ قرآن میں تحریر فرماتے ہیں: ”جب ایک ثلث قرآن کا ترجمہ کرچکا تو بوجہ عوارض ایسا طول طویل حرج پیش آیا کہ ترجمہ کی تکمیل کی توقع بھی دشوار ہوگئی، مگر بتوفیق الٰہی عین ایام حرج میں اتنا اطمینان نصیب ہوگیا کہ ترجمہ موصوف باطمینان ۱۳۳۶ھ میں پورا کرلیا”اِنَّ رَبِّی لَطِیفٌ لِّمَا یَشَاءُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ اب حق تعالیٰ کو منظور ہے تو انہی احباب مکرمین (حضرت اقدس رائے پوری) کی خدمت میں پیش کرکے تفصیلی نظر کی درخواست کریں گے، اگر ہماری یہ پیوندکاری ان حضرات کے نزدیک مفید ومناسب سمجھی گئی، تو انشاءاللہ شائع بھی ہوجائے گا، ورنہ مجبوراً جہاں ہے وہیں رہے گا“۔

گونالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور حضرت اقدس رائے پوری

۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں وفات پا گئے، اس موقع پر حضرت شیخ الہند کو اس کا بڑا قلق ہوا، جو ایک مسدس کی صورت میں ڈھل گیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

بار احباب کون اٹھائے گا
آنکھوں پر کون انہیں بٹھائے گا
ہاتھ کون ان کا اب بٹائے گا
فتنوں کو کون اب ہٹائے گا
زینت وزیب الف ثانی مرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

الغرض ترجمہ حضرت شیخ الہند حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی تحریک پر شروع ہوا، ایک تہائی پر آپ نے نظر ثانی فرمائی اور دیگر کام پر آپ کی توجہات رہیں، آج یہ ترجمہ سب سے زیادہ قابل اعتماد اور عرب وعجم میں مشہور ہے۔

قرآنی تعلیمات کے پھیلاؤ کی تحریک

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ نے قرآنی تعلیمات کی نشر واشاعت اور دور دراز پسماندہ علاقوں میں اس کے پھیلاؤ کے لیے جو تحریک پیدا کی تھی، اس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں، حضرت شیخ الہند قدس سرہ قرآنی تعلیمات کے پھیلاؤ کی اس تحریک کے ایک ایک حصہ میں برابر کے شریک وسہیم ہیں، یعنی نظارۃ المعارف القرآنیہ کے حوالے سے جو تحریک قرآن کریم کو عام فہم انداز میں سمجھنے کی شروع ہوئی، اور مساجد میں دروس قرآن کے سلسلہ کو جس طرح وسعت دی گئی، وہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ اور حضرت اقدس رائے پوری کے

زرخیز دماغ کی تیار کردہ تھی، اور جس کے نتائج دیر سے سہی؛ لیکن بڑے اچھے اور جاندار ثابت ہوئے۔

حضرت اقدس رائے پوری نے ابتدائی بچوں میں پسماندہ علاقوں اور جہالت زدہ دیہاتوں میں جو قرآن پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کے حوالے سے کام کیا، حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی نظر میں اس کی بڑی قدر ووقعت تھی، چنانچہ حضرت اقدس رائے پوری کے وصال پر جو مرثیہ مسدس مالٹا کے عنوان سے لکھا ہے، اس میں آپ کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

چشمہ فضل و معدن احسان — کاشف رمز علم القرآن
عمل صدق قوم فخر زماں — خیرکم من تعلم القرآن
زینت وزیب الف ثانی مرد — شاہ عبدالرحیم ثانی مرد
ہوئے عثمان، جامع قرآن — وہ بدھ تم تھے، قاسم فرقان
تم بلاشک تھے، نائب عثمان — آج سنسان کیوں نہ ہو میدان
زینت وزیب الف ثانی مرد — شاہ عبدالرحیم ثانی مرد
محی علم تھے امام غزال — تم تھے احیاء کنندہ اعمال
کرتے تھے مردہ سنتوں کو بحال — آج ان کی کرے گا کون سنبھال
زینت وزیب الف ثانی مرد — شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

قرآن کی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لیے حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الہند کی فکر وسوچ

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ نے قرآنی تعلیمات

کے پھیلاؤ کے لیے جو کچھ کیا، اس حوالے سے دونوں حضرات کی سوچ اور فکر ایک ہی تھی، ایک طرف حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا میں بیٹھ کر جو فکر سوچ رہے ہیں، اور مسلمانوں کو مصائب سے نکالنے کے لیے قرآن کے پھیلاؤ کے لیے حکمت عملی ترتیب دے رہے ہیں، تو دوسری طرف حضرت اقدس رائے پوری اس پر عمل کر رہے ہیں، اور اس حوالے سے تحریک برپا کئے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہ جب مالٹا کی قید سے واپس ہندوستان تشریف لاتے ہیں، تو قرآنی تعلیمات کے پھیلاؤ کے حوالے سے جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا اور مسلمانوں کو تباہی سے نکالنے کے لیے جس حل پر آپ پہنچے ہیں، وہ بعینہٖ وہی ہے، جو حضرت اقدس رائے پوری کی سوچ اور فکر تھی اور مکاتب و مدارس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا تھا، اس حوالے سے دونوں کے فکر و عمل میں بڑی یکسانیت اور اتحاد نظر آتا ہے۔

حضرت شیخ الہند نے مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد دیوبند میں علماء کے ایک بڑے مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا:

مسلمانوں کی تباہی کے دو سبب

میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔

(۱) ایک ان کا قرآن کا چھوڑنا۔

(۲) دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی، اس کام میں صرف کر دوں کہ: ''قرآن کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے''۔

بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر ہر بستی میں قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

حضرت شیخ الہند کا درس قرآن

چنانچہ حضرت اقدس شیخ الہندؒ نے اس کے بعد دیوبند میں ایک حلقۂ درس قرآن قائم فرمایا، جن میں خود حضرت درس قرآن دیا کرتے تھے، اور جس میں بڑے بڑے مشاہیر حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ حضرات شریک ہوا کرتے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے دونوں بزرگوں کی سوچ و فکر اور نتائج میں کس قدر ہم آہنگی اور یکسانیت، یہ دونوں حضرات ایک ہی نہج پر مسلمانوں کی تباہ حالی پر نوحہ کناں ہیں، اور ایک ہی حل پیش فرماتے ہیں، کہ قرآن کریم سے اپنا تعلق مضبوط کرنے سے تباہی کا دور ختم ہوگا، پھر یہ تعلق بھی ایسا جو پوری سمجھ اور فہم و بصیرت کے ساتھ ہو، لفظی اور معنوی درستگی کے ساتھ ہو، اور اجتماعی مسائل کے حل کرنے کی بنیاد پر ہو۔

بیوہ سے نکاح

نکاح بیوگان آپ کی قوم میں عیب سمجھا جاتا تھا، اس کی اصلاح میں آپ نے بہت کچھ تکلیفیں سہیں اور مصائب برداشت کئے، عملاً اس کی سنیت ثابت کرنے کے لیے خود بھی بیوہ سے نکاح کیا، اور اس نکاح پر جو کچھ طعن تشنیع اور جان کے خطرات آپ کے رفع درجات کے لیے مقدر تھے وہ پیش آ کر رہے، جن کو آپ نے شیر و شکر سمجھ کر پیا اور

مزہ لیا، آپ کے جوان صاحبزادے عبدالرشید مرحوم کا انتقال ہوا، تو صبر ورضا کی آپ مجسم تصویر تھے، کہ مرحوم کے خسر کو داماد کا نام باپ کی زبان سے سننے کی تمنا تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ کو اس کی وفات کا صدمہ ہی نہیں ہوا، مگر جہاں تک غور کیا حزن تو غیر اختیاری اور لازمہ بشریت ہے، انسان کو دو دن کے پالے ہوئے بکری کے بچہ سے بھی تعلق ہوتا اور اس کے مرنے پر دل دکھتا ہے، پھر بیٹا تو بیٹا ہی ہے، جس کو ثمرۃ الفؤاد اور کلیجہ کا ٹکڑا کہا جاتا ہے، اس کا نوجوانی میں مرنا حزن سے کیسے خالی رہ سکتا ہے، لیکن اس موت کے حزن بشری وطبعی کے ساتھ ایک روحانی مسرت بھی آپ کو حاصل تھی، جو طبیعت ثانیہ نہیں بلکہ طبیعت اصلیہ بن گئی تھی، کہ آپ کو بیوہ بہو کے نکاح ثانی کا موقع ملا اور مردہ سنت کے زندہ کرنے کی ایک قدرت حاصل ہوئی۔

بیوہ بہو کو نکاح ثانی کے لیے اثر انگیز نصیحت

چنانچہ آپ مرحوم بیٹے کی بیوہ کے پاس گئے اور اس کو اس طرح تسلی دی کہ بیٹی اب تک تو بہو تھی، اور آج سے میری بیٹی ہے، دنیا فانی ہے اور یہاں کا ہر تعلق ایک دن ٹوٹنے والا ہے، ہمارے عزیز ایک ایک کر کے ہم کو چھوڑتے جائیں تب، اور ایک دن ہم سب کو یکلخت چھوڑ کر چلے جائیں تب، بہر حال موت نے فراق وجدائی ڈال دی، ایک ذات وہ بھی ہے جو کبھی کسی حال میں جدا ہونے والی نہیں ہے، اس کی محبت میں حلاوت بھی اتنی ہے کہ کسی دوسری محبت میں اس کا لاکھوا حصہ بھی نہیں ہے، ہم مریں یا جئیں وہ ہم سے جدا نہ ہوگا، ہماری خوش نصیبی ہے، اگر اغیار کی محبت دل سے نکل کر اس کی محبت دل میں سما جائے، دنیا کی عزت وذلت دونوں ہیچ ہیں، اور صحابہ نے اپنے اللہ ورسول کا بول بالا کرنے کی خاطر کنبہ وبرادری اور وطن وقوم سب ہی سے پیٹھ پھیر لی،

اور اس کا ان کو یہ صلہ ملا کہ آج ان کا نام بھی ہمیں پیارا معلوم ہوتا ہے، اس لیے اپنے اللہ سے دل لگاؤ، آخرت کی عزت کو عزت سمجھو جو کہ شریعت کے سامنے بے زبان اور بے شعور بن جانے کا نام ہے، کہ ساری دنیا کسی کام کو ذلیل کہے مگر شریعت اس کا حکم دے، تو ہمیں شریعت کا ساتھ دینا چاہئے، کیونکہ دنیا والے موت کے بعد دفنا اور مٹی کے نیچے دبا کر سب چلے جائیں گے، اور پھر اسی مالک سے واسطہ پڑے گا، جس نے شریعت پر عمل کا حکم دیا ہے، جب وہ پوچھے گا کہ ہم تمہارے نزدیک زیادہ عزیز تھے یا برادری؟ تو اس وقت پشیمانی سے پسینہ آجائے گا، اور افسوس ہوگا کہ ہائے قبر تک ساتھ دینے والوں کا میں نے ساتھ دے کر اپنے کریم مولی سے کیوں بگاڑی۔

اس کے بعد آپ نے شوہر کی تجویز میں خیال دوڑایا اور آخر ایک دن مرحوم کے خسر حاجی عبدالعزیز خاں کو کہ حضرت سے بیعت بھی تھے، بلا کر تنہائی میں اپنا منتہائے مراد ظاہر فرمایا، حاجی صاحب کو عبدالرشید مرحوم کی یاد تازہ ہوئی تو رونے لگے، مگر دیکھتے تھے کہ میں خسر ہوں، اور حضرت اس مرحوم کے باپ ہیں، آنسو نکلے تھے کہ حضرت نے فرمایا ہاہا حاجی عبدالعزیز خان یہ رونے کا مقام ہے یا ہنسنے کا، آج خدا نے وہ دن نصیب فرمایا کہ اس کے محبوب وپیغمبر کی مردہ سنت ہم ناکارہ گنہگار کے ہاتھوں زندہ ہو، یہ سخی کا نچھاور کا وقت ہے، کہ اتفاق سے میسر آگیا پس لوٹ لو جتنا لوٹا جائے، نہ ہوتا عبدالرشید پیدا، یا نکاح سے قبل ہی مر جاتا، یا بیوہ چھوڑ کر نہ جاتا تو ہم کیا کرتے اور کیوں کر یہ نعمت پاتے، اب تک جو کچھ ہوا محض عطاء رب تھی، جس میں ہمارے کسی فعل کو دخل نہ تھا، اب ان عطاؤں کے شکریہ کا وقت آیا اور ہمارے کسب اور عمل کا دخل ہوا تو ہم سے زیادہ بدنصیب کوئی نہ ہوگا، اگر اس کی قدر نہ کریں، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، اور وقت نکلے پیچھے بجز افسوس وحسرت کچھ نہیں ہوسکتا، خدا اس کا محتاج نہیں کہ تم سے اپنی مردہ سنت کو زندہ کرائے، مگر تمہارے لیے فخر کا

موقع ہے کہ تم کو سو شہیدوں کا اجر دینے کے لیے انتخاب فرمایا:

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف

بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

پھر میرے حقوق تعلقات ادا کرنے کا دن بھی یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں یہ نکاح ضابطہ پری کا اور اوپری دل سے نہ ہو بلکہ امنگ اور چونپ سے ہو، کہ حقیقت میں مسلمان کے خوش ہونے کے قابل یہی نکاح ہے، چونکہ مجھے تم سے توقع ہے کہ اس وقت دین کی خاطر میرے قوت بازو بنوگے، اور کر دکھاؤ گے جو مسلمان کو ایسے موقع پر کرنا چاہئے، لہٰذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں، صرف اتنا کہتا ہوں کہ فلاں جگہ میں نے تجویز کی ہے اور زندگی کا اعتبار نہیں، میں چاہتا ہوں کہ جلد اس خوشی کو آنکھوں سے دیکھوں، چنانچہ اس پر عمل ہوا اور وہ عمل ہوا کہ عمل کرنے والے دنیا سے رخصت ہو لئے مگر کارنامہ آب زر سے لکھا ہوا ہر دل پر ثبت ہے۔

بہو کو آپ نے باپ کے گھر پہنچایا کہ اعلان عام اسی میں تھا، اور نکاح اول کا اس کو نمونہ بنایا تھا، باوجودیکہ عبدالرشید کے نکاح میں آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ دولہا کو چند احباب کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اس وقت اتباع شریعت اسی سادگی کو مقتضی تھا، مگر اس نکاح ثانی میں آپ نے شرکت کا وعدہ فرمالیا اور حالانکہ علیل وکمزور تھے، مگر خاص اہتمام کے ساتھ وقت سے پہلے پہنچے۔

احیاء سنت کے لیے شاندار دعوت کا اہتمام کرنا

نکاح کا وقت آیا تو عبدالعزیز خان کو بلایا اور چپکے سے فرمایا دل یوں چاہتا ہے کہ بستی اور نواح کی ساری قوم کو دعوت دی جائے، اگر مالی وسعت ہو تو اس خرچ کو جنت کی قیمت سمجھو کہ پھر وقت نہ ملے گا، عبدالعزیز خاں حیران تھے کہ پہلا نکاح تو اتنا سادہ

کہ نہ خود تشریف لائے اور نہ کسی کی دعوت پسند فرمائی اور اب خلاف عادت خود مشورہ ہے خرچ کا، اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرض لے کر بھی اس ضیافت عامہ پر تیار ہیں، عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ نے حضرت کی جوتیوں کے طفیل سب کچھ دے رکھا ہے، جسے جسے ارشاد ہو دعوت دیدوں، یہ سن کر آپ کے چہرہ پر خوشی کی لہر دوڑی اور فرمایا کہ آس پاس کے سب ہی کو بلاؤ اور ہمت ہو تو کھانا بھی میٹھا اور نمکین دونوں قسم کا پکواؤ، اور دل کھول کر کھلاؤ کہ تمہارے لیے اس سے زیادہ اجر وثواب کی بکھیر لوٹنے کا کوئی موقع نہ ہوگا، اس لئے ہمت نہ ہارو اور جتنا اعلان ہو سکے خوب کرو۔

چنانچہ سب کچھ ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ شادی میں نہ خرچ کرنا منع ہے نہ بخل وتنگی واجب، یہ امور دل کی خوشی کے تابع ہیں کہ دنیا داروں کے نزدیک پہلا نکاح حوصلہ وخوشحالی دکھانے کا وقت بنتا ہے مگر دینداروں کے نزدیک جس نکاح میں اللہ کا بول بالا اور رسول کی مردہ سنت زندہ ہوتی ہو، اس کی خوشی کے برابر معمولی ورسمی ہزار نکاح بھی نہیں ہو سکتے کہ رسمی نکاح محض رفع ضرورت ہے جیسا بھی سادہ ہو جائے بہتر ہے، مگر جس خرچ میں دینی مصلحت ہو کہ حب خدا اور رسول اس کے محرک ہیں، وہ سب صدقات کے حکم میں ہے، اور اس کا پیسہ پیسہ ستر ستر ہزار بن کر قیامت میں ملے گا، غرض آپ کا حال کچھ عجیب حال تھا کہ دنیا جسے غم کہتی ہے وہ آپ کے لیے عین خوشی تھی، اور دنیا کے نزدیک جس کا نام خوشی ہے وہ آپ کے لیے حزن وغم:

معمہ حال میرا مثل ابرو برق وباراں تھا

میں رونے میں بھی خنداں تھا میں ہنسنے میں بھی گریاں تھا

گیارھواں باب

مدارس ومکاتب کا قیام

گیارھواں باب

مدارس ومکاتب کا قیام

ابتدائی مدارس ومکاتب قرآنیہ کا اجراء

معاشرے کے ذہین اوراعلی علمی استعداد رکھنے والے لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لئے دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپوراوردارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے بڑے مدارس قائم کئے گئے، اورجدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات کی قرآن کی اجتماعی اصولوں پرفکری تربیت کے لیے ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' دہلی اور ''بیت الحکمۃ'' جیسے ادارے قائم کئے گئے، جنھوں نے بلاشبہ پورے ملک میں ایک معتد بہ تعداد ایسے افراد کی تیار کردی جس نے آگے چل کرملک وقوم کی قومی اورملی خدمات بڑے احسن طریقے سے سرانجام دی۔

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ ان اداروں کے سرپرست رہے، اوران اداروں کے داخلی، انتظامی وتعلیمی مسائل میں آپ کی رہنمایانہ صلاحیتوں کا بڑا کردار رہالیکن آپ کی متواضع طبیعت نے کبھی اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔

اس کے بعد اس بات کی بڑی شدت سے ضرورت تھی کہ ملک بھر میں بالعموم اور پسماندہ علاقوں میں بالخصوص بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے ابتدائی مکاتب و

مدارس قرآنیہ کا اہتمام کیا جائے، بچوں میں ابتداء سے ہی قرآن کریم اور اس کے علوم وافکار سے محبت پیدا کر دی جائے، بنیادی اصول اسلام اور ان کے عملی تقاضے خوب پختہ ہو جائیں اور تربیت کے دوران ان کی عزت نفس کو اس طرح جلا بخشی جائے کہ قومی آزادی وحریت کا جذبہ ان میں بیدار ہو جائے۔

چنانچہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے اس اہم تقاضے کو پیش نظر رکھ کر سب سے پہلے ''رائے پور'' میں ایک بہترین اور مثالی مکتب قائم فرمایا، اور بنفس نفیس ابتدائی دو تین سال اس مکتب میں بچوں کو پڑھایا اور ان کی تربیت فرمائی، شاگردوں کی ایک کھیپ تیار کر کے رائے پور کے گرد ونواح میں ''دون'' کے دیہات میں مکاتب قرآنیہ کا اجراء فرمایا، سہارنپور اور دہرہ دون کے پسماندہ ترین علاقوں میں ان مکاتب ومدارس کے ذریعہ قرآنی تعلیمات کو بڑے وسیع پیمانے پر عام کیا گیا، اسی طرح مشرقی پنجاب میں ضلع کرنال اور لدھیانہ کے گرد ونواح کی بستیوں میں مکاتب قائم کئے گئے، اور پھر دور افتادہ علاقہ ریاست بہاولپور کے تقریباً ہر بڑے شہر اور دیہات میں حضرت اقدس رائے پوری نے خود اور آپ کے متعلقین نے مدارس ومکاتب جاری کئے، قرآنی تعلیمات سے عام لوگوں کو مستفید کیا اور بچوں کی ابتدائی تربیت کا ایک منظّم نظام قائم کیا گیا۔

رائے پور مکاتب ومدارس قرآن کا مرکز

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کو قرآن کریم سے بہت عشق اور تعلق تھا، اس کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم میں آپ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی، تمام علوم دینیہ میں چونکہ قرآن کریم اصل دین ہے، اور تمام علوم وافکار کا سرچشمہ ہے، اور انسانی

زندگی کی تہذیب وتشکیل نو میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، اس لیے آپ کو اس کا بہت زیادہ شغف رہا کہ بچوں میں ابتدائی زندگی سے ہی قرآن پاک سے محبت وتعلق پیدا ہو، اور ہر جگہ اس کی تعلیم کا بندوبست ہونا چاہیے، اس سلسلہ کے جو مکاتب قرآن آپ نے جاری فرمائے، ان کا مرکز رائے پور کا مدرسہ قرآن تھا، یہ مدرسہ بلاشبہ اپنے حسن تدبیر اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے مثالی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے، اور تعلیم قرآن مجید سے بالخصوص مانوس تھے، کہ تمام علوم دینیہ میں دین کی اصل یہی ہے، اور عام طور پر اس کی طرف توجہات قلیل ہو جانے سے آپ کی توجہ اس طرف اور زیادہ بڑھ گئی تھی کہ جگہ جگہ مکاتب قرآنیہ جاری کرنے کے آپ حریص تھے، بچوں کو صحیح وصاف سادہ لہجہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے''۔

مثالی مدرسہ قرآن

خود آپ کے باغ (رائے پور) میں بھی ایک مدرسہ تھا، جو توکل کا مجسمہ تھا کہ نہ کوئی جائیداد اس کے لیے وقف تھی، نہ کہیں سے چندہ مقرر تھا، بلکہ حاضر ہونے والے مخلصین میں کوئی اہل مال یا خوش حال حاضر ہوتے تو ان کے سامنے مدرسہ کا تذکرہ کرنا بھی آپ کو گراں گزرتا تھا، کہ یہ تذکرہ بھی ایک قسم کا سوال ہے، اور مخلوق پر اپنی حاجت کا پیش کرنا، یا اس میں کسی قسم کی ان سے مدد چاہنا، آپ کی طبعی غیرت کو گوارا نہ تھا، بایں ظاہری بے سروسامانی کے بستی کا یا باہر کا جو بچہ بھی پڑھنے کے خیال سے آتا وہ بشوق ورغبت لیا جاتا اور اس کو اپنا محسن سمجھ کر محبت وشفقت کے ساتھ فوراً داخل کر لیا جاتا تھا۔

تمام طلبہ عموماً گاؤں کے باشندے تھے، جن کی گزران سادہ اور جفاکشی طبعی عادت تھی، اس لیے حضرت کو اس کا لحاظ بھی زیادہ تھا کہ طلبہ کاہل نہ بنیں، لہٰذا ان کی اور مدرسہ کی تمام ضروریات کا بار (بوجھ) خود انہیں پر تھا کہ چند طلبہ کے متعلق روٹی پکانا تھی، اور وہ مدرسہ سے چھٹی ملتے ہی سارے مدرسہ کے طلبہ کی روٹیاں پکایا کرتے، اور چند طلبہ کے ذمہ پانی لانا تھا کہ وہ وقت آتے ہی گھڑے لے کر نہر پر جاتے اور جس قدر پانی کی مدرسہ کے تمام طلبہ کو ضرورت ہوتی، وہ گھڑے اور مٹکے لبریز کر دیا کرتے، مسجد کا سقایہ بھی وہ ہی بھرتے، اور جنگل سے خود لکڑی کاٹ کر یا چن کر بھی طلبہ ہی لاتے تھے، غرض ضروریات بشریہ کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو ان سے نہ لیا جاتا ہو، اس طرح ان میں کاہلی (اور سستی) نہ آنے پاتی تھی، اور نہ ان میں وہ مادہ پیدا ہوتا تھا، جس کی وجہ سے آئندہ اپنی ضروریات پورا کرنے میں ان کو شرم محسوس ہو یا کسی کام کو خلاف شان سمجھیں۔

صبح صادق سے ڈھائی گھنٹہ قبل آخر شب میں سب کو جگا دیا جاتا تھا، اور وہی وقت ان بچوں کے اپنا سبق یاد کرنے کا ہوتا تھا، چار چار، پانچ پانچ طلبہ دائرہ بنا کر ایک چراغ بیچ میں رکھ کر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ جاتے اور دن میں پڑھا ہوا سبق یاد کر کے اٹھا کرتے تھے، اس طرح بچپن سے ہی ان کو آخر شب میں اٹھنے کی عادت ہو جاتی تھی اور وہ برکات جو اس مبارک وقت میں قدرت نے رکھی ہیں، بآسانی ان کو حاصل ہو جاتی تھیں، یہ چند منٹ جس میں معدہ بھی صاف اور ہلکا ہوتا ہے اور یکسوئی بھی بدرجہ کمال تھی، وہ دن کے چند گھنٹوں سے بڑھ کر حفظ میں مدد دیتے اور صبح کو سبق ایسا فرفر سناتے تھے کہ تمام دن رٹنے والا بھی ایسا نہیں سنا سکتا۔

رائے پور کے اس مثالی مکتب میں قرآن کریم کے حفظ و ناظرہ کے ساتھ ساتھ اس کا

نظم بھی تھا کہ بچوں کو دیگر بنیادی اور عملی زندگی میں کام آنے والے علوم پڑھا دئے جائیں، چنانچہ بنیادی اصول اسلام اور تعلیم الاسلام یاد کرائی جاتی تھی، اردو ریاضی اور معاشرتی علوم کی ضروری تعلیم بھی دی جاتی تھی تاکہ آئندہ زندگی میں جاہل مطلق نہ رہیں، بلکہ معاشی زندگی میں اپنے پاؤں پر کھڑا رہنا سیکھیں، اور کسی کے محتاج بن کر نہ رہیں چنانچہ مولانا میرٹھی لکھتے ہیں:

''قرآن شریف کے ساتھ اردو، دینیات اور نماز روزہ کے مسائل ضروریہ کے رسائل بچوں کو پڑھائے جاتے، تختی لکھوائی جاتی، حساب کتاب سکھایا جاتا اور اس قابل بنایا جاتا تھا کہ مدرسہ سے جا کر اپنی کھیتی وغیر (وسائل معاش) کے کام میں لگیں، مگر جنگلی بن کر نہیں بلکہ آدمی اور ولی بن کر لگیں کہ دین کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو اور ان کی سادہ راحت کی گزران میں نقصان نہ آوے''۔

اس مکتب میں دینی تعلیم و تعلم کے اس مذکورہ بالا نصاب کے علاوہ اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لیے بھی تربیت کا بڑا اہتمام تھا، بلند انسانی اخلاق مثلاً خدمت انسانیت، مخلوق پر شفقت، قومی حریت اور صبر واستقامت وغیرہ بچوں میں پیدا کیے جاتے تھے، چنانچہ مولانا میرٹھی لکھتے ہیں:

''مکتب کیا تھا نائب رسول، جامع شریعت وطریقت شیخ کی خانقاہ تھی، جس میں کچی لکڑیوں (یعنی نونہال بچوں) کو بآسانی سیدھا کیا جاتا تھا، اور ان اخلاق حسنہ کو ان کی عادت اور خو بنا کر دلوں میں رچایا جاتا تھا، جو بڑے ہو کر برسوں کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتیں، ایثار و شفقت علی الخلق کا ان بچوں میں ایک خاص مضمون ہوتا تھا، اور قناعت وصبر واستقامت کا ایک مخصوص رنگ ان میں پایا جاتا تھا''۔

صبغۃ اللہی مکتب

ایک مرتبہ صبح سویرے بندہ (عاشق الٰہی میرٹھی) خس پوش مسجد میں چلا گیا جو خس پوش مدرسہ کے متصل تھی، تو میں نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی جس کی عمر سات آٹھ برس کی تھی کہ سبکیاں لے رہا اور اس کا نگراں طالب علم بڑے پیار کے لہجے میں اپنی دیہاتی سادہ زبان میں اس سے پوچھ رہا تھا کیوں رو رہے؟ کیا ماں یاد آ رہی ہے؟ یا پیٹ میں درد ہے؟ میں تو تیرے پاس موجود ہوں اور تیری ہر خدمت کو حاضر ہوں، کچھ تو بتا کیوں پریشان ہے؟ تاکہ اس کا انتظام کروں، دیر ہوگئی کہ نہ بچہ کی سبکیاں تھمیں اور نہ طالب علم پوچھنے اور بہلانے پھسلانے سے اکتایا، آخر جماعت کا وقت آیا تو اس کو گود میں اٹھا کر باہر لایا اور خدا جانے کیا تدبیر کی کہ اس کو منایا اور وضو کرا کے اس کو سنتیں پڑھانے میں لگا دیا، سلام پھیر کر دیکھتا ہوں تو وہ پیچھے بچوں کی صف میں بیٹھا دعا مانگ رہا ہے۔

مسجد نبوی کا نقشہ

صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں مسجد نبوی کا نقشہ نظر آتا تھا، اور بارش میں ٹپک کر سجدہ گزار پیشانی کو تر زمین سے مانوس کیا کرتی تھی، اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جو لطف پھونس کے سایہ میں اس ستھرے ریتیلے فرش پر نماز پڑھنے میں نصیب ہوا، وہ آج تک کبھی اور کہیں نصیب نہیں ہوا۔

رائے پور کے گردونواح میں مکاتب قرآنیہ کا اجراء

رائے پور کے مکتب کے طرز پر آپ نے گردونواح میں بھی مکاتب قرآنیہ جاری

فرمائے، چنانچہ ''دون'' کے دیہات میں جہاں اکثر گوجر برادری کے لوگ پسماندہ حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے، جہالت اور بے دینی ان میں عام تھی، دنیا کا شعور بھی ان میں نہ تھا اور دین سے تو بالکل کورے تھے، اسی طرح دیگر برادریوں کی حالت اگرچہ دنیاوی اعتبار سے نسبتاً بہتر تھی؛ لیکن دین سے بے خبری اور جہالت عام تھی، راجپوتوں کے گاؤں کے گاؤں عقل وشعور اور دین واخلاق سے بالکل عاری تھے، بے جا اور فضول رسومات نے انہیں گھیر رکھا تھا۔

ان حالات میں حضرت اقدس رائے پوری نے رائے پور کے مکتب کے طرز پر بڑے گاؤں اور قصبہ میں مکتب قرآن قائم فرمایا، اور اپنے شاگردوں میں سے ایک کو اس جگہ مقرر کر دیا، یا ان حفاظ اور قراء کو مدرس مقرر کیا گیا جو رائے پور مکتب میں تربیت حاصل کر لیتے تھے، پھر ان مدارس اور مکاتب کی نگرانی، نظم وتعلیم وتربیت کو ملاحظہ فرمانے اور متعلقین کی تربیت کے لیے حضرت اقدس رائے پوری خود ان علاقوں کا سفر فرماتے تھے، چنانچہ گوجروں کے علاقہ میں لودھی پور، دمجھیڑہ وغیرہ میں آپ کے بکثرت اسفار ہوئے اور مکاتب قرآنیہ کا اجراء ہوا۔

اس کے بڑے بڑے اثرات مرتب ہوئے، وہ لوگ جن کا لوٹ مار، قتل وغارت گری اور بات بات پر لڑنا مرنا شیوہ تھا، ان مکاتب ومدارس کے ذریعہ ان میں دینی تعلیم پھیلی اور وہ سچے اور کھرے انسان بن گئے، اسی طرح جن بے جا رسومات اور فضول کاموں میں یہ لوگ لگے ہوئے تھے، ان سے ہٹ کر قومی آزادی کا شعور اور اپنی دینی ودنیاوی فلاح کا جذبہ ان میں پیدا ہوا، ان مکاتب کے ذریعہ سے تربیت یافتہ نسل نو میدان عمل میں آئی، تو ان علاقوں کا نقشہ ہی بدل گیا، ان میں جہاں دین کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وہاں قومی آزادی کا شعور بھی بڑا پختہ تھا۔

مٹھی آٹا اسکیم کے تحت مکاتب قرآنیہ کا اجراء

بعض علاقوں میں غربت، افلاس اور پسماندگی حد سے زیادہ تھی، وہاں کے باشندے مکتب کے انتہائی ضروری اخراجات بھی پورے نہ کر سکتے تھے، جب کہ اصول یہ تھا کہ ہر مکتب اپنی مدد آپ کے تحت کام کرے گا، ایسے پسماندہ دیہات میں جس حکمت عملی کے تحت مکاتب قائم کئے گئے اسے ''مٹھی آٹا اسکیم'' کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ ہر گھر میں مکتب کی طرف سے ایک برتن رکھ دیا جاتا تھا، ایک ہفتہ بعد جتنا آٹا جمع ہوتا، اسے مکتب میں جمع کرا دیا جاتا تھا، اس اسکیم کے تحت ہر چھوٹی بستی اور گاؤں میں بھی مکتب قائم کیا گیا اور تعلیم قرآن کا بندوبست کیا گیا، اس اسکیم کے بہت ہی مفید نتائج سامنے آئے، اس میں جہاں ایک اہم قومی اور ملی کام میں سب گاؤں والوں کی شرکت اور اجتماعیت قائم ہوگئی، وہاں انہیں بیرونی امداد اور چندہ سے محفوظ رکھا گیا، یوں ان میں قومی خودداری اور ملی غیرت کا جذبہ بیدار کیا گیا، اس طرح مکتب کا نظام قائم کر کے اور بہت سے فوائد حاصل کئے گئے۔

مشرقی پنجاب کے دیہات میں مکاتب قرآنیہ

جس طرح گنگا و جمنا کے درمیان واقع دوآبہ کے شمالی علاقے دون کے دیہات میں حضرت اقدس رائے پوری نے مکاتب و مدارس کا سلسلہ قائم فرمایا تھا، اسی طرح جمنا پار مشرقی پنجاب کے علاقہ میں کثیر تعداد میں ایسے دیہات اور قصبات موجود ہیں، جہاں آپ نے مدارس قرآن کا اجراء فرمایا، اور اسی نہج اور اسلوب پر انہیں چلایا جیسے کہ رائے پور اور اس کے گردونواح کے مکاتب قرآنیہ چل رہے تھے۔

چنانچہ اپنے آبائی گاؤں تگری، گمتھلہ، پنجلاسہ اور لدھیانہ کے متصل کئی دیہات نیز

جالندھر، رائے پور گوجراں میں ان مکاتب و مدارس کا وسیع نظام قائم کر دیا گیا، اور ان تمام کو رائے پور مرکز کے ساتھ منسلک کر دیا گیا اور ان کا تعلیمی نظام اور دیگر تربیتی امور اسی طرز پر کام کرتے تھے، جس طرح دیگر مکاتب قرآنیہ کا عمدہ نظم کرتا تھا۔

ریاست بہاولپور میں
حضرت اقدس رائے پوری کے فیضان کے اثرات

علاقہ بہاولپور اور اس کے گردونواح میں حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کے فیض صحبت اور جہد و کردار کے اثرات اس قدر متنوع اور ہمہ جہت ہیں، اور سیاسی معاشی اور دینی نقطہ نظر سے اتنے کثیر پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں کہ اس کے لیے مستقل ایک تصنیف کی ضرورت ہے، یہاں اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ریاست بہاولپور میں دینی نقطہ نظر سے سیاسی اور معاشی ڈھانچے میں اصلاحات کا دور اس وقت شروع ہوا، جب حضرت مولانا رحیم بخش صاحب نواب محمد بہاول خاں عباسی خامس کے انتقال کے بعد اگست ۱۹۰۸ء میں ریاست بہاولپور کے نظم و نسق کے لیے قائم کردہ کونسل آف ریجنسی کے پریزیڈنٹ (President) مقرر ہوئے، اس سے قبل آپ نواب مرحوم کے سیکریٹری بھی رہے، مارچ ۱۹۲۳ء تک آپ ریاستی کونسل کے پریزیڈنٹ (President) رہے، اس پورے عرصہ میں دینی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے آپ نے بڑی کوشش اور جدوجہد فرمائی۔

مولانا رحیم بخش صاحب قطب عالم حضرت گنگوہی سے بیعت تھے، اکثر آپ کی محبت میں آنا جانا رہتا تھا، معمولات کے بڑے پختہ تھے، حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت اقدس رائے پوری سے اپنا تعلق قائم کر لیا تھا، عموماً رائے

پور تشریف لایا کرتے تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست بھی رہے، انہوں نے اپنے چچازاد بھائی چودھری عالم علی صاحب کو بڑے اصرار اور حکمت عملی سے حضرت اقدس رائے پوری سے بیعت کرایا تھا، چودھری صاحب حضرت اقدس رائے پوری سے عشق کی حد تک تعلق اور محبت رکھتے تھے، آپ ریاست میں سول جج کے عہدے پر فائز رہے؛ لیکن ظاہری طور پر دیکھ کر کوئی آپ کو اعلیٰ عہدیدار نہیں سمجھتا تھا، پوری ریاست میں جگہ جگہ مدارس اور مکاتب قرآنیہ قائم کرنے میں چودھری صاحب نے انتھک خدمات سرانجام دیں ہیں، تمام بڑے بڑے مدارس کے لیے جگہ وقف کرنا، مساجد تعمیر کرنا، مکاتب ومدارس قائم کرنا، ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اور یہ سب حضرت اقدس رائے پوری سے تعلق خاطر کی وجہ سے ان کے حکم اور مشورہ پر کیا کرتے تھے، آج علاقہ بہاول پور کے تمام بڑے شہروں بہاول نگر، ہارون آباد، چشتیاں، فورٹ عباس، خیر پور، لیاقت پور، خانپور، رحیم یارخاں اور صادق آباد وغیرہ میں تمام مرکزی جامع مسجد کی تعمیر اور ان کے ساتھ مکاتب اور مدارس کے قیام کا کام حضرت جج صاحب چودھری عالم علی صاحب کی جدوجہد اور کوشش کا ثمرہ ہے۔

یہ تو ریاست میں دینی تعلیم کے ظاہری نظم ونسق کے حوالے سے خدمات کا جائزہ ہے، جہاں تک تزکیہ نفوس اور باطنی تعمیر وتربیت اور اس کے فیضان کا سلسلہ ہے، تو اس حوالے سے بھی پوری ریاست میں حضرت اقدس رائے پوری کا فیضان جاری ہے، وہ اس طرح کہ آپ کے اجل خلفاء میں سے حضرت اقدس مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری قدس سرہ کا قیام بہاول نگر کے قریب بستی دین پور میں رہا ہے۔

اس علاقے میں حضرت اقدس رائے پوری کے مخلصین ومحبین میں سے حضرت بہاولنگری قدس سرہ کا مقام بہت اونچا ہے، اس علاقہ میں حضرت رائے پوری کا فیضان

روحانی حضرت بہاولنگری کے ذریعہ سے بھی پھیلا ہے، تمام مدارس ومکاتب جو ریاست میں قائم کئے گئے، ان کی علاقائی سرپرستی اور نگرانی حضرت بہاولنگری قدس سرہ کے ہی سپرد تھی، چنانچہ حضرت جج صاحب جہاں حضرت اقدس رائے پوری کے احکامات کے منتظر رہتے تھے، وہاں حضرت اقدس بہاولنگری سے رہنمائی اور مشاورت فرمایا کرتے تھے، ان دونوں حضرات کی باہم کوششوں نے ریاست کے پسماندہ اور جہالت کے حامل علاقوں میں دینی تعلیم کی شمع روشن کی اور بستی بستی شہر شہر مکاتب قرآنیہ کا وسیع جال بچھایا۔

چھوٹے مکاتب کے علاوہ چند بڑے مدارس بھی قائم کئے گئے، بہاول نگر، منچن آباد، خیر پور، ہارون آباد، اور خانپور میں بڑے مدارس قائم کئے گئے۔

دین پور متصل بہاول نگر میں مدرسہ انوار ہدایت

حضرت اقدس بہاولنگری قدس سرہ کا قیام ابتداء میں چک نادر شاہ میں تھا، پھر حضرت اقدس رائے پوری کا بہاولنگر کی طرف سفر ہوا، تو حضرت اقدس رائے پوری کے مشورے سے حضرت بہاول نگری جتّووالہ کے جنگل میں جھونپڑی ڈال کر بیٹھ گئے، جو بعد میں دین پور کے نام سے مشہور ہوا، پھر آخر دم تک اسی جگہ قیام فرمایا، اسی جگہ اپنی خانقاہ اور مدرسہ انوار ہدایت قائم فرمایا، چنانچہ آپ کے صاحبزادے محترم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب دین پوری لکھتے ہیں:

''حضرت بہاولنگری نے حضرت اقدس رائے پوری کے حسب ارشاد پہلے چک نادرشاہ میں قیام فرمایا، اور وہاں کچھ عرصہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، کچھ عرصہ بعد شہر (بہاول نگر) کے قریب قیام کرنے کا خیال ہوا، چنانچہ ''شورہ کوٹھی'' میں رہائش

کے لئے کچھ مکان بھی تیار کر لئے تھے اور وہاں منتقل ہونے کا ارادہ تھا؛ لیکن جب حضرت شیخ (رائے پوری بہاول نگر تشریف لائے اور) اس جگہ سے گزر ہوا، جہاں اب خانقاہ اور مدرسہ ہے، تو آپ نے اپنی لاٹھی مبارک زمین میں گاڑ کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور فرمایا: مولانا! اس جنگل میں انوارات برس رہے ہیں، اس لیے آپ بجائے شورہ کوٹھی کے یہاں قیام کرلیں، چنانچہ آپ نے اسی مقام پر قیام کرلیا اور درس وتدریس کتب عربی کا سلسلہ جاری رکھا''۔

''حضرت بہاولنگری نے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے خاص ایماء پر باقاعدہ طور پر ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) میں اپنے اسی مسکن عالیہ میں مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ انوار ہدایت کی بنیاد رکھی، جس سے سینکڑوں حافظ قرآن اور عالم دین پیدا ہوئے، حالانکہ آپ کی اس علاقہ میں تشریف آوری سے قبل خال خال ہی کوئی حافظ اور عالم نظر آتا تھا، اس لحاظ سے اس مدرسہ کو علاقہ ہذا میں باقی مدارس کے لیے ام المدارس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا''۔

حضرت بہاولنگری کے یہاں تعلیم وتربیت کا نظم بڑا اچھا تھا، رائے پور کے مکتب کے طرز پر قرآن پاک پر محنت کے ساتھ ساتھ کتب عربی پڑھانے کا آپ کو خصوصی ملکہ تھا، اس لیے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے اپنے صاحبزادے حافظ عبدالرشید صاحب کو قرآن پاک حفظ کرانے کے بعد کتب عربی کی تعلیم کے لیے حضرت بہاول نگری کی خدمت میں بھیج دیا تھا، اس علاقہ میں حضرت بہاونگری قدس سرہ کے اس مدرسہ اور خانقاہ نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس اور تربیت باطن کا کام بڑے عمدہ طریقے سے سرانجام دیا۔

خیر پور کا مدرسہ تجوید القرآن

حضرت اقدس رائے پوری نے مکاتب تعلیم القرآن کے قیام کا جو سلسلہ جاری فرمایا تھا، اس سلسلہ میں خیر پور ٹامے والی ضلع بہاولپور میں حضرت اقدس کے خادم مخلص حضرت جج صاحب چودھری عالم علی صاحب نے مکتب قرآن قائم فرمایا، جو آگے چل کر ایک بڑا مدرسہ بن گیا، اس مدرسہ کا قیام کے پس منظر بیان کرتے ہوئے اس کی مطبوعہ روئیداد میں لکھا ہے:

''ہندوستان کے اضلاع دہلی وسہارنپور وغیرہ میں اللہ تعالی نے علماء وصلحاء کی ایک ایسی جماعت صادقہ پیدا فرمائی جس نے ایسے نازک وقت میں جب کہ مسلمان اسلامی حکومت سے محروم ہو چکے تھے اور دین حنیفی دنیوی اقتدار کھو چکا تھا، مسلمانوں کی حالت کو سنبھالا اور دین متین کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے دینی تعلیم کے ایسے مدارس پورے ملک میں قائم کئے جن سے ہزارہا مخلوق خدا دین کی اصلی اور سچی تعلیم سے فیض یاب ہوئی، اور اب تک ہو رہی ہے، اسی جماعت صالحہ کے ارکان میں ایک فرد وحید اور ایک رکن رکین حضرت الشیخ مخدوم العالم شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ہوئے ہیں، رائے پور ضلع سہارنپور میں آپ صاحب مسند ارشاد تھے، طالبان رشد وہدایت روزانہ جوق در جوق خدمت اقدس میں حاضر ہوتے، توبہ کرتے اور بیعت ہو کر حضرت اقدس کے حلقہ خدمت کو طوق گلو بناتے، اور اپنا دامن گلہائے مراد سے بھر لے جاتے تھے''۔

سلسلہ بیعت کے علاوہ حضرت رائے پوری کا فیضان عام اس صورت میں جاری ہوا کہ حضرت نے مسلمانوں کی فلاح وبہبودی دارین کے لیے سب سے پہلے مسلمان

بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا ضروری اور لازمی سمجھا، اور پہلے خود اس طرح عمل فرمایا کہ رائے پور میں تعلیم قرآن کے لیے ''مدرسہ فیض ہدایت'' کی بنیاد ڈالی، حضرت کے اس اسوہ حسنہ کی پیروی، حضرت سے ملنے والے خدام نے بھی کی اور حضرت کی سرپرستی میں بہت سے مدارس قرآن جاری ہوکر کلام پاک کی اشاعت کا باعث ہوئے۔

ان مدارس میں بچوں کو قرآن شریف حفظ اور ناظرہ دونوں طرح پڑھایا جاتا ہے، ضروری مسائل دین اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان بچے کی اسلامی نشونماء اس کے بغیر نہیں ہوسکتی اور مسلمانوں میں مسلمان نہ ہونے کا جو دردناک روگ پیدا ہوگیا ہے، اس کی وجہ غور کرنے سے اسی دینی تعلیم سے غفلت ثابت ہوئی اور بس۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان مدارس کے اجراء کی طرف از حد توجہ اور انہاک تھا، چنانچہ حضرت کے وصال کے بعد حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے جو مرثیہ ترجیع بند میں فرمایا ہے، اس میں حضرت رائے پوری کو قاسم فرقان نائب عثمان احیاء کنند اعمال کے ناموں سے ذکر فرمایا ہے۔

اپنی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے نیک دل حاکم حضرت مولانا رحیم بخش صاحب پریذیڈنٹ کونسل ریاست بہاول پور کو اسی ہادیٔ وقت کے خادم مخلص ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور جناب چودھری عالم علی خان صاحب کو حضرت مخدوم العالم رائے پوری سے جو فریفتگی اور اخلاص تھا، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسوہ صالحہ یعنی اجرائے مدارس قرآن کے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ آپ نے شوال ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں اپنے مکان کے متصل، مدرسہ قرآن جاری کیا، جہاں ہر طرح رونق رہی، حضرت کے حضور میں اس کی اطلاع، حضرت کی خوشنودی مزاج کا باعث ہوئی، ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں حضرت مولانا مولوی اللہ بخش صاحب بہاول نگری اور جناب

جج صاحب کو حضرت اقدس صاحب رائے پوری کی خدمت میں رائے پور حاضری کا اتفاق ہوا، تو حضرت نے مولانا بہاول نگری سے فرمایا: ''خیر پور کے مکتب میں طلبہ کی رہائش اور خوراک کا بھی انتظام کرو'' جناب جج صاحب نے اس سے یہ اخذ کیا کہ مدرسہ قرآن ایسے پیمانہ پر ہونا حضرت کو مطلوب ہے جس میں نہ صرف شہر کے طلبہ ہی تعلیم پاسکیں بلکہ باہر کے طلبہ کی اقامت اور طعام وغیرہ ضروریات کا بھی انتظام ہونا چاہئے۔

چنانچہ یہ مدرسہ ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں ساوی مسجد خیر پور کی نئی عمارت میں منتقل ہوا، اس موقع پر ایک جلسہ افتتاحیہ منعقد ہوا، جس میں حضرت اقدس رائے پوری کے تمام اجل خلفاء، متعلقین وجانشین نے شرکت فرمائی۔

جمال پور کا مکتب اور بعض دوسرے مکاتب کا قیام

خیر پور کے اس مدرسہ تجوید القرآن کے بعد حضرت جج صاحب چودھری عالم علی صاحبؒ نے گردونواح میں دیگر قصبات اور شہروں میں بھی مکاتب ومدارس قائم فرمائے اور انہیں اس مدرسہ کی شاخ بنادیا گیا، ان مکاتب کا نظم ونسق مدرسہ خیر پور سے ہی چلایا جاتا تھا، اسی طرح پھولڑہ (فورٹ عباس) میں ایک مکتب قائم ہوا، اور خیر پور سے مدرسہ خانپور منتقل ہوا، پھر شہر فرید میں ایک مکتب قائم ہوا، منچن آباد شہر اور ارد گرد کے دیہات میں بھی مدارس قائم ہوئے، پھر ہارون آباد میں جامع مسجد کی تعمیر اور مدرسہ کا قیام ہوا، پھر چشتیاں کی جامع مسجد اور مدرسہ کا قیام ہوا۔

لکھویرا برادری میں حضرت اقدس رائے پوری کے اثرات

شہر فرید میں مکتب کے قیام سے قبل بھی لکھویرا قوم کے سردار جناب محمد علی خاں

صاحب کا تعلق بیعت حضرت مرشد عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ سے تھا، اس تعلق کے بعد لکھویرا قوم کی اخلاقی اور دینی حالت میں بڑی زبردست تبدیلی واقع ہوئی، گویا نواب فرید خان لکھویرا کے بقول ''پوری قوم میں زبردست انقلاب پیدا ہوگیا''۔

لکھویرہ قوم بہت عرصہ پہلے حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ اور حضرت بابا تاج الدین سرور شہید اور پھر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے فیض صحبت سے مستفید ہوئی تھی؛ لیکن ان بزرگوں کے بعد مرور زمانہ سے یہی قوم جہالت اور تاریکی کے اندھیروں میں ڈوب چکی تھی، اور یہ لوگ ان چشتی بزرگوں کی تعلیمات سے دور ہوتے گئے، دوبارہ اس راستہ پر چلانے اور بزرگوں کے نقش قدم کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے جس ایمانی قوت اور اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی وہ مخدوم ومکرم مرشد عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کی نظر کیمیا اثر سے اس قوم میں پیدا ہوئی، حضرت کی صحبت کے اثر سے جہالت ختم ہوئی، علم وشعور کی روشنی آئی، اخلاق حالت درست ہوئی، یوں قومی اصلاح کا ایسا شعور پیدا ہوا کہ جس سے علاقہ بھر سے بد اخلاقیاں ختم ہوئیں، اچھے اخلاق پیدا ہوئے، برائی کا خاتمہ ہوا، اور انسانیت امن وسکون سے رہنے لگی، دین پر چلنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہوگیا۔

بارھواں باب

مدارس ومکاتب کا نظام تعلیم وتربیت

بارھواں باب

مدارس ومکاتب کا نظام تعلیم وتربیت

مرکزی نظام برائے مدارس ومکاتب قرآن

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ نے مدارس ومکاتب قرآن کا جوسلسلہ قائم فرمایا تھا، ان کو صحیح نہج اور درست طریقہ کار کے مطابق چلانے کے لیے رائے پور میں ایک مرکزی نظام بھی وضع کیا تھا، اس مرکزی نظام کی سرپرستی اور براہ راست نگرانی بنفس نفیس خود حضرت اقدس عالی رائے پوری فرماتے تھے، اوراس کے ناظم امتحانات وتعلیمات حضرت مولانا مولوی نورمحمد لدھیانوی کو مقرر کیا ہوا تھا، ان تمام مدارس کے امتحان وغیرہ کا نظم انہی کے ذمہ تھا، اسی طرح ان مدارس کے معلمین کی تربیت کا نظم جب وسیع ہوگیا تو اس کی انتظامی ذمہ داری بھی مولانا نورمحمد لدھیانوی صاحب کے سپرد کردی گئی، چنانچہ وقتاً فوقتاً ان مدارس ومکاتب کے اساتذہ ومعلمین کے تربیتی اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے، جس میں اساتذہ کو طریقہ تعلیم کے جدید اسلوب سے آگاہ کیا جاتا تھا، بچوں کی نفسیات اوران کی تربیتی ذمہ داریوں سے واقفیت بہم پہنچائی جاتی تھی، ابتدائی طور پر بچوں کو پڑھانے کا طریقہ عملی طور پر سکھلایا جاتا تھا،

معلمین کو ریاضی کی اہمیت بتلائی جاتی تھی اوراس کے پڑھانے کے لیے عام فہم طریقہ کار کو سمجھایا جاتا تھا، چنانچہ اسی سلسلہ میں اساتذہ کے لیے ایک تربیتی ورکشاپ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) میں رائے پور میں منعقد کی گئی تھی، اس تربیتی اجلاس میں شرکت کے لیے تمام اساتذہ اورعلاقائی ذمہ داروں کو حضرت اقدس رائے پوری کی طرف سے اطلاعی خطوط لکھے گئے تھے، چنانچہ حضرت اقدس مولانا اللہ بخش صاحب بہاول نگری کے نام حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی طرف سے جو مکتوب مولانا نورمحمد لدھیانوی نے لکھا تھا، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب ارشاد حضرت قطب الوقت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ایک جلسہ معلمین قرآن مجید مکاتب اسلامیہ بتاریخ ۱۱/ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹/ نومبر ۱۹۱۵ء بمقام مدرسہ فیض ہدایت رائے پور ضلع سہارنپور منعقد ہوگا، لہٰذا آنجناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ بھی ایک روز قبل از جلسہ یعنی پنج شنبہ (بروز جمعرات) ۱۰ محرم الحرام کی شام تک رائے پور پہنچ جائیں تاکہ علی الصبح شامل جلسہ ہوں۔

اس جلسہ میں اس امر پر غور کیا جائے گا کہ تعلیم کا انتظام کیا ہو، جس سے طلبہ جلدی پڑھنا سیکھیں اوران کو علم کا شوق اوررغبت پیدا ہو، بواپسی ڈاک ارادہ تشریف آوری سے مطلع فرمائیں۔

حضرت سلمہ کی طبیعت اب اچھی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ صحیح وسلامت، خیر وعافیت سے رکھے۔ والسلام

نورمحمد لدھیانوی

مدرسہ فیض ہدایت، رائے پور

یہ تربیتی اجلاس اسی تاریخ میں رائے پور میں منعقد ہوا تھا، اس اجلاس میں حضرت اقدس رائے پوری کے قائم کردہ تمام مدارس ومکاتب قرآن کے معلمین اور اساتذہ نے بھرپور شرکت فرمائی، اس اجلاس کی افتتاحی تقریب میں حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے جو خطاب فرمایا تھا، اس میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کی تعلیم کے حوالے سے اساتذہ کے پیش نظر کیا چیز ہونی چاہئے؟ اساتذہ کی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہیں؟ اور ان کی دینی حیثیت اور مقام ومرتبہ کیا ہے؟ آپ نے تفصیل سے اس پر اظہار خیال فرمایا تھا، یہ پوری تقریر ''عظمت القرآن'' کے نام سے تیرہویں باب میں بعینہٖ منقول ہے۔

تعلیم وتربیت کے لیے
اساتذہ کرام اور ذمہ داروں کو دی گئی ہدایت

رائے پور میں اساتذہ کی تربیت کے لیے وقتاً فوقتاً جو تربیتی اجلاس منعقد ہوتے تھے، ان میں اساتذہ کو نہایت کارآمد اور بہترین ہدایات دی جاتی تھیں تاکہ بچوں کی تربیت کے حوالے سے کوئی نقص نہ رہ جائے، ان تمام ہدایات اور تربیت کے اصولوں کو مولانا نور محمد لدھیانوی نے ایک جگہ جمع کردیا تھا جو بعد میں ''تعلیم المعلمین'' کے نام سے کتابی صورت میں طبع ہوئی، اس کتاب میں تعلیم وتربیت کے حوالے سے بڑی بنیادی رہنمائی دی گئی ہے، چند ایک درج ذیل ہیں:

ابتدائی تعلیم میں تجربہ کار استاذ کی ضرورت

بچوں کی ابتدائی تعلیم کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس کے لیے کس قسم کے استاذ کی

ضرورت ہوتی ہے؟ تحریر فرماتے ہیں:

''ابتدائی تعلیم کے لیے مہذب، تجربہ کار، بردبار اور طرز تعلیم سے واقف اور مستعد حافظ قرآن معلم کی ضرورت ہے کیونکہ ابتدائی تعلیم بمنزلہ بنیاد کے ہے (بچے کی) استعداد کے بننے اور بگڑنے کا یہی موقع ہے''۔

چنانچہ مدارس کے ذمہ داروں کو مخاطب کرکے عمومی طور پر ان کے رویہ کا تذکرہ کیا گیا اور انہیں اس سلسلہ میں انتہائی اہم ہدایت دی گئی:

بچوں کی تعلیم یعنی قرآن مجید کے لیے اکثر کم علم اور ناتجربہ کار معلم مقرر کئے جاتے ہیں؛ کیونکہ اس تعلیم کو آسان اور ادنی کام سمجھ لیا گیا ہے، معلم بھی کم علم، غیر مہذب جو تھوڑی سی تنخواہ پر سستے داموں میں ملے، اسے غنیمت سمجھتے ہیں، ایسے معلم قاعدوں کو باقاعدہ نہیں پڑھاتے، جس سے قرآن مجید رواں پڑھنے کی استعداد ہو، اس طرح قرآن مجید کی تعلیم میں وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے، لیکن پھر بھی نہ صحت لفظی ہوتی ہے اور نہ رواں ہی چلتا ہے، پس ایسی صورت میں اس کی ضرورت ہے کہ ابتدائی تعلیم کے لیے معلم صاحب لیاقت، حافظ قرآن، مہذب، بردبار اور طرز تعلیم سے واقف منتخب کیا جائے اور اسے معقول تنخواہ دی جائے، یہ تو بچوں کے سرپرستوں اور مدارس کے مہتممین کا کام ہے۔

بچوں کو فطری انداز میں تعلیم دینی چاہئے

بچوں کی تعلیم کس انداز میں ہونی چاہئے؟ اس حوالے سے درج ذیل ہدایت دی گئی:

''بچے کی والدہ اس کی استانی ہوتی ہے، جو بچہ کو قدرتی اور فطری طور پر تعلیم دیتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تین چار سال میں بچہ کھانا، پینا، بیٹھنا، اٹھنا، چلنا، پھرنا اور بولنا

اپنی مادری زبان میں سبھی کچھ سیکھ جاتا ہے، پیدائش کے دن اگر اس کو لاکھ مرتبہ بتایا جاتا کہ یہ تیری والدہ ہے، وہ آواز تو سنتا مگر مطلب بالکل نہ سمجھتا، اب ایک مرتبہ بتانے سے معلوم کر لیتا ہے کہ یہ ماموں ہے یہ خالہ ہے وغیرہ وغیرہ‘‘۔

غور کا مقام ہے کہ والدہ نے ایسے بے سمجھ اور کم استعداد بچہ کو تین چار سال میں روز مرہ کی ضروریات سے پورا واقف بنا دیا لیکن ایسے واقف بچہ کو اگر کسی معلم نے تین چار سال کے عرصہ میں صحت کے ساتھ قرآن مجید بھی حفظ نہ کرایا تو کتنا افسوس ہے۔

اگر معلم اور استاد قدرتی اور فطری طور پر تعلیم دیں تو بہت جلد ترقی اور استعداد ہو، قدرتی اور فطری تعلیم اس طرح پر ہے کہ ایک ایک چیز کو کئی کئی دنوں اور ہفتوں سکھایا جائے اور روزانہ اس کی مشق ہونی چاہئے۔

اکثر بچے کند ذہن نہیں ہوتے
غلط طریقہ تعلیم انہیں کند ذہن بناتا ہے

بچوں میں علم کے حصول کی استعداد بنیادی طور پر قدرت کی طرف سے رکھی گئی ہے، شاذ و نادر ہی کوئی بچہ اس سے محروم ہوتا ہے؛ لیکن غلط طریقہ تعلیم بچہ کی اس استعداد کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے، اس حوالے سے درج ذیل تجزیہ کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

اکثر معلم جو خود طریقہ تعلیم سے ناواقف ہوتے ہیں، اپنی جہالت چھپانے کے لیے بچوں پر الزام لگایا کرتے ہیں، کہ یہ لڑکے بالکل غبی اور کند ذہن ہیں، ہاں بچے اگر کند ذہن ہیں، تو خود معلم کند ذہنوں کے استاذ ہیں یعنی ان کی تعلیم کی بدولت وہ کند ذہن ہو گئے، جیسے پیدائش کے وقت کوئی بچہ شاذ و نادر ہی اندھا، لولا، لنگڑا ہوتا ہے، اسی طرح شاذ و نادر ہی کوئی بچہ کند ذہن بھی ہوتا ہے، مگر اس کے کیا معنی ہیں کہ بعض

معلموں کے اکثر شاگرد غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں، یہ انہیں کی تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے جسے وہ خود نہیں سمجھتے اور سمجھانے سے برا مانتے ہیں، اللہ تعالی نے ہر ایک انسان میں ہر طرح کی کم و بیش قابلیت اور استعداد رکھی ہے ’’کل مولود یولد علی الفطرة‘‘ ہر ایک بچہ قابلیت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اور مربی تعلیم و تربیت سے اسے اپنے جیسا بنا لیتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے بچپن (چھوٹی عمر) میں ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں، ان میں تقلید اور نقل کرنے بلکہ نقل کو اصل بنانے کا شوق ہوتا ہے، اپنے مربی اور عزیزوں کو جو کام کرتا دیکھتے ہیں، خود اس کے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ وہ کام ان کی طاقت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، مگر طبیعت اور ہمت کے کمزور ہوتے ہیں، ذرا سی دیر میں ایک کام کو چھوڑ کر دوسرا شغل اختیار کرتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ کیسا ہی دلچسپ مشغلہ ہو، بچے زیادہ دیر تک اس میں مشغول نہیں رہ سکتے، پس تعلیم میں بھی صبح سے شام تک ایک ہی مضمون سے بچے خوش نہیں رہ سکتے، اگر قرآن مجید کے سبق کے بعد اردو پڑھنا لکھنا بھی ساتھ ساتھ سکھایا جائے یا کچھ وقفہ دیا جائے، تو بچے خوش رہتے ہیں، اگر بچوں کے کسی کام کی تعریف کی جائے، تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں، اور بار بار اس کام کو کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے کام کی داد دے، اور تعریف کرے، بس اگر کوئی داد نہ دے اور تعریف نہ کرے تو ان کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

بچوں میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہوتی، اس لیے دوسروں کو بھی سچا جانتے ہیں لیکن دوسروں کو جھوٹ بولتا ہوا یا دھوکہ اور فریب دیتا ہوا دیکھتے ہیں تو خود بھی جھوٹ بولنے اور اور فریب کرنے لگ جاتے ہیں، یہ تمام باتیں ان کی ہر طرح کی قابلیت اور

استعداد پر دلالت کرتی ہیں۔

مگر افسوس کہ ان کی اس قابلیت سے کام نہ لے کر یا بے قاعدہ تعلیم دے کر ان کی سب لیاقت اور استعداد برباد کر دی جاتی ہے، یہ چھوٹے بچے ذہین اور ہوشیار معلوم ہوا کرتے ہیں، اور بڑے ہو کر کند ذہن اور غبی بن جاتے ہیں؟ اور جو چھوٹی عمر میں لکھنے پڑھنے کی بڑے شوق سے نقل اتارا کرتے تھے، اب وہ پڑھنے لکھنے سے ایسا بھاگتے ہیں جیسے غلیل سے کوا، اس کا زیادہ تر باعث طریقہ تعلیم کا ہی نقص ہے۔

مثلاً انسان اور ہر ایک حیوان معتدل اور عمدہ غذا سے نشو ونما پاتا اور قوی اور تندرست رہتا ہے، شوق و رغبت سے کھاتا پیتا ہے لیکن یہی غذا جب غیر معتدل یا دیر ہضم یا اندازہ سے زیادہ دی جائے تو بیماری اور بدہضمی پیدا کرتی ہے، بھوک بند ہو کر غذا سے بعض اوقات سخت تنفر پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے دل کی غذا علم ہے، جو تمام لذتوں سے زیادہ لذیذ ہے، بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ اور با قاعدہ ہو، اگر بے قاعدہ اور بے اعتدالی سے تعلیم دی جائے تو ضرور علم سے وحشت اور نفرت ہوگی۔

پس جو معلم بچوں کو مار پیٹ کر پڑھاتے ہیں، وہ طریقہ تعلیم سے واقف نہیں، اپنی لاعلمی کا غصہ ناحق بچوں پر نکالتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں، مار سے بھاگنا طبعی امر ہے، پس مار کر پڑھانے والے معلم بچوں کو تعلیم سے بھگاتے اور علم سے نفرت دلاتے ہیں اور بچوں پر ناحق الزام لگاتے ہیں۔

مکاتب و مدارس اور معلّمین کی خصوصیات

اس تربیتی اجلاس منعقدہ رائے پور میں عام طور پر مکاتب اور مدارس کی صورت حال

کا تحقیقی تجزیہ کیا گیا، چونکہ مکاتب کے قیام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا، اس لیے ذمہ دار حضرات نے ان کمزوریوں اور خامیوں کو نوٹ کیا اور ان کی خرابیوں کو بھی دیکھا، جو اگرچہ اس سلسلۂ مکاتب قرآن رائے پور سے تو منسلک نہ تھے لیکن اپنی اپنی جگہ کسی نہ کسی درجہ میں مکتب چلا رہے تھے، چنانچہ عمومی طور پر جو کوتاہی اس سلسلے میں روا رکھی جاتی تھی، اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا گیا اور ان کے تدارک کے لیے حکمت عملی وضع کی گئی، مکاتب کے حوالے سے اہم ترباتت یہ تھی کہ معلم کی خصوصیات کیا ہوں، مکتب کی عمارت اور مقام کیسا ہونا چاہیے، جہاں پوری دلجمعی سے درس و تدریس کا کام ہو اور ایک مکتب میں بچوں کو پڑھانے کے لیے کیا کیا سامان درس و تدریس ہونا چاہیے وغیرہ امور پر تفصیل کے ساتھ اس تربیتی اجلاس میں غور و فکر ہوا، اور پھر آخر میں ہدایات جاری کی گئیں۔

مدارس و مکاتب کی صورت حال کا تجزیہ

مدارس اور مکاتب کی صورت حال کا جو تجزیہ کیا گیا، وہ حقیقت کے انتہائی قریب تر اور منصفانہ ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس تربیتی اجلاس کے شرکاء نے بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا جائزہ لیا، چنانچہ اس حوالے سے جو تجزیہ کیا گیا وہ درج ذیل ہے:

’’یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہر ایک کاریگر کے لیے اوزار اور ہر ایک سپاہی کے لیے ہتھیار کی ضرورت ہے، مقراض (قینچی) اور سوئی دھاگہ کے بغیر درزی اور تیشہ بسولہ آری کے بغیر بڑھئی، قلم دوات کے بغیر منشی، پرکار جدول کش مسطر کے بغیر نقشہ نویس کیا کر سکتا ہے؟ مگر ہمارے دینی مکتبوں میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لڑکوں کے پاس قاعدہ

نہیں، اگر قاعدہ ہے تو تختی نہیں، تختی ہے تو دوات نہیں یا دوات میں سیاہی نہیں، سیاہی ہے تو قلم نہیں، ، مکتب میں لڑکے ہیں، مگر ان کے بیٹھنے کے لیے بوریا ٹاٹ نہیں، نہ معلموں کو ان باتوں کی طرف توجہ ہے، نہ بچوں کے سرپرستوں ہی کو کچھ خیال ہے، اکثر جگہ قابل اور لائق معلم نہیں، نہ طرز تعلیم درست ہے نہ کوئی تعلیم کا نصاب مقرر ہے، بچوں سے تعلیم کے وقت یا اس کے بعد ایسے کار خدمت لیے جاتے ہیں جو بچوں اور ان کے سرپرستوں کو ناگوار معلوم ہوتے ہیں، اکثر مکتبوں میں سزائے جسمانی کا زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، بعض معلم باوجود تنخواہ پانے کے بچوں اور ان کے والدین سے کچھ نہ کچھ مانگتے اور فرمائش کرتے رہتے ہیں، اکثر معلم اپنا پورا وقت تعلیم میں خرچ نہیں کرتے، مدرسہ میں بیٹھے بیٹھے اپنا ذاتی کام کرتے رہتے ہیں، یا بچوں کو بے محافظ چھوڑ کر کہیں چل دیتے ہیں اور بچوں کو دنگہ اور شرارت کرنے کا موقع مل جاتا ہے، اسی سبب سے سزائے جسمانی کی ضرورت پڑتی ہے، ایسی ہی وجوہات سے علم دین کی کمی اور عوام کی نظروں میں دینی مکتبوں کی بے قدری ہو رہی ہے''۔

مکاتب کی اصلاح احوال کے لیے ہدایات

مذکورہ بالا تجزیئے کے بعد اصلاح احوال کے لیے جو ہدایات دی گئیں، ان میں بنیادی طور پر اس چیز پر زور دیا گیا کہ معلم کی خصوصیات کیا ہونی چاہئے، انہیں ضرور ملحوظ رکھا جائے، اس طرح تعلیم گاہ کا ماحول عمدہ ہونا انتہائی ضروری ہے، اس کے دیگر لوازمات بھی پورے کئے جانے چاہئیں، پھر دیگر سامان درس وتدریس جن سے بچوں کو عام فہم انداز میں اسباق سمجھائے جاسکیں، ان کا ہونا بھی ضروری ہے، بالخصوص ریاضی اور حساب کی عملی مشق کے لیے ضروری چیزوں کا ہونا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

معلّم کی خصوصیات اور پڑھانے کی جگہ

اس حوالے سے جو راہنمائی فراہم کی گئی، وہ حسب ذیل ہے:

بہر صورت معلم لائق، رحم دل، مدبر، مستقل مزاج اپنے وقت اور ضابطہ کا پابند ہونا چاہئے، ایسا نرم بھی نہ ہو کہ لڑکوں کو سر پر چڑھالے، نہ ایسا سخت ہو کہ ہوا بن جائے، تعلیم کا مکان بھی ایسی جگہ نہ ہو جہاں خیالات کے منتشر ہونے کے اسباب ہوں، مثلاً بازار یا عام گزرگاہ میں یا جہاں شور وغل یا کسی قسم کا تماشا ہو، ایسی جگہ پڑھنے پڑھانے میں یکسوئی نہیں ہوتی، معلم ہوشیار اور تعلیم دینے کا شوق رکھتا ہو، تو اشیاء مندرجہ ذیل بہم پہنچاوے۔

بچوں کے پڑھانے کے لیے ضروری چیزیں

اوراق ہندسہ، اوراق مفردات، اوراق مدولین، اشکال، حروف مرکبہ، مقطعات، حرکات وتنون وسکون وتشدید ومد، علامات جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، مساوی اور گنتی سکھانے کے لے کسی قسم کی گولیاں یا لٹھے، یا اخروٹ یا بادام یا کھجوروں یا بیروں کی گٹھلیاں یا تسبیح کے دانے یا بالفریم جو ایک لکڑی کا مربع شکل کا چوکٹا ہوتا ہے، اس میں لوہے کی دس تاریں ہوتی ہیں، اور ایک تار میں مختلف قسم کے رنگوں کے خرادے ہوئے گولے ہوتے ہیں، جو سرکاری مدارس میں گنتی اور پہاڑے وغیرہ سکھانے کے لیے مہیا کئے جاتے ہیں، ان کے علاوہ تختہ سیاہ، گھڑی، گھنٹہ، مکان وسیع جس میں گرمی سردی سے بچاؤ اور ہوا کی آمد ورفت بموجب قواعد حفظ صحت کے ہو، بوریاں، ٹاٹ، خوشخطی کی کاپیاں مشق رنگین، نظم پروین، ارژنگ چین اور خوشخطی کی کاپیاں جو سرکاری مدارس میں مروج ہیں، حساب کے رسالے مروجہ مدارس سرکاری، اگر کھیل اور ورزش کے

سامان بھی ہوں تو بہتر ہے، غرضیکہ حتی الوسع جس چیز کی ضرورت ہو یا مفید ہو، اس کے بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے، کوئی صاحب یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ جب تک تمام سامان جمع نہ ہو تعلیم ہی شروع نہ کرائیں، پہلے لوگوں کے پاس سامان تعلیم اس قدر نہ تھا، پھر بھی ان کے حالات سن کر حیرت ہوتی ہے۔

بچوں کے معاملہ میں اساتذہ وسرپرست دھیان دیں

بچوں کے معاملے میں بے جا سختی کے بجائے ان کے مزاج کو پیش نظر رکھ کر تعلیم کا آغاز کیا جائے، بچوں کے معاملے میں اساتذہ، والدین اور سرپرستوں کی طرف سے جو بے جا سختیاں ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں غلط رویئے سامنے آتے ہیں، ان کا بھی جائزہ لیا گیا، اور تعلیم کا آغاز کرنے کے لیے جس بہتر حکمت عملی کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی نشان دہی بھی کی گئی ہے، اس سلسلہ میں بچوں کے مزاج شناسی کے اصول کو مدنظر رکھ کر کام کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، چنانچہ تحریر ہے:

’’بچوں کو ایسے طور سے تعلیم دینی چاہئے جس سے وہ خوش ہوں، معلم سے محبت کریں، ان کو علم کا شوق پیدا ہو، ان کی استعداد اور لیاقت بڑھتی جائے، ان کو سوچنے اور غور کرنے کی عادت پیدا ہو، اکثر جگہ اس کے برخلاف بچے مکتب کو قید خانہ بلکہ موت اور استاد کو خونخوار بھیڑیا سمجھتے ہیں، اسی طرح گھر میں جہاں بچوں نے کوئی دنگہ شرارت کی تو والدین ان کو اس طرح سے ڈراتے ہیں کہ دیکھ تجھے حافظ جی صاحب کے سپرد کردیں گے، گویا والدین کے نزدیک بھی حافظ صاحب ہوا ہیں، اور اکثر حافظوں کا مقولہ بھی سنا گیا ہے کہ صاحب بچے تو مارنے کے بغیر پڑھتے ہی نہیں، اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ والدین مار پیٹ کر بچوں کو مکتب میں بھیجتے ہیں، چار پانچ لڑکے جمع ہوکر

ایک غریب بچے کو بری طرح گھسیٹتے ہوئے لے جاتے ہیں، وہ بے چارہ مصیبت کا مارا چلاتا ہے، روتا، چیختا ہے، شور مچاتا ہے، مگر کسی کو اس کے حال زار پر ترس اور رحم نہیں آتا، پھر مکتب میں لے جاکر اس کی خوب گت ہوتی ہے، مار پیٹ کر اس کو قیدیوں کی طرح بٹھا دیتے ہیں، ایک دو مرتبہ طوطے کی طرح الف، با، تا، ثا کہلا کر کہہ دیا کہ جا یاد کر، صبح سے دوپہر تک وہ غریب اس قید میں کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے، کبھی دنگہ شرارت کرتا ہے، کبھی چھٹی لینے کے لیے جھوٹے بہانے پیشاب اور پاخانہ کے بناتا ہے، بھلا وہ بچہ جو مکتب میں داخل ہونے سے پہلے شب وروز ہر وقت آزاد تھا، ہر گھڑی اس کی نیا کھیل ہر دم اس کا نیا مشغلہ تھا، وہ دفعتہً مکتب میں آکر صبح سے شام تک ایک ہی الف با، تا، ثا کے مضمون میں کس طرح مشغول رہ سکتا ہے۔

بچوں کی مزاج شناسی اوران کی تعلیم کا آغاز

بچوں کی مزاج شناسی کے اصول کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے، مناسب ہے کہ پہلے روز بچہ کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنا کر حسب توفیق بچوں کے خوش کرنے کو مٹھائی لے کر خوشی بخوشی محبت اور شوق سے مکتب میں لے جائیں، عموماً بدھ کا دن تعلیم شروع کرانے کے لیے پسند کیا گیا ہے، لیکن کار خیر اور ثواب میں تاخیر اور استخارہ کی ضرورت نہیں ہے، جب وقت ہاتھ سے جاتا ہو، تو بدھ کے انتظار میں دیر کرنا مناسب نہیں ہے، معلم اول بچہ کو محبت اور شفقت سے اپنا مانوس بنا کر اس کی وحشت کو دور کرے، پھر ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ پڑھادے، اور بچہ کو تاکید کرے کہ ہر ایک کام کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے، جب بسم اللہ شریف یاد ہوجائے، تو الف با تا شروع کراؤ، چھوٹے چھوٹے بچوں کو قاعدے پر پڑھانے کی نسبت ورقوں پر پڑھانا

مفید ثابت ہوا ہے، حروف مفردات جلی قلم سے چھپوا کر ان کے نیچے موٹا سا کاغذ چسپاں کر کے علیحدہ علیحدہ ایک ایک حرف کتر لیا گیا ہے، پس ہر ایک کاغذ کے ٹکڑے کو جس پر ایک حرف جلی قلم سے لکھا ہوا یا چھپا ہوا ہے، ورق رکھا گیا ہے، اسی طرح ہندسوں کے ورق بھی چھاپے گئے ہیں، آئندہ جہاں کہیں ورق لکھا جائے گا، وہاں بھی حرفوں کے یا ہندسوں کے ورق مراد ہوں گے، بچوں کا پہلا سبق صرف دو ورق ہونے چاہئیں، الف، با، ان کی خوب شناخت کرادو کہ یہ الف ہے یا یہ با ہے۔

اس کے بعد تفصیل کے ساتھ بچے کے ذہن کو پیش نظر کر کے تعلیم وتربیت کے طریقہ کار کی وضاحت کی گئی ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے اپنے اس نظام مکاتب ومدارس کو بہترین سطح پر چلانے کے لیے کس قدر عمدہ طریقہ کار اور بہترین سلیقہ سے اساتذہ کی تربیت کا انتظام کیا تھا، تاکہ بچوں کی تربیت، پوری تعلیمی حکمت عملی اور انتہائی مہارت اور تجربہ کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

مدارس ومکاتب قرآنیہ کا نصاب

قرآن کریم اور اردو دینیات کی تعلیم وتعلم کے لیے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے جو نصاب تیار کرایا، وہ انتہائی عام فہم اور بہت جلد بچوں کے ذہن کو ترقی کی طرف لے جاتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اس نصاب سے قبل ابتدائی بچوں کی دینی تربیت اور قرآن کریم کی فہم کے لیے اتنا اچھا اور عمدہ نصاب تعلیم نہ تھا، آپ نے انتہائی مختصر نصاب بنوایا، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بالکل عام فہم ہے، قرآن کریم سمجھنے اور دین کے بنیادی اصول عقائد اور احکامات جاننے اور یاد کرنے میں بے مثل ہے، چنانچہ آج بھی یہ نصاب برصغیر پاک وہند کے تمام مدارس ومکاتب

میں جاری ہے، اور اس نصاب کی بعض کتابیں تو اس قدر مشہور ہوئیں کہ آج نوجوانوں کی دینی ضروریات کے لیے بہت کافی ہیں اور زبان زد عام وخاص ہیں۔

نورانی قاعدہ کی ترتیب وتدوین

قرآن کریم صحیح پڑھنے کے لیے اس کے عربی الفاظ کی نشست وبرخاست کا جاننا، اس کے تلفظ کی ادائیگی کا صحیح ہونا، پھر حرکات وسکنات سے واقف ہونا، انتہائی ضروری ہے، قرآن فہمی کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے کہ اس کو صحیح طریقہ پر قواعد وضوابط کے مطابق پڑھا جائے، الفاظ کی درست ادائیگی نہ ہوتو معانی اور مفہوم کا سمجھنا انتہائی مشکل بلکہ بے معنی بات ہے۔

اس لیے قرآن فہمی کی اس ابتدائی منزل کو آسان کرنے کے لیے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے ایک قاعدہ مرتب کرایا، چنانچہ اپنے مدارس ومکاتب کے ناظم حضرت مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی سے اس سلسلہ میں مشورہ فرمایا اور اور چند رہنماء اصول دے کر انہیں قاعدہ ترتیب دینے کا کام سونپا، انہوں نے قاعدہ مرتب کر کے حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت عالیہ میں پیش فرمادیا، حضرت اقدس نے نظر ثانی فرما کر اس کا نام مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی کے نام پر ”نورانی قاعدہ“ تجویز فرمایا، اور قرآن پاک پڑھانے سے پہلے اس قاعدہ نورانی کو سلسلہ تعلیم القرآن میں شامل فرمادیا تھا، چنانچہ خود مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

”اس کی ضرورت تھی کہ کوئی اس قسم کا قاعدہ تیار کیا جائے، جس سے بچوں میں (قرآنی الفاظ) کے ہجے کرنے اور رواں پڑھنے کی کافی استعداد پیدا ہو جائے، اس مطلب کے لیے احقر نے اپنے خیال ناقص کے موافق نورانی قاعدہ مع طریقہ تعلیم

تیار کیا، جسے حضرت اقدس مولوی حاجی حافظ عبدالرحیم شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ رائے پوری نے بنظر قدردانی پسند فرمایا اور مدارس کے سلسلہ تعلیم القرآن کے نصاب میں داخل کیا''۔

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے فیضان نظر سے یہ نورانی قاعدہ اتنا مشہور ومعروف ہوا کہ آج برصغیر کا کوئی ابتدائی مکتب اور مدرسہ ایسا نہیں جس میں تعلیم کا آغاز اس نورانی قاعدہ سے نہ ہوتا ہو، ہر جگہ ابتدائی نصاب میں یہ قاعدہ ضرور شامل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اگر نورانی قاعدہ صحیح طریقہ سے پڑھ لیا جائے تو قرآن کریم کا صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھنا انتہائی آسان ہوجاتا ہے، اور مختصر مدت میں قرآن پڑھنا آجاتا ہے۔

تعلیم الاسلام اور اصول اسلام کی ترتیب وتدوین

ابتدائی مدارس ومکاتب قرآنیہ میں جہاں قرآن کریم کو پوری صحت اور درستگی کے ساتھ حفظ وناظرہ کا انتظام اعلی پیمانے پر قائم کیا گیا تھا، وہاں حضرت اقدس رائے پوری نے اس چیز کو بھی پیش نظر رکھا کہ بچوں کو ابتدا سے ہی دین اسلام کے بنیادی عقائد، طہارت اور نماز روزہ وغیرہ کے ضروری مسائل اور احکامات عام فہم انداز میں یاد کرادئے جائیں، تاکہ ایک مسلمان کے لیے جن بنیادی فرائض کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے، اس کی مشق اور عادت بچپن سے ہی ہوجائے، اور آئندہ زندگی میں کسی بھی شعبہ میں جاکر خدمات سرانجام دے سکے، لیکن ابتدائی دینی احکامات اور ضروری مسائل کی پختگی ابتدائی تعلیم کے ساتھ ہی اس کی عادت ثانیہ بن جائیں۔

اس پس منظر میں حضرت اقدس رائے پوری نے یہ تقاضہ محسوس کیا کہ دینی مسائل

کے حوالے سے ایک عام فہم کتاب ترتیب دی جائے جس سے استفادہ آسان ہو، چنانچہ آپ نے مفتی اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی سے اس کا تذکرہ فرمایا، اور چند رہنما اصول دے کر ایک کتاب مرتب کرنے کو ارشاد فرمایا، نیز عقائد کی درستگی کے حوالے سے ایک عام فہم کتابچہ لکھنے کے بارے میں بھی فرمایا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل میں ضروری مسائل پر ایک کتاب لکھی اور اس پر نظر ثانی کے لیے رائے پور تشریف لائے، حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ نے کتاب ملاحظہ فرمائی، بچوں کی استعداد کے پیش نظر اس کے چار حصے بنادیئے اور ''تعلیم الاسلام'' اس کا نام تجویز فرمایا، اسی طرح عقائد پر جو عام فہم کتابچہ لکھا تھا اس کو ملاحظہ فرماکر ''اصول اسلام'' کا عنوان دیا گیا، اس طرح عقائد اور فقہ کے یہ عام فہم رسائل بچوں کی تعلیم کے لیے نصاب میں داخل کردئے گئے۔

خدا کی شان ہے کہ تعلیم الاسلام کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ آج ہر گھر میں نماز روزہ کے ضروری مسائل کی تعلیم کے لیے یہ کتاب ضرور موجود ہوتی ہے۔

یہ کتاب سوال وجواب کی صورت میں ہے، اس کا پیرایہ بیان انتہائی آسان اور عام فہم ہے، بچوں کے ذہن کے مطابق ہر سوال کا بڑا واضح اور غیر مبہم جواب دیا گیا ہے، گویا اس طرح بڑی آسانی کے ساتھ دین کے بنیادی مسائل ضرور یہ یاد ہوجاتے ہیں، علاوہ ازیں سلیس اور پختہ اردو میں کتاب تحریر کی گئی ہے، اس کی تعلیم سے اردو کی اصلاح بھی بہت حد تک ہوجاتی ہے۔

برعظیم پاک وہند وبنگلہ دیش کا کوئی ابتدائی مکتب، آج ایسا نہیں جہاں اس کتاب کو بچوں کے نصاب میں شامل نہ کیا گیا ہو، یہ سب حضرت اقدس رائے پوری کے فیضان اور توجہ کی برکات ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کو حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ سے بڑا تعلق تھا، حضرت مفتی صاحب حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ اور حضرت رائے پوری قدس سرہ سے بہت خصوصی اختصاص رکھتے تھے، اور یہ دونوں حضرات بھی اپنی مجالس میں حضرت مفتی صاحب کی استعداد اور صلاحیت کا اعتراف کیا کرتے تھے، حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے بارے میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’مولانا وسیدنا مولوی عبدالرحیم صاحب قصبہ رائے پور ضلع سہارنپور میں قیام پذیر ہیں، بے نظیر سچائی رکھنے والے، متبع حق، صاف باطن، رہنمائے طریقت، صاحب سوز وگداز، متواضع، منکسر المزاج ہیں، ہم نے آپ کی تواضع وانکساری کی مثال نہ دیکھی اور نہ سنی‘‘۔

اولیاء اللہ کی پہچان یہ ہے کہ ان کی خدمت میں جانے سے، ان کی زیارت سے خدا تعالی یاد آجائے، یہ بات حضرت مولانا کی، ہر کس وناکس کے مشاہدہ میں آجاتی ہے، بدعت کے دشمن، سنت کے عاشق، اشاعت کلام اللہ کے اسباب مہیا کرنے میں محو، صاحب تاثیر ہیں، حضرت مولانا گنگوہیؒ بسا اوقات آپ کا نام لے کر تعریف فرمایا کرتے تھے، اور حضرت موصوف (حضرت گنگوہی) کو آپ کے ساتھ ایک خاص انس اور وابستگی تھی، اور آپ کا روحانی فیض بکثرت تشنہ لبان معرفت کو سیراب کررہا ہے۔

اور اپنے عربی اشعار میں آپ کی تعریف یوں کی ہے، اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

’’مولانا عبدالرحیم کو تم سچائی کا حلیف دیکھو گے، وہ برگزیدہ خلق اور عہد واقرار کو پورا کرنے والا ہیں‘‘۔

مدارس کے نصاب میں حساب، ریاضی کی تعلیم

اور اس سلسلہ میں ہدایات

مدارس ومکاتب قرآنیہ میں قرآن پاک اور اردو دینیات، تعلیم الاسلام کے علاوہ گنتی حساب اور ریاضی پر پوری توجہ دی جاتی تھی اور جیسا کہ گذشتہ سطور میں گزر چکا، اس کے لیے سرکاری اسکولوں میں ریاضی کی جو کتاب ہوتی تھی، بچے کی استعداد کے مطابق اسے پڑھایا جاتا تھا، البتہ بالکل ابتدائی بچوں کے لیے آپ نے بھی ایک قاعدہ مرتب کرایا تھا، جسے اردو قاعدہ کے آخر میں لگا دیا گیا تھا، اس سلسلہ میں پڑھانے کے لیے ہدایات دی گئی تھی، عام طور پر مدارس کے اساتذہ کے نزدیک حساب کے مضمون کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی، اس لیے بطور خاص اس سلسلہ میں ہدایات دی گئی، چنانچہ تعلیم المعلمین میں تحریر ہے۔

’’سلسلہ مدارس حفظ القرآن متعلقہ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور ضلع سہارنپور کے نصاب تعلیم میں قرآن مجید کے ساتھ ساتھ بقدر گنجائش گنتی حساب اور اردو میں فقہ اور عقائد کے رسالے اور اردو لکھنا بھی شامل ہے‘‘۔

’’مسلمانوں کو حساب کی طرف بالکل توجہ نہیں، حالانکہ یہ ایک دلچسپ مضمون ہے، اس میں غور وفکر کرنے اور سوچنے سمجھنے کی بھی مشق ہوتی ہے، اس لیے اردو کے قاعدہ میں پہلے ہندسے لکھے گئے ہیں، اور ان کے پڑھانے کی ہدایتیں بھی بطور حاشیہ کے بتائی گئی ہیں‘‘۔

اس کے بعد حساب اور گنتی سکھانے کا عام فہم طریقہ بتلایا گیا، پھر حساب پڑھانے کے سلسلہ میں بنیادی راہنمائی دی گئی ہے، تحریر فرماتے ہیں: ’’آپ بچوں کی صرف رہنمائی کریں اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کرتے رہیں، حساب میں عقل کا کام ہے،

اور سب بچوں کی عقل برابر نہیں ہوتی، پس آپ کو چاہئے کہ کمزور عقل والے بچوں پر زیادہ توجہ رکھو، کمزور اور کند ذہن لڑکوں سے صبر اور تحمل کے ساتھ کام لینا چاہئے، اکثر معلم کمزور بچوں کو غلط جواب دینے پر مارتے ہیں، یاد رہے کہ مارنے سے بچے اور کند ذہن ہوں گے، آپ کو اپنا طرزِ تعلیم دلچسپ عام فہم اور آسان کرنا چاہئے اور بچوں کی قابلیت کے مطابق بچوں سے کام لینا چاہئے''۔

اس کے علاوہ ان مدارس میں اس پر بھی زور دیا جاتا تھا کہ اردو لکھنا، پڑھنا اچھی طرح آنا چاہئے، اردو نثر پر گرفت مکمل ہونی چاہئے اور نظم پڑھنے کا صحیح اسلوب اور طریقہ بھی بچوں کو سکھایا جانا چاہئے، اس حوالے سے ہدایات اور رہنمائی دی جاتی تھی، آخری بات استاد کے لیے بطور ہدایت کے تحریر کی گئی ہے، وہ بڑی اہم اور بنیادی ہے کہ استاد کا کام نصاب کا عبور کرنا نہیں ہے بلکہ بچے کے اندر تعلیم کی استعداد اور شوق پیدا کرنا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''بچوں پر ان کی استعداد سے زیادہ بوجھ ڈالنا ان کی استعداد کو خراب کرنا ہے، معلم کی قابلیت اور لیاقت بچوں میں استعداد اور شوق پیدا کرنا ہے، شوق اور استعداد سے جس قدر بھی تعلیم ہوگی عمدہ ہوگی اور جلدی بھی، استعداد کے بغیر مضمونوں کا ختم کرادینا چنداں مفید نہیں''۔

مدارس قرآنیہ کا نظام امتحانات

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ نے اپنے مدارس قرآنیہ میں جس طرح تعلیم وتربیت اور نصاب وغیرہ کا نظام انتہائی عمدہ طریقہ پر قائم فرمایا تھا، اسی طرح ان مدارس کے طلبہ کی تعلیمی کیفیت کی جانچ پڑتال کے لیے

امتحانات کا نظم بھی بہتر انداز میں قائم فرمایا تھا، تاکہ مدارس کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہوتا رہے، اور جہاں کمزوری نظر آئے، اسے حکمت عملی سے دور کیا جاسکے۔

چنانچہ بسا اوقات امتحانات کے لیے اور مدارس کا جائزہ لینے کے لیے حضرت اقدس خود بھی اسفار فرماتے تھے، نیز ان سفروں میں اصلاح وتربیت کا کام بھی ہوتا تھا، چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں اپنے ایک سفر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''اب ارادہ بندہ کا مدارس کی وجہ سے پنجاب کی طرف جانے کا ہے، گمتھلہ، خانپور اور رائے پور گوجراں سب جگہ جانا ہوگا، ایک ماہ اس سفر میں صرف ہوگا''۔

اسی طرح مختلف مقامات کے مدارس میں طلبہ کی کیفیت تعلیم سے بھی آگاہی رکھتے تھے، طالب علم کی مناسبت کا خیال کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل فرمادیتے تھے، اور اس سلسلہ میں متعلقہ مدرسہ کے ذمہ دار کو تعلیمی ہدایات بھی دیتے تھے، چنانچہ ایک طالب علم کو حضرت اقدس بہاولنگری کی خدمت میں بھیج کر لکھتے ہیں:

''امید یہ کہ ان کی تعلیم جناب کی خدمت میں خصوصیت کے ساتھ اچھی ہوگی، وقت ضائع نہ ہو، آپ ان کو اپنی خدمت میں رکھیں اور ان کی تعلیم کا التزام کرنا قبول فرمالیں''۔

اسی طرح تعلیمی حوالے سے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''برخوردار حافظ محمد اشفاق اور احمد حسن کی تعلیم کی کیفیت معلوم ہوکر بہت خوشی ہوئی، حق تعالیٰ آپ کے فیضان سے ان کو مستفیض کریں''۔

اسی طرح تعلیم وتربیت کے لیے ایک طالب علم کو حضرت اقدس بہاولنگری کے پاس بھیجا گیا تو سابقہ مدرسہ میں اس کے تمام کوائف اور حالات سے آگاہ کیا گیا، اس کی تربیت کے سلسلہ میں چند ہدایات دی گئیں، حضرت اقدس کی طرف سے مولانا نور محمد

صاحب لدھیانوی نے ایک مکتوب حضرت بہاولنگری کو لکھا جس میں تحریر ہے:

’’گزارش ہے کہ مولوی اللہ بخش صاحب سکنہ جونی کلاں مقیم بڈھن پور ضلع انبالہ ایک طالب علم کو جناب کی خدمت میں بغرض تعلیم بھیجیں گے، اوراس طالب علم کے احوالات خواندگی وحالات وعادات (زندگی) سے اطلاع دیں گے، آپ اس طالب علم کو اپنے اور طالب علموں کی طرح اپنے پاس رکھیں اوران کے سبق وطبق کا انتظام کریں اوراس کے اخلاق وعادات وتعلیم وتربیت کا خیال رکھیں۔ والسلام

راقم الحروف نور محمد لدھیانوی حسب الارشاد حضرت مولانا صاحب مدظلہ العالی رائے پوری۔

اس طرح اپنے تمام مدارس ومکاتب قرآنیہ کی قرار واقعی کارکردگی حضرت اقدس رائے پوری کے سامنے ہوتی تھی اور جہاں جس تبدیلی کی ضرورت محسوس فرماتے تبدیلی فرمایا کرتے تھے۔

نیز تعلیم وتربیت کے حوالے سے آپ سب سے زیادہ اعتماد حضرت اقدس مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری پر فرمایا کرتے تھے کیونکہ کتابوں کی تعلیم اور درس وتدریس سے انہیں خاص شغف تھا، اس لیے ذی استعداد طلبہ کو حضرت بہاولنگری کی خدمت میں ہی تعلیم کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

البتہ تعلیمی کارکردگی دیکھنے کے لیے اورمزید راہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً خود سفر فرمایا کرتے تھے، جس کے بہت مفید نتائج پورے علاقہ پر مرتب ہوتے تھے، اصلاح وتربیت کے کام کو وسعت ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں خود بھی اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی مختلف علاقوں کے اسفار ہوا کرتے تھے، چنانچہ بہاولپور کے ایک سفر کے متعلق حضرت بہاولنگری کو ایک مکتوب

گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

’’شاید بروز سہ شنبہ (منگل) مورخہ ۲۵/ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۵/ اپریل ۱۹۱۴ء شام کے چھ بجے جو گاڑی سہارنپور سے چلتی ہے، اس میں احقر بمعیت جناب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب، مولانا مولوی اشرف علی صاحب بقصد بہاولپور سوار ہو کر روانہ ہوں گے، وہ (گاڑی) معلوم نہیں کہ کس وقت بہاول نگر پہنچے گی، شاید بروز چہار شنبہ (بدھ) ۲۶/ تاریخ کی صبح کو بہاول نگر پہنچنا ہوگا، آپ اس گاڑی پر ضرور تلاش کرلیں، شاید ملاقات کا موقع مل جائے، آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے مگر وہاں فرصت اترنے کی نہ ملے گی، اطلاعاً تحریر ہے‘‘۔

جب تک حضرت اقدس رائے پوری کی صحت ٹھیک رہی، اس سلسلہ میں آپ مسلسل اسفار فرماتے رہے؛ لیکن طبیعت بگڑنے لگی اور سفر کی ہمت نہ رہی تو مجبوراً اسفار ترک کردئے، اس سلسلہ میں حضرت بہاول نگری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’بندہ اب سفر کرنے کے قابل نہیں رہا ہے، جب تک طاقت رہی، شریک جلسہ ہوتا رہا ہے، جناب پریذیڈنٹ صاحب (مولانا رحیم بخش صاحب) کی خدمت میں عذر لکھ دیا ہے، جناب مولوی غلام قادر صاحب کا والا نامہ آیا تھا، بندہ نے ان کی خدمت میں بھی عذر لکھ دیا ہے‘‘۔

جب مدارس کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوگیا، اس کے نظام کو مربوط کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی تو تعلیم وتربیت کے انتظامی اموراور امتحانات کے معاملات کے لیے حضرت مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی کو ناظم مقرر فرمادیا تھا، چنانچہ وہ امتحانات کی نگرانی فرمایا کرتے تھے اوراس سلسلہ میں پورا شیڈول مرتب کیا جاتا تھا، امتحانات لینے والے حضرات کو اطلاعات دی جاتی، متعلقہ مدارس کو خطوط لکھے جاتے، اس طرح ایک

مربوط نظام امتحانات ترتیب دے دیا گیا تھا، چنانچہ حضرت بہاول نگری بھی مختلف مدارس کا امتحان لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہیں مختلف مدارس کے امتحانات کا جو شیڈول بھیجا گیا وہ مولانا نور محمد صاحب کے قلم سے کچھ یوں ہے۔

’’آپ اپنی تاریخ تشریف آوری سے مولوی عبداللہ صاحب کو موضع بڈھن پور ڈاک خانہ منی مزرعہ تحصیل کہروڑ میں اور حاجی عبدالعزیز صاحب کو ’’کہروڑ‘‘ میں اطلاع دیں۔

اور خانپور چنی نگل وغیرہ مدارس کا امتحان لے کر گمتھلہ کے مدرسہ کا امتحان لیویں مولوی عبداللہ صاحب جناب کے ہمراہ ہوں گے۔

اگر احقر کو موقع ملا تو انشاء اللہ کسی مقام پر جناب سے ملوں گا، سرہند پہنچ کر یا خانپور پہنچ کر، نیز احقر کو بھی اطلاع دیں‘‘۔

فقط نور محمد از رائے پور

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان مدارس قرآنیہ کا نظام امتحان بھی بڑا مربوط اور بہتر انداز میں کام کرتا تھا، اور اس لیے کہ حضرت اقدس رائے پوری کو بڑی فکر رہتی تھی کہ تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، بچوں کی تربیت صحیح نہج پر جاری رہنی چاہیے۔

تیرھواں باب

نصیحت نامہ، وصیت نامہ
اور یادگار تقریر عظمت القرآن

تیرھواں باب

نصیحت نامہ، وصیت نامہ، اور یادگار تقریر

نصیحت نامہ

۞ اول یہ کہ دنیا ناپائیدار ہے، نہ یہاں کی خوشی باقی رہتی ہے نہ رنج وغم باقی رہتا ہے، یہاں سب مسافر ہیں، اپنے وقت پر سب کوچ کرنے والے ہیں، یہاں کی سب چیزیں کھانا، کپڑا، زیور یا مکان، بھائی، باپ، دولت یا آشنا یہیں چھوٹ جاتا ہے، ان میں سے کوئی ساتھ نہیں جاتا، قبر کے گڑھے میں جو اندھیری اور تنہائی کا گھر ہے، اکیلے کو ڈال کر چلے آتے ہیں، جسم کو کیڑے کھالیتے ہیں، پیٹ پھوٹ کر ایسی بدبو پھیلتی ہے کہ اللہ تعالی پناہ میں رکھے۔

فقط ایمان اور اللہ تعالی کی رضامندی کے کام وہاں کام آتے ہیں، جس کا ایمان خراب ہوگیا وہ برباد اور تباہ ہوگیا، اس کا کہیں ٹھکانا نہیں، سو ایمان کی حفاظت بہت ضروری ہے، جن چیزوں سے ایمان جاتا رہتا ہے، وہ دو ہیں، ایک شرک، دوسرا کفر، شرک کا تو کتاب "نصیحۃ المسلمین" اور "تقویۃ الایمان" میں اچھی طرح سے بیان ہے، اور کفر یہ ہے کہ اللہ تعالی و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انکار کرے یا

اس میں شک کرے، سنت اور دین کی بات کو حقیر یا یا ذلیل جانے اور عیب لگائے اور اگر کوئی دین کی بات پر طعن کرتا ہو، اس کی ہاں میں ہاں ملائے، ان سب باتوں سے آدمی کافر بن جاتا ہے، اللہ تعالی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو جاتا ہے اور بدعت سے ایمان خراب ہو جاتا ہے، اس کا بیان بھی ان دونوں کتابوں میں اچھی طرح سے ہے۔

۞ دوسرے یہ کہ نماز کی بہت حفاظت کرنی چاہئے، اول وقت پر ادا کرنی چاہئے، کسی کام یا شرم دنیا کی وجہ سے نماز ضائع نہ کرنی چاہئے، جو کوئی نماز کو جان کر ترک کرتا ہے وہ کافر بننے کے نزدیک ہوجاتا ہے۔

۞ تیسرے یہ کہ جس روز سے اللہ تعالی نے تجھ کو زیور دیا ہے، اس روز سے جب ایک سال پورا ہوگا تو چالیسواں حصہ اس سے زکوۃ دینا تجھ پر فرض ہوگا، اور قربانی کرنا اور عید کے روز صدقہ وغیرہ کا دینا واجب ہے، جو زکوۃ نہیں دیتا، اس کے مال کے پترے بنا کر دوزخ میں گرم کر کے اس کے پیشانی اور پسلیوں پر داغ دیا جائے گا۔

۞ چوتھے یہ کہ خاوند کی تابعداری اور خوش رکھنا اور حکم ماننا، ان باتوں سے جن میں اللہ و رسول کی ناراضگی ہو، بچتے رہنا، دل اور ظاہر میں خیر خواہی کرنا، کسی امر میں ناراض نہ کرنا، اگر قصور ہو جائے تو قصور معاف کرانا اور جہاں تک ہو سکے دین کی رغبت دلانا ادب کے ساتھ نرمی سے نصیحت کرنا ضروری ہے۔

۞ پانچویں یہ کہ "پانی پت والی" اور اس کی اولاد کے ساتھ ایسی تابعداری اور محبت کا برتاؤ کرنا کہ ان کے دل میں محبت اور راحت ہو، نہ یہ کہ ایسی بات کرے جس سے ان کو رنج پہنچے اور تجھ سے نفرت وعداوت ہو، جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو ان کی خدمت کرنے والی اور تابعدار سمجھنا اور ان کی خیر خواہی کرنا، ہر بات میں ان کا ادب کرنا۔

۞ چھٹے یہ کہ اپنے کنبے والوں اور نزدیکوں اور قریبوں سے بہت محبت اور ادب سے برتاؤ کرنا کہ ان کے دل میں تیری محبت اور زبان پر تیری تعریف ہو اور اپنے آپ کو سب سے کم جاننا۔

۞ ساتویں یہ کہ ہر ایک آدمی سے نرم زبانی سے بولنا، خاکساری سے رہنا، ہر ایک کی خاطر اور تواضع کرنا، کسی کو سخت بات نہ کہنا، جو تجھ کو کوئی سخت بات کہے، اس کو ویسا جواب نہ دینا، اپنے قصور کو قصور سمجھنا، دوسروں کے عیب نہ دیکھنا، کسی کی بات کسی سے نہ کہنا، کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، تکبر اور غرور نہ کرنا کیونکہ تکبر کرنے والا اللہ پاک کا دشمن ہوتا ہے، اور کتاب ''تنبیہ الغافلین'' اور ''اکسیر ہدایت'' مطالعہ میں رکھنا، جو کچھ ان میں لکھا ہے، اس پر عمل کرنا، قرآن شریف کی تلاوت ہمیشہ کرنا اور جو سورتیں جس جس وقت پڑھنی بتلائی ہیں، ان کو ہرگز نہ چھوڑنا، جو کوئی مانگنے والا حاجت مند کچھ سوال کرے، اپنے مقدور موافق ان کے ساتھ سلوک کرنا، مہمان کی خاطر داری اور تواضع کرنا اور اپنی مشکل اور حاجت میں اپنے رب ہی سے دعا اور عاجزی کرنا، کسی مخلوق سے امید نہ رکھنا۔

۞ اب اللہ پاک تجھ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماویں، توفیق اسی کے اختیار میں ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

اس نصیحت نامہ کا تعارف

یہ ''نصیحت نامہ'' حضرت اقدس عالی رائے پوری قدس سرہ نے اپنی صاحبزادی محترمہ کی شادی خانہ آبادی کے وقت رخصتی کے موقع پر انہیں تحریر کر کے دیا تھا، صاحبزادی محترمہ کی شادی محترم جناب راؤ تصدق حسین خاں صاحبؒ رئیس ''قصبہ گمتھلہ راؤ'' سے ہوئی تھی، آپ کا بیعت کا تعلق حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ سے تھا۔

محترم راؤ صاحب موصوف کی پہلی شادی ''پانی پت'' ہوئی تھی، اس تحریر میں ''پانی پت والی'' سے مراد وہی پہلی زوجہ محترمہ ہیں، جب کہ دوسری شادی حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی محترمہ سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ جناب راؤ عبدالمجید خاں صاحب اور ایک صاحبزادی محترمہ پیدا ہوئیں، حضرت اقدس عالی رائے پوری کی صاحبزادی محترمہ کا انتقال نومبر ۱۹۰۹ء کے اوائل میں ہو گیا تھا، جیسا کہ حضرت کے ایک مکتوب گرامی بنام حضرت بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ سے پتہ چلتا ہے۔

اس ''نصیحت نامہ'' میں اس دور کی عام فہم زبان میں بڑی اہم باتوں کی نصیحت کی گئی ہے، تعمیر شخصیت، تشکیل سیرت اور تکمیل تربیت کے لیے ایمان کی پختگی، نماز کی پابندی، انفاق مال کی اہمیت، بلند سماجی اخلاق کی عادت اور حقوق انسانی کی رعایت اساسی اہمیت کی حامل خصوصیات ہیں۔

اس نصیحت نامہ میں عمومی سطح پر درج ذیل کتابوں کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ''تقویۃ الایمان، نصیحت المسلمین، تنبیہ الغافلین اور اکسیر ہدایت'' یہ وہ کتابیں ہیں جن کے ذریعہ علماء ربانی عوام کی ایسی تربیت کرتے تھے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ ان کی

انفرادی زندگی دین کے سانچہ میں ڈھل جاتی تھی اور تمام ارکان اسلام پر عمل کے لیے ابھار پیدا ہوتا تھا، بلکہ قومی سطح پر آزادی اور حریت فکر وعمل کا جذبہ بھی پوری شدت سے ابھر کر سامنے آتا تھا، چنانچہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں جن باغیانہ چودہ کتابوں کا تذکرہ کرتا ہے، یہ چاروں کتابیں اس فہرست میں شامل ہیں، ان کے بارے میں وہ لکھتا ہے ''ان کتابوں کے محض نام سے ہی ان کے تمام وکمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے''۔(۱)

بظاہر یہ کتابیں ارکان اسلام کی وضاحت اور تشریح پر مشتمل ہیں، لیکن انگریز سامراج کے جبر کے دور میں حریت پسند قومی راہنما ان کتابوں کو ایسی حکمت عملی سے پڑھاتے تھے جو انگریز سامراج سے آزادی فکر وعمل کی راہ دکھاتی تھی، اس حقیقت کا صحیح اندازہ دشمن کی نظر سے بخوبی ہو جاتا ہے، ان حضرات علماء ربانیین کے اس تربیتی انداز پر انہیں خراج عقیدت پیش کرنا چاہئے اور قومی حوالے سے ان حضرات کی جدوجہد اور کاوشوں سے راہنمائی حاصل کرنی چاہئے، اسی قومی جذبے کے تناظر میں اس ''نصیحت نامہ'' کو پڑھا جائے اور عمومی ذہن میں دین اور ملت کے حوالے سے صحیح قومی جذبہ ابھارنے کے لیے اس سے استفادہ کیا جائے۔(۲)

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۶۲ (۲) یہ نوٹ مفتی عبدالخالق آزاد کا تحریر کردہ ہے، جس میں تھوڑا سا تغیر کیا گیا ہے۔

تمہید برائے وصیت نامہ

از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

از حضرت اقدس مرجع العالم، قدوۃ العارفین، زبدۃ الصالحین، بدر الشریعہ، شمس الطریقہ، واقف اسرار الہیہ، کاشف رموز نبویہ، مخزن الاخلاق الحمیدہ، منبع الاوصاف الجمیلۃ مولانا الحاج الحافظ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا، اور خاتم الانبیاء فخر رسل علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم تھا، تو نائبین و وارثین انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام یعنی اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو خلقت کے لیے نمونہ بنایا کہ اپنے انفعال ظاہریہ سے رشد وہدایت کا کام کریں، اور اپنے انفاس باطنیہ سے عالم کو منور فرمائیں، ایسے ہی پاک نفوس کی بدولت دنیا کا قیام ہے، اور ایسی ہی متبرک ہستیوں سے دین کی حفاظت ہے۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

درحقیقت ان رہبران امت کا سونا، ہم جیسے نااہلوں کی عبادت سے بھی قیمتی ہے، انہیں قدسی نفوس میں سے ایک کامل فرد حضرت رائے پوریؒ تھے، جن کو حق تعالی شانہ نے زہد، اتقاء، رضا، تسلیم، صبروشکر، دلداری، غمگساری، خدارسی، خداترسی، قناعت، توکل کا مجسمہ بنایا تھا، دیکھنے والے بلامبالغہ کہتے تھے کہ چہرہ سے انوار کی بارش ہوتی تھی، مخلوق کی دلداری اور دلجوئی کا جو منظر رائے پور میں دیکھا اس کی نظیر شاید ہی ملے اور اس کے ساتھ ہی یکسوئی اور عزلت نشینی اپنی آپ ہی نظیر تھی کسی نے بلا مبالغہ کہا تھا۔

تواضع اور مروت گر کوئی شخص مجسم ہو
تو وہ سرتاقدم عبدالرحیم باصفا ہوگا

جس باغ میں حضرت کا قیام تھا، اس کا پتہ پتہ اور ہر ایک درودیوار کا ذرہ ذرہ اب بھی حضرت کی یاد کو تازہ کردیتا ہے اور وہی نظارہ سامنے پیش کردیتا ہے، جس کی وجہ سے گلشن رحیمی کے گل چینوں کو اب بھی بار بار حاضری کی نوبت آتی ہے، حضرتؒ کے کتب خانہ میں بہت سی چیزوں کے متعلق بارہا اشاعت کی امنگ پیدا ہوئی، مگر دینی کساد بازاری اور اسباب کی عدم مساعدت سے ہمیشہ امنگ ہی پیدا ہوکر رہ گئی، اس مرتبہ کی حاضری میں حضرت کی ایک نہایت مختصر تحریر وصیت نامہ کے طور پر نظر سے گزری، جس کو دیکھ کر بے اختیار دل چاہا کہ قدردانوں تک اس کو پہنچاؤں کہ اس تحریر کی لڑی میں جن موتیوں کو پرودیا ہے، ان میں کا ہر موتی دریکتا ہے، حق یہ ہے کہ علوم کے

دریا کو کوزہ میں بند فرمادیا، مختصر تحریر، سادہ الفاظ مگر ہر ہر لفظ سے تواضع انکسار، اور دنیا سے بے تعلقی ٹپکتی ہے، اول تو تمام تحریر ایسی ہی ہے، کہیں حاشیہ کے طور پر کچھ اضافہ بھی توضیح کے لیے کردیا ہے، اور حضرت کے کلام کو ممتاز رکھنے کے خیال سے حواشی کو علیحدہ کردیا ہے، حق تعالی شانہ اپنے لطف سے اس نااہل کو بھی اس وصیت نامہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، ناظرین سے دعا کا بھی امیدوار ہوں۔

مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند درحقیقت ایں مسکیں دعائے

زکریا کاندھلوی
مدرس مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۸/ ذی القعدہ ۱۳۵۴ھ

نوٹ: حضرت شیخ کی اس تمہید میں تھوڑا سا تغیر وحذف کیا گیا ہے۔

وصیت نامہ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وسائر النبیین وعلی الہ وأصحابہ أجمعین۔أما بعد

یہ حقیر سراپا تقصیر عبدالرحیم عفی عنہ چند کلمات بطور وصیت کے لکھتا ہے۔

احقر نے بتوفیق (۱) حق سبحانہ تعالی اس کتب خانہ میں جو موقعہ باغ رائے پور میں واقع ہے دو مد کی کتابیں جمع کی ہیں۔

ایک وہ جو بندے کی ملک (۲) مجازی ہیں، بندے نے ان کتابوں کو اسی غرض سے جمع کیا تھا کہ وقف رہیں، جو ان کا اہل ہو ان سے نفع اٹھاوے، یہ نیت شروع ہی سے تھی کہ یہ احقر کا ترکہ نہ سمجھا جائے جس میں وراثت جاری ہو، اب صاف طور پر تصریح کرتا ہوں کہ یہ وقف ہیں اور میں بطور متولی ان کی حفاظت ونگرانی کرتا ہوں۔

دوسرا مدرسہ کی کتابوں کا ہے جو خریدی گئیں یا کسی نے مدرسہ میں دیں، جن میں بڑا ذخیرہ قرآن شریف (۳) کا بھی ہے، ان کا بھی متولی ومحافظ عالم (۴) اسباب میں احقر ہی رہا، اول مد کی فہرست جدا ہے، جس پر نمبر ایک لکھا ہوا ہے اور دوسرے مد کی جدا، جس پر

(۱) دنیا کا ہر کار خیر اللہ ہی کی توفیق سے ہوتا ہے، توفیق الٰہی جس شخص کے شامل ہے، اس کے علوشان کا پوچھنا ہی کیا ہے:

نینداس کے ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ❁ جس کے بازو پر تیری زلفیں پریشاں ہوگئیں

چشمہ فیض سے گر ایک اشارہ ہو جائے ❁ لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

(۲) در حقیقت مالک ہر شے خدا است

ایں امانت چند روزہ نزد ما است

اگر آدمی دنیا کی کسی چیز کو بھی ملک نہ سمجھے تو نہ کسی چیز کے حصول سے خوشی ہو نہ جانے سے رنج ہو۔

(۳) حضرت کو کلام پاک سے بہت ہی شغف اور عشق تھا، اسی وجہ سے مکاتب قرآنیہ کے اجراء کا بہت ہی اہتمام رہتا تھا۔

(۴) ورنہ حقیقی محافظ ہر شے کا اللہ پاک ہی ہے، اور اسی کی حفاظت سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

نمبر دو لکھا ہوا ہے، نمبر ایک کی کتابوں میں فقط ایک قرآن شریف قلمی جو سنہری تحریروں میں ایک کاغذ طویل پر لکھا ہوا ہے، اور ایک حمائل شریف بہت چھوٹی قلمی سنہری، یہ دونوں ایک ہی جگہ ایک کپڑے کے ڈبہ میں رکھی ہوئی ہیں، یہ بطور امانت کے ہیں، محض بغرض حفاظت اس کتب خانہ میں رکھی ہیں، ان کی کیفیت فہرست نمبر ایک میں درج ہے، ان کے سوا سب وقف ہیں۔

اب احقر دونوں مد کی کتابوں کا متولی اپنے بعد اپنے ہمشیر زادہ حافظ ومولوی محمد اشفاق سلمہ کو قرار دیتا ہے، حق تعالی ان کی عمر اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں، یہ خود بھی اس کتب خانہ سے نفع اٹھائیں اور دوسروں کو بھی ان کتابوں سے نفع اٹھانے سے نہ روکیں، البتہ اس کا خیال ضرور رکھیں کہ کوئی کتاب ضائع نہ ہو، ان کو بھی وصیت کرتا ہوں اور حق تعالی سے توفیق کا خواہاں ہوں کہ یہ اپنا شعار اخلاص وتقوی وخشیت اختیار کریں۔

نیز ان دونوں نصیحتوں پر ضرور پابند ہوں، ایک یہ کہ اس شعر کا مضمون ملحوظ رکھیں۔

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دو حرف است

با دوستان تلطف با دشمنان مدار (۱)

جو کشاکش بوجہ نفسانیت ودخل شیطانی باہم پیش آتی ہیں، ان سے یکسو رہنا اور "ادفع بالتی ھی احسن" پر عمل کرنا اپنے لیے موجب راحت ہے، اور دوسروں کے لیے موجب ہدایت ہوتا ہے، ورنہ یہ علم کچھ ثمر نہیں لاتا۔

دوسرے یہ کہ یہ ضرور ملحوظ رکھیں کہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمان اکسیر ہے اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:

(۱) دو جہاں کی راحتیں ان دو حرفوں کے اندر مضمر ہیں کہ دوستوں کے ساتھ لطف ومہربانی کا معاملہ کرے اور دشمنوں کے ساتھ خاطر ومدارات کا" فبما رحمة من الله لنت لهم، الآية"۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش (۱)

واقعہ میں یہی منشاء قرآن پاک (۲) اور حدیث پاک کا ہے، اگر بتوفیق الٰہی اس پر عمل نصیب ہو تو بس پھر سب کچھ نعمت حاصل ہے، بس بندے کے پاس یہی ذخیرہ کتابوں کا تھا، جس کا متولی عزیز مذکور کو قرار دے دیا، باقی احقر فارغ ہے، کوئی سرمایہ ایسا نہیں کہ جس میں کسی کو لب کشائی کا موقع ہو۔ (۳)

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام الاکملان الاتمان علی سیدالمرسلین وسائر النبیین والہ واصحابہ اجمعین

عبدالرحیم عفی عنہ
یکم ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

(۱) مجھ کو میرے پیرومرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے کشتی میں بیٹھے ہوئے دو نصیحتیں فرمائی ہیں: ایک یہ کہ اپنے اوپر متکبر اور مغرور اور خود بیں نہ ہو، دوسرے یہ کہ دوسرے پر بدگمان اور عیب جو نہ ہو۔

(۲) چنانچہ قرآن پاک میں اور احادیث میں خود بینی اور عیب جوئی کی ممانعت بکثرت وارد ہے، تمام برائیوں کی جڑ یعنی شیطان انہی دو عیوب کی بدولت راندۂ درگاہ ہوا کہ خود بینی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کیا اور ان کے مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو معیوب سمجھا " خلقتنی من نار و خلقتہ من طین" قرآن پاک میں بکثرت اس کا قصہ مذکور ہے، اور بھی بہت سی آیات واحادیث ان دونوں چیزوں کے بارے میں مختلف عنوانات سے وارد ہوئی ہیں، اور حضرات صوفیا کرام کی تصانیف تو اس سے پر ہیں، جن کی تفصیل کی یہ تحریر تحمل نہیں کرسکتی، حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے مجھے بھی ان دونوں سے نجات نصیب فرمادیں اور تمہیں بھی۔

(۳) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول باوجود کثرت فتوحات اور ہدایا کے یہ تھا کہ جو کچھ جمع ہوتا تھا وہ طلبہ اور خدام پر تقسیم فرمادیا کرتے تھے، چنانچہ وصال سے چند روز قبل اپنے بدن کے کپڑے بھی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کو دیدئے تھے کہ اب میں تمہارے سے مستعار لے کر پہنوں گا، حضرت کو اس کا شوق تھا کہ آخری وقت میں کوئی چیز ملک میں نہ ہو اور جیسا کہ بے تعلق دنیا میں آیا تھا ویسا ہی اس دنیا سے جاؤں۔

یہ وصیت نامہ حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ صاحب سلمہ نے احقر کے قلم سے لکھوایا۔
خاکسار (مولوی) نور محمد لدھیانوی نور پوری حال مقیم رائے پور
حضرت مدظلہم العالی نے میرے سامنے یہ مضمون فرمایا اور لکھوایا
(مولانا) محمد یحییٰ عفی عنہ کاندھلوی (قائم مقام مدرس اول مظاہر علوم سہارنپور)
(راؤ) عبدالعزیز خان بقلم خود (رئیس رائے پور)

حضرت رائے پوری کی ایک یادگار تقریر عظمت القرآن

تمہید

یہ تقریر قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ نے بمقام رائے پور ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹ر نومبر 1915ء بروز جمعہ مدرسین مدارس قرآنیہ متعلقہ مدرسہ رائے پور و دیگر حضرات کے مجمع میں فرمائی تھی۔

آپ کی طبیعتوں نے قبول کیا یا نہیں؟

بعدہٗ دعا و درود شریف کے فرمایا کہ مولوی نور محمد صاحب و مولوی عبداللہ صاحب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں کچھ ضروری باتیں عرض کروں، اگرچہ بولنا دشوار ہے، اور دماغ کمزور ہے، مگر ان کے فرمانے سے عرض کرتا ہوں، خیال سے سن لیں اور اس کے بعد مطلع فرمادیں، کہ آپ کی طبیعتوں نے اسے قبول کیا یا نہیں؟۔

آپ بھی اپنا مناسب مشورہ فرمائیں

آپ صاحبان کو جو اتنی دور آنے کی تکلیف دی گئی ہے، اور دو دو تین تین منزلیں طے کر کے یہاں آئے ہیں، سو اسی غرض سے کہ آپ صاحبان مناسب مشورہ فرمادیں یہ مشورہ لینا ہے، امر نہیں ہے کہ کوئی اس قسم کا معاملہ سمجھیں کہ کوئی ملازم سمجھا جاتا ہو، یا کسی قسم کی حکومت سمجھی جاتی ہو، بلکہ مشورہ لینا ہے، آپ صاحبان کی جو رائے ہے وہ دینی چاہئے، اگر آپ کے نزدیک غلطی ہے، بیان کر دینا چاہئے کہ اس میں یہ غلطی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ کا بڑا احسان ہے

لیکن اس کے عرض کرنے سے پیشتر اول یہ بات عرض کرنی ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا احسان جتلایا ہے مومنین پر کہ ہم نے تم پر احسان کیا ہے، تم میں سے ہم نے رسول بھیجا، "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ" اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ایمان والوں پر، جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے کو مومنوں پر احسان فرمارہے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ احسان کسی بڑی ہی شئے کا جتلایا جاتا ہے اور احسان بھی جو بڑا ہو، حالانکہ ہم اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اسی نے ہاتھ پیر، ناک منھ دیا ہے اور اسی کا عطیہ ہے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی بڑا احسان ہے، وہ احسان حق تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانا ہے۔

حضور کی بعثت کے مقاصد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا لے کر آئے ہیں؟ وہ قرآن پاک ہے، اسی کے آگے فرماتے ہیں: "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" اللہ کی آیتیں تم کو سناتے ہیں، اور کتاب کی تعلیم دیتے ہیں، گویا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینے کو ہی مبعوث فرمایا ہے، تو وہ نعمت ہے جس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اور جس کا احسان حق تعالیٰ جتلاتے ہیں، وہ قرآن پاک ہے، اور یہ وہ قرآن پاک ہے، جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس کو پہاڑوں پر نازل فرماتے، تو وہ دب جاتے اور پھٹ جاتے اور قرآن پاک کی یہ تاثیر ہے کہ اس کو آنکھوں پر رکھو تو آنکھوں کو ٹھنڈک ہو، سر پر رکھو تو راحت ہو، سینہ پر رکھو تو سرور ہو، جب

اس میں یہ اثر ہے تو جن سینوں میں حق تعالیٰ نے اس قرآن کو رکھ دیا ہے، ان میں کیا برکت ہوگی؟۔

قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں

اور حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ حافظ کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جاوے گا، کہ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی تو جب کہ والدین کو جو کہ وسیلہ بنے ہیں تعلیم قرآن کے، یہ انعام ملے گا، تو حافظ صاحب کو کیا اجر ملے گا؟ اسی پر قیاس کرلیا جائے، فکر کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ دنیا کے اندر بلکہ آخرت کے اندر قرآن پاک سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ بصیرت دیں وہ خوب سمجھ سکتا ہے۔

قرآن کریم جیسی نعمت کی ناقدری کی سزا

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر آیت پر حافظ کا ایک ایک درجہ بڑھایا جاتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ اگرچہ دنیا میں وزیر امیر بادشاہ بھی ہیں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت دی ہو، اور وہ یوں سمجھے کہ مجھ سے زیادہ دنیا میں اور کسی کو نعمت ملی ہے، تو گویا اس نے قرآن پاک کی قدر نہیں کی ہے، اور جو کوئی کسی نعمت کی قدر کرتا ہے، اور شکریہ ادا نہیں کرتا وہ رحمت نہیں رہتی ہے، بلکہ زحمت ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ"، اگر تم شکر کروگے تو میں اور زیادہ کروں گا، اگر تم ناشکری کروں گے، تو میرا عذاب سخت ہے۔

حق تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت کی قدر نہ کرنا بڑا کفران نعمت ہے، اسی واسطے ناقدر کی

نسبت حدیث شریف میں یہ مضمون آیا ہے کہ نااہل کو علم سکھلانا ایسا ہے کہ جیسے خنزیر کو موتیوں کا ہار پہنانا، بھلا خنزیر کی صورت پر موتیوں کا ہار کیسے جچے گا؟۔

اپنے خیال میں یوں آرہا ہے کہ نااہل سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو قرآن کی نعمت عطا فرمائی جائے اور وہ قدر نہ سمجھیں، جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عطا فرمایا اور وہ قدر نہ کرے تو بس ایسی ہی مثال ہے، جیسا کہ خنزیر کی ہے، حقیقت میں سوچ کے دیکھ لیجئے کہ یہ قرآن پاک کیا شئے ہے؟

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے لانے والے ہیں، اور حق تعالیٰ کا کلام ہے، اس نعمت کا کوئی مول نہیں ہے، اتنی بڑی نعمت پر قدردانی نہ کرنا، بڑا کفران نعمت ہے، کسی بزرگ کا شعر ہے:

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

حافظ قرآن کا سینہ حضورؐ کے سینہ مبارکہ کے مشابہ ہے

حقیقت میں یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دونوں جہاں دیکر بھی سستا ہے، سمجھتے بھی ہو کہ جس سینہ میں قرآن شریف بھرا ہو، وہ کس سینہ کے مشابہ ہے، وہ حضورؐ کے سینہ کے مشابہ ہے، جس کو حق تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہو، اسے چاہئے کہ تمام دنیا سے مستغنی ہوجائے۔

جو قرآن کی نعمت کو لے وہ دنیا سے مستغنی ہوجائے

اگر وہ پانچ دس روپئے کی آمدنی والوں کا محتاج بنا رہے تو یہ ناقدردانی ہے، جو کوئی اس نعمت کو لے، اس کو فقر و فاقہ پر قناعت کرنا چاہئے، اس کو طالب دنیا نہ بننا چاہئے، اس کی

یہ شان ہو کہ اس نعمت کو لے کر دنیا و مافیہا سے مستغنی ہو جائے، کیا اس کی یہ قیمت ہے کہ پانچ پانچ دس دس روپے کی تنخواہ پر اس نعمت کو بیچتا پھرے، اگر کوئی تمام دنیا کی سلطنت کسی کو قرآن کے بدلہ میں دینا چاہے تو قدر یہ ہے کہ وہ تھوک دے، اس نعمت کی قدر یہ ہے کہ تم کو ٹکڑا نہ ملے، فقر وفاقہ کرو اور اس پر شاد رہو، جتنی نعمت کسی کو دی جاتی ہے، اتنا ہی بوجھ اٹھانا ہوتا ہے، سپاہی پر بار ہوگا سپاہی کا، اور وزیر پر بار ہوگا وزیر کا، تو جب تم کو سینہ مشابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملا ہے، تو خدمت بھی اتنی ہی کرنی ہوگی، اور خدمت یہ ہے کہ جو نعمت تم کو ملی ہے، وہ دوسروں کو پہنچاؤ، اور اس کی اشاعت کرو۔

تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے

دنیا کی نظروں میں شیخ، سید، پٹھان کو شریف سمجھتے ہیں اور تیلی جولاہے کو ذرا ذلیل؛ لیکن حق تعالیٰ کے یہاں شرافت شیخ، سید ہونے پر نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے، دنیا کے اندر شریف وہ ہے، جو قرآن سیکھنے والا ہو اور سکھانے والا ہو، یہ قرآن پاک اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا سیکھنے سکھانے والا اللہ کے نزدیک دنیا میں سب سے بہتر اور شریف ہو جاتا ہے، اس کا شکریہ یہ ہے کہ اس کو سکھاوے، اور پھیلاوے، سکھانے کی صورت یہ ہے کہ اس قرآن پاک کا بدلہ دس، پانچ یا پچاس تو کیا ہو سکتے ہیں؟ دنیا اور آخرت بھی اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔

قرآن سیکھو دین سکھانے کے لیے نا کہ دنیا کمانے کیلئے

اگر کوئی اس بنیاد پر سکھائے کہ یہ دس پانچ روپے کا عوض ہے، تو اس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ بھنگی کی نوکری کرے اور پاخانہ اٹھاوے، آج کل اکثر طبیعتوں میں یہی ہے، ہم کیوں کوشش نہ کریں کہ حق تعالیٰ ہمارے قلوب سے یہ نکال دیں، اب یہ حالت ہے کہ

محنت کر کے قرآن حفظ کیا ہے اور دس پانچ کی نوکری تلاش کرتے ہیں۔

بعض مردوں پر پڑھتے ہیں، یا رمضان میں سناتے ہیں، وہاں سے دس پانچ کا منافع ہو جاتا ہے، خیال کرلو کہ کس درجہ کا ذلیل ہے یہ شخص، دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت اس میں ہے کہ فقر وفاقہ پر قناعت کرو اور اللہ کے واسطے اس کی اشاعت کرو، کہ یہ کسی طرح لوگوں کو پہنچ جائے، دنیا اور اہل دنیا اس کے مخالف ہیں، یہاں تک اثر ہے کہ مقتداؤں کا یہ خیال ہے کہ کیا قرآن پڑھا کر مسجد کا ملا بنانا ہے؟۔

قرآنی تعلیم اٹھتی جارہی ہے

مجھے یاد ہے کہ پانی پت میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، مجھے دیکھ کر کسی نے رائے پور کا ذکر کیا، کہ اس طرح رائے پور میں قرآن پڑھایا جاتا ہے، اس کو سن کر حضرت کو مسرت ہوئی اور حسرت کے ساتھ فرمایا، کبھی تو پانی پت میں یہ حالت تھی، لیکن جب سے یہ مجھلے (اسکول، کالج) ہوئے ہیں، قرآنی تعلیم اٹھ گئی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ مولوی عبدالسلام صاحب نے اس سلسلہ کو جاری کر رکھا ہے، اب ہم اس زمانہ میں ہیں کہ کوئی شخص بڑے لوگوں میں سے اس کا مددگار نہیں، غیر مذہب بھی اور اہل مذہب بھی سب کے سب مخالف نظر آتے ہیں۔

قرآن ہی کی بدولت سارے علوم قائم ہیں

بعض کا خیال ہے کہ جو لوگ حدیث وفقہ پڑھ رہے ہیں وہ بڑا کام کر رہے ہیں، سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مکان بنادے، خواہ دو منزلہ، چار منزلہ، پانچ منزلہ یا سات منزلہ کتنا ہی بلند لیجائے، کیسے ہی زیب و زینت کرے، شیشہ آلات وقنادیل

لگادے، گو ظاہر میں یہ مکان اچھا لگے؛ لیکن سوچنے والا جانتا ہے کہ اگر بنیاد قائم ہے تو سب زینت قائم ہے، اسی طرح جتنے علوم قرآنی ہیں وہ سب قرآن ہی پر قائم ہیں، ان الفاظ قرآن ہی کی بدولت علوم قائم ہیں، اگر یہ الفاظ نہ رہیں تو سارے کے سارے دیکھتے رہ جائیں گے، گو ہماری نظروں میں یہ تھوڑا کام ہے، لیکن اگر خدانخواستہ یہ الفاظ نہ رہیں تو تمام علوم منہدم ہوجائیں، یہی وجہ ہے کہ توراۃ وانجیل کا پتہ نہیں؛ کیونکہ ترجمہ ہوکر اصل کا خیال نہیں رکھا گیا، قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ الفاظ قرآنی نہ رہیں گے، یہ الفاظ قرآن بنیاد ہیں سب علوم کے، اس لیے شکر اس نعمت کا یہ ہے کہ تم فاقہ سے مرو، لیکن اس کو پھیلاؤ، البتہ اگر اس نعمت کو اپنے دل کے اندر لے لے، اور قرآن پاک کا قدرداں ہو، تو ہرگز کسی کی کوڑی پیسہ کی طرف توجہ نہ کرے، اپنی کسی حاجت کو کسی کے آگے نہیں لیجانا چاہئے، اپنی زینت کو درست کرلو، محض اللہ کی رضا، اس کی قیمت ہے۔

قرآن کا بدلہ اللہ کی رضا ہے

اسی واسطے جب جنت کے اندر جنتیوں کو سب نعمتیں مل جائیں گی، اور جو جی چاہے گا وہ سب مہیا ہوجائے گا، اس وقت سوال ہوگا کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو، دنیا کا قاعدہ ہے کہ دس روپیہ کی آمدنی والا بیس روپئے کو اور ہزار والا دو ہزار کو زیادہ سمجھتا ہے، سب کے سب یہ کہیں گے کہ خداوندا! ہم کو سب کچھ مرحمت فرمایا، اب اس سے زیادہ اور کیا نعمت ہوگی؟ اس پر حکم ہوگا کہ ہم تم سے راضی ہوگئے، اب کبھی ناراض نہ ہوں گے، اس حکم کو سن کر اہل جنت کی حالت ہی اور ہوجائے گی، اور ان کو ایسی خوشی ہوگی کہ پہلی نعمتوں کو ہیچ سمجھیں گے، سو اس نعمت قرآنی کا بدلہ سو دو سو روپیہ نہیں ہے،

اس کا بدلہ اگر ہے تو رضائے حق تعالی ہے، قرآن کا پھیلانا، تعلیم کا پھیلانا اسی امید پر ہو کہ اللہ راضی ہوجائے۔

قرآن کی تعلیم کے سلسلہ میں فقروفاقہ برداشت کرنا

تم دیکھ رہے ہو کہ اگر بھوک کی وجہ سے مرنا ہوتا تو بادشاہ نہ مرتے، فقروفاقہ کی وجہ سے نہ امیر مرتے ہیں، نہ فقیر مرتے ہیں، وقت پر سب کی موت ہوتی ہے، یہاں کی حالت یہ ہے کہ راحت وتکلیف سب فانی ہیں، مرنا اپنے وقت پر ہوتا ہے، نہ بادشاہ کو اس کی سلطنت کارآمد ہوسکتی ہے اور نہ فقیر کو اس کا فاقہ، البتہ ایک فرق ہے جس نے فقروفاقہ کی تکلیف کو اٹھایا اور قرآن پاک کی تعلیم کو پھیلایا، اس کے لیے سب نعمتیں موجود ہیں، تکلیف تو سب مٹ جاتی ہے، اور ہمیشہ کے لیے نعمت اور سلطنت مل جاتی ہے۔

قرآن کی تعلیم اللہ کی رضا کے واسطے ہو

اب یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے واسطے پڑھاتے ہیں اور پانچ روپئے میں گزارہ کرسکتے ہیں، جہاں دوسرے نے سات روپئے امید دلوائی فوراً ہی چھوڑ بھاگے اور دو روپیہ کی خاطر اتنا بھی نہیں ہوتا کہ اتنے دنوں میں یہ کام چلا ہے اب اس کا یہ انجام ہوگا "بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدُالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ" (روپیہ پیسہ کا بندہ بھی کس قدر برا بندہ ہے) البتہ اگر کوئی اور امر دین حارج ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، کام تو اللہ کے واسطے کریں اور اس کی رضامندی کیواسطے، اب اللہ تعالی اگر بندوں کے ذریعہ روزی پہنچادے تو یہ اس کا انعام ہے، اس کو تنخواہ نہ سمجھو، جیسے مجاہد اللہ کے واسطے جان دیتا ہے اور شہید ہوتا ہے؛ لیکن اگر شہادت نہ بھی ہو، بلکہ غنیمت مل جائے تو بھی غازی

ہوتا ہے؛ لیکن اگر غنیمت کی ہوس میں جہاد کرتا ہے، تو شہادت نہیں ہوتی۔

دینی تعلیم کے سلسلہ میں اخلاص پیدا کیجئے!

اس لیے اخلاص کو قلوب میں جمالیں، اور جو بندہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور قلب کو اس کی طرف لگا لیتا ہے پھر وہ کیونکر ناامید ہوسکتا ہے، اخلاص ہونا ضروری ہے، بلا اخلاص کے وہی مثال ہے، جیسا کہ خنزیر اور موتیوں کے ہار کی، ضرور خداوند کریم روزی دیں گے اور قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے کہ جو قرآن مجید کا قدرداں نہیں ہوتا وہ ذلیل ہوتا ہے: "خسر الدنیا و الآخرۃ" (دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوا) جس کو دنیا طلبی مقصود نہیں ہوتی، وہ خداوند کریم کے نزدیک دنیا میں ممتاز ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی، اور خدا چاہے تو اس کو فقر و فاقہ آتا ہی نہیں، جنھیں تم محتاج دیکھتے ہو ان کو قرآن کی قدر ہی نہیں، اول یہ بات عرض کرنی تھی۔

اچھی بات کو مؤمن فوراً قبول کر لیتا ہے

دوسری یہ ہے کہ جب آپ نے سمجھ لیا اور ارادہ کر لیا تو قلب کو اطمینان ہو جائے گا، اور پھر اگر کوئی بات ایسی نصیحت کی ہے جو کام میں مدد دے وہ قبول کرنا آسان ہوگا، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ اچھی بات کو اہل فہم اس طرح تلاش کر لیتا ہے، جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں پریشان ہوتا ہے اور جب مل جاتی ہے تو جھٹ قبول کر لیتا ہے، آپ صاحبان کو معلوم ہے کہ بحمد اللہ تعالی نہ آپ سب صاحبان کی ذاتی غرض ہے اور نہ کارکنان کی کسی قسم کی وجاہت، اور نہ دنیوی نفع ہے، محض یہی غرض ہے کہ قرآن پاک کی حفاظت بہت زور کے ساتھ کی جاوے، اس کے الفاظ کی حفاظت میں کوشش درکار ہے جب سب کا یہی مدعا ہے، تو سب کو مل کر سعی کرنا چاہئے کہ کون سے طریقے

ہیں، جن سے حفاظت میں سہولت ہو۔

تعلیم میں جو نقص ہے اس کی اصلاح کریں

مولوی نور محمد صاحب نے جو یہ ہمت باندھی ہے کہ تعلیم میں جو نقص ہو، اس کی اصلاح کریں، اس کی اصلاح کے قاعدے خود ان کی زبان سے سن لیں اور عمل کریں، اس میں تین قسم کے لوگ نکلیں گے:

تین قسم کے لوگ

اول جو صاحب نصاب پر قادر اور طرز تعلیم سے واقف ہیں، ان کے واسطے کسی قسم کی ہدایت کی ضرورت نہیں، وہ مولوی صاحب سے تبادلہ خیالات کر لیں۔

دوئم جو صاحب نصاب پر قادر ہیں؛ لیکن طرز تعلیم سے واقف نہیں ہیں، ان کو مہینہ بیس دن قیام کر کے اس کمی کو پورا کرنا چاہئے۔

تیسرے جو صاحب نہ نصاب پر قادر ہیں اور نہ طرز تعلیم سے واقف ہیں، ان کو البتہ ذرا عرصہ تک ٹھہر کر سیکھنے کی ضرورت ہے، اور اس عرصہ کی تعیین بھی نہیں ہوسکتی، جتنی دیر میں کوئی صاحب اپنی کمی کو پورا کرسکیں، یہاں ٹھہریں، یہاں ٹھہرنے میں ان کو انشاء اللہ تعالی کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں ہوگی، اگر کسی قسم کی تکلیف ہو بھی تو اس نعمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے؛ کیونکہ حقیقت میں تمام دنیا مفلس ہے اور نعمت سے مالا مال اور بادشاہ بن کر وہ جاتا ہے جو قرآن پاک کی قدر کرتا ہے۔

بس مجھے تو اتنا ہی عرض کرنا تھا، اب اللہ تعالی سے دعا کرو کہ اللہ تعالی ہماری نیتوں میں اخلاص دیں اور اپنے قرآن پاک کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہمیں تلقین فرمائیں۔ آمین ثم آمین

چودھواں باب

ملفوظات

چودھواں باب

ملفوظات

بدنگاہی سے متعلق

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایسی بے رونقی ہوجاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہوگی وہ پہچان لے گا، اس مقولہ پر مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی زبان سے سنا ہوا، اپنے شیخ اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کا واقعہ بیان کیا کہ اعلی حضرت ایک مرتبہ وضو فرمارہے تھے، ایک پیر دھو چکے تھے، دوسرا دھورہے تھے کہ دو شخص آئے، ایک پہلے سے بیعت تھے، دوسرا نیا آدمی تھا، جو پہلے سے بیعت تھے اس کے متعلق فرمایا کہ تمہارا تو کچھ بگڑا نہیں، سستی چستی آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے (ذکر کی پابندی یہ شخص نہیں کرتے تھے) نئے آدمی کے متعلق فرمایا کہ ایک مرض تو اس کی آنکھ میں ہے اور قلب بھی خراب ہے یعنی بدنگاہی کا مرض تھا اور عقائد بھی صحیح نہیں تھے۔(۱)

کھانے پینے کی چیزوں سے متعلق

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اعلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کے یہاں لوگ مختلف

(۱) آپ بیتی جلد ۶/صفحہ ۳۸۲/

قسم کے قیمتی ہدایا کھانے پینے کے پیش کرتے، اور جب یہ معلوم ہوتا کہ وہ کسی تبرک کے شوقین نے صاف کردیئے تو بہت ہی اظہار مسرت سے یہ فرمایا کرتے کہ الحمدللہ میرے سے بہتر جگہ خرچ ہوگئی، اگرچہ حضرت نوراللہ مرقدہ کے خاص خدام تو اتنی احتیاط کرتے تھے کہ حضرت قدس سرہ کی شرعی اجازت بلکہ حکم کے باوجود بھی کوئی چیز اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک حضرت خود نہ مرحمت فرمادیں، حضرت رائے پوری ثانی نوراللہ مرقدہ کی سوانح میں (حضرت مولانا) علی میاں نے اس قسم کے واقعات مختلف مقامات پر ذکر بھی کیے ہیں، اس کے بالمقابل میرے بعض دوسرے اکابر کا دستور یہ تھا کہ بلا اجازت کوئی شخص کوئی چیز لے لیتا تو خوب ڈانٹ پڑتی، اس نوع کے بھی واقعات ان آنکھوں نے بہت دیکھے اور اپنے چچا جان نوراللہ مرقدہ اور عزیز مولوی یوسف کے یہاں رحیمی رنگ کے مظاہر بھی بہت دیکھے۔(۱)

صحابہ کی باہمی جنگوں کی عجیب توجیہ

مولانا عاشق الٰہی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحن باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام وحاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہ کی باہمی جنگ ورنجش کا تذکرہ شروع کردیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا، یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھری جھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا راؤ صاحب! ایک مختصر سی بات میری سن لیجیے، بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنیوالی تمامی ضروریات دین ودنیا سے باخبر کرنے کے لیے تشریف لائے

(۱) آپ بیتی جلد۶/۳۹۹

تھے، اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لیے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا، اس تعلیم کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے حوادثات وواقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو، تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیے، پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو، اب واقعات تھے دو قسم کے، ایک وہ جو منصب نبوت کے خلاف نہیں اور دوسرے وہ جو عظمت شان نبوت کے منافی ہیں، پس جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو حضرت پر پیش آئے، مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا، ان کا مرنا دفنانا، کفنانا وغیرہ وغیرہ، تمامی خوشی وغمی کے واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب، اور کسی کی ولادت وختنہ ونکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلاف سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمت رسالت کے خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیم محمدی ناتمام رہے، مثلاً زنا وچوری وغیرہ ہو، تو اس طرح حد وتعزیر ہونا چاہیے، اور باہم جنگ وقتال، نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع ورنجش ہو، تو اس طرح اصلاح ہونی چاہیے، یہ امور ذات محمدی پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے، اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔

لہٰذا حضرات صحابہ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام وغلام آخر کس مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم ونتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہوجائے، چنانچہ حضرات صحابہ پر وہ سب ہی کچھ پیش آلیا، جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لیے رشد وہدایت بنا، اور دنیا کے ہر بھلے برے کو معلوم ہوگیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے، اور یہ کرنا اور اس

طرح کرنا نامناسب، پرکوئی ہوتوایسا باہمت جاں نثار جو تکمیل دین محمدی کی خاطر ہر ذلت کوعزت اورعیب کوہنرسمجھ کرنشانۂ ملامت بننے پرفخر کرے اور بزبان حال کہے کہ:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ❁ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۱)

شہرت ونیک نامی اورعزت ونام آوری سب چاہا کرتے ہیں، مگراس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جانثاری میں کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ وعار کیا لذیذ شے ہے۔

از ننگ چہ گوئی مرا نام ز ننگ ست

واز نام چہ پرسی کہ مراننگ زنام است (۲)

سچے عاشق تو اس طرح ہماری تمہاری اصلاح وتعلیم کی خاطر اپنی عزت وآبرو نثار کریں، اور ہم ان کے منصف وڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لیے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کرکے اپنی عاقبت گندی کریں، اس سے کیا حاصل، اگر ان جواہرات سنیہ کے قدرداں نہیں بن سکے تو کم سے کم بدزبانی وطعن ہی سے اپنا منھ بند رکھیں کہ ”اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لاتتخدوھم من بعدی غرضا“ دیر تک آپ نے یہ تقریر فرمائی کہ دہن مبارک سے پھول جھڑتے اور سامعین کے مشام جان میں جگہ پکڑتے رہے۔ (۳)

دو متعارض حدیثوں کی نفیس توجیہ

اسی زمانہ میں بندہ حاضر اور شریک ساعت ہوا، تو ایک جگہ یہ حدیث آئی ”ومن یتأل علی اللّٰہ یکذبہ“ جو شخص اللہ پر قسم کھاتا ہے مثلاً یوں کہتا کہ واللہ فلاں کام اس طرح

(۱) دشمن کو نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، ہم دوستوں کا سر سلامت رہے، تاکہ تو اپنے خنجر آزمالے۔

(۲) شرم وعار کو کیا کہتے ہو مجھے تو اس عار سے ہی نام میسر ہے، اور نام آوری کو کیا پوچھتے ہو، مجھے تو نام آوری سے ہی عار آتی ہے

(۳) تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۹۶

ہوگا تو حق تعالی کو جھوٹا بناتا اور اس کی قسم ودعوے کے خلاف فرماتا ہے، یہ سن کر آپ جوش میں اٹھ بیٹھے اور بندہ کی طرف رخ فرما کر ارشاد فرمایا، ایک حدیث میں تو یوں ہے ”منھم من لواقسم علی اللّٰہ لابرہ“ خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اللہ پر قسم کھابیٹھیں تو حق تعالی ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے، حضرت کا منشاء یہ تھا کہ دونوں حدیثوں میں تعارض کس طرح رفع ہو اور تطبیق کی کیا صورت ہے، حضرت کا فیضان چونکہ پاس بیٹھنے والوں پر بھی برستا تھا، اس لیے فوراً ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں لفظ اقسم آیا ہے اور یہاں یتال جو کہ باب تفعل سے ہے، اور اس کی خاصیت ہے تصنع وتکلف، لہٰذا مطلب صاف ہے کہ قسم بے ساختہ کسی جوش قلبی سے نکلے تو اس پر ثمرہ مرتب ہوگا کامیابی کا، اور اگر بناوٹ وتصنع سے قسم کھائی جو دعوی ہے اپنے تقرب اور مستجاب الدعوات ہونے کا، تو اس پر ثمرہ مرتب ہوگا ناکامی اور جھٹلائے جانے کا، لہٰذا تعارض نہیں کہ تطبیق کی ضرورت ہو، حق تعالی کے ہاں قدرومنزلت اخلاص کی ہے نہ کہ نفاق وتصنع کی، ایک چرواہے نے جوش محبت میں اپنے اللہ سے باتیں کیں کہ آپ مجھے مل جاویں تو پاؤں دباؤں اور دودھ پلاؤں، وہ خدا کو اتنا پیارا ہوا کہ موسی علیہ السلام نے الفاظ پر نظر کرکے اس کو گستاخ قرار دیا اور ایسے الفاظ کے استعمال سے روکا تو حق تعالی کا سیدنا موسی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ:

تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

اور منافقین نے پیغمبر کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور محبت وعظمت رسول کے بڑے بڑے دعوے کیے، مگر حکم آیا کہ ”اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ“ بس فرق ہے اخلاص وسادگی میں اور بناوٹ وتصنع میں، حضرت کا چہرہ اس تقریر کو سن کر خوشی

سے دمکنے لگا اور سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے ہوئے پھر تکیہ پر لیٹ رہے، کامل تین گھنٹہ آپ کتاب سنتے اور پتہ بھی نہ چلتا کہ آپ بیمار ہوئے تھے اور ضعف ہے حتی کہ چند ہی روز میں آپ کی کمزوری قوت سے بدل گئی اور آپ نماز کو اپنے پاؤں سے مسجد تک جانے لگے۔

حق و باطل کی معرفت کا معیار

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن آپ کی مجلس میں بدعت وسنت کے مسائل اختلافیہ کی بحث ہونے لگی، آپ دیر تک سنتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ میرے نزدیک علاوہ دلائل علمیہ کے حق و باطل پہچاننے کا ایک معیار اور بھی ہے، وہ یہ کہ قدرت نے ہر چیز میں اس کے ہم جنس کی طرف کشش کا مادہ رکھا ہے کہ ”کبوتر با کبوتر باز با باز“ اور یہ قدرت کا عطیہ جس کو فطرت کہنا چاہئے، اجسام ہوں یا اعراض، سب ہی میں جاری وساری ہے، پس جس فعل کے متعلق یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم حق ہے یا باطل، اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی طرف میلان کن قلوب کا ہوا، اور کشش کس قسم کے لوگوں کی ہے؟ پس اگر دیکھو کہ بددین فساق وفجار کو ابتداء اس کی طرف حرکت ہوئی اور وہی قلوب جوش وخروش کے ساتھ اس طرف لپکتے ہیں، تو سمجھ لو کہ اس فعل میں ضرور ظلمت ہے، اگرچہ ظاہری صورت نورانی اور دینی معلوم ہوتی ہو، کیونکہ اس میں نور ہوتا تو ظلماتی قلوب کو جذب نہ کرتا بلکہ وہ اس سے بھاگتے نورانی قلوب اولیاء وصلحا کے اس کی جانب کھنچتے، اور اگر کسی فعل کو دیکھو کہ دین دار اور اہل اللہ اس کی طرف جاتے اور عوام و بازاری اس سے بھاگتے ہیں، تو سمجھ لو کہ ضرور اس فعل میں نورانیت ہے کہ اہل نور کے قلوب کو اس کی طرف کشش ہوئی اور ظلمات قلوب نے اس سے وحشت کھائی۔

پس عوام کا کسی اختلافی مسئلہ کے متعلق یہ کہنا کہ ”ہم تو بے پڑھے ہیں اور دونوں طرف مولوی ہیں، پھر ہم کیونکر سمجھیں کہ کون حق پر ہے، خدا کے نزدیک معتبر اور عذر مقبول نہ ہوگا، بالخصوص جب کہ وہ دونوں طرف علماء ہونے کے قائل ہو کر بھی ایک طرف جھکے ہوئے ہیں، جو دلیل ہے کہ ایک شق کو ان کے نفوس نے ترجیح دے کر اختیار کیا، اور اپنے اوپر سے الزام اتارنے کے لیے مولویوں میں فیصلہ نہ کر سکنے کا عذر تراشا ہے، اس طرح پر ذرا غور کرنے سے ہر بے پڑھے سے بے پڑھا حق اور باطل سمجھ سکتا ہے کیونکہ دیکھ رہا کہ رسومات و بدعات رائجہ کی طرف یا وہ بازاری عوام جھکتے ہیں، جن کو نماز روزہ تک سے وحشت و بے تعلقی ہے اور یا وہ پڑھے لکھے مائل ہوتے ہیں، جن کی نورانیت قلوب کو حب جاہ ومال نے داب لیا ہے، اور اگر کوئی مخلص دھوکہ کھا کر ادھر چلا بھی گیا تو خود اپنے قلوب کو ٹٹول لے کہ وہ کشش نہ ہوگی جو درود ونماز روزہ جیسی کھلی اور صاف عبادتوں کی طرف اس کو ہوتی ہے، اور اس لیے امید ہے انشاء اللہ کسی وقت اس کا قلب اس کی رہبری کرے گا اور وہ متنبہ ہو کر نور سنت کی طرف ضرور آ جائے گا۔

یہ سننے کے بعد میرے ذہن میں یہ مضمون آیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے قصہ بہتان میں آپ کی برأت و پاک دامنی کا ثبوت دیتے ہوئے آخر میں حق تعالی نے ایک دلیل یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ: اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ“ گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہوتی ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے، علیٰ ہذا، ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لیے خاص ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لیے، پس اگر تعلق زوجیت مراد ہو کر ثبوت لیا جائے کہ حضرت صدیقہ چونکہ اطیب الخلق پیغمبر کی بی بی ہیں، لہٰذا فحشاء کی گندگی سے پاک صاف ہونی چاہئیں، تو یہ دلیل منقوض ہو جائے گی، حضرت آسیہ اور

حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی سے کہ اول الذکر طیبہ ہوکر خبیث بلکہ اخبث کی زوجیت میں آئیں، اور امراۃ لوط خبیثۃ النفس ہوکر طیب النفس پیغمبر کی زوجہ بنی، اور دلیل حق تعالیٰ خصوصاً ایسے نازک قصہ کی برائت کے لیے مخدوش نہیں ہوسکتی، پس لامحالہ کشش اور محبت مراد لی جائے گی کہ دنیا جانتی، اور ہر موافق ومخالف آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ حضرت صدیقہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں، کہ اطیب الخلق کا قلب مطہران کی طرف کھنچتا اور مائل ہوتا ہے۔

پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت صدیقہ میں طیب ضرور ہے، اور بے عفتی سے جو کہ اصل گندگی ہے وہ پاک صاف ہیں، ورنہ گندی طبیعت رکھتے ہوئے پاک اور ستھرے قلب کا میلان اس طرف کبھی نہ ہوتا، پس کہیں زوجیت کے تعلق میں اس کا اختلاف ہوا بھی تو یہ کوئی نہیں ثابت کرسکتا کہ کشش اور دلی محبت بھی دونوں میں ہوئی ہو، یہ قاعدہ کلیہ جس کو حق تعالیٰ نے آخری اور قطعی دلیل بنا کر ہر قریب وبعید اور ذکی وبلید کے لیے فیصلہ قرار دیا کہ اگر حضرت صدیقہ پر واہمہ ہو گندگی، بے عفتی کا، تو اس کا اثر پڑے گا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقدر شناس بلکہ پھر حق تعالیٰ کے سبوحیت کے ساتھ گستاخ بننے پر، جس میں ایمان ہی ہاتھ سے گیا، کہ آپ محبوب ہیں حق تعالیٰ کے، اور اگر حضرت کو بحیثیت رسالت ومحبوبیت اطیب النفس سمجھا جیسا کہ ایمان کا مقتضا ہے تو حضرت عائشہ کو ضرور طیبۃ النفس ماننا پڑے گا، کہ حضرت عائشہ کی محبوبیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کا اس طرف انجذاب ومیلان اس زمانہ والوں کے لیے مشاہدہ سے اور ہمارے لیے تواتر وشہرت سے ثابت ہوکر محقق ویقینی بن چکا ہے، اب جس کا بھی دل چاہے ہر امر میں حق وباطل ہونے کا فیصلہ کرلے کہ "قد تبین الرشد من الغی" پس اگر اپنے اللہ سے معاملہ صاف کرنا مقصود ہوا، تو انشاء اللہ حق

واضح ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" میں بھی یہی راز ہے کہ محبت سے کشش ہوتی ہے اور کشش محبوب کو محبّ کے رنگ میں رنگ دیتی ہے کہ جس درجہ کی کشش ہوگی، اسی درجہ کی معیت لامحالہ مرتب ہوگی، اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اسی لیے یہ کہتے ہیں کہ اہل اللہ کی محبت بڑی نعمت ہے کہ جو کچھ ملتا ہے اسی کی بدولت ملتا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق کو تمام صحابہ پر فضیلت اسی محبت پر نصیب ہوئی، ورنہ آپ کا مجاہدہ عملی اس درجہ کا نہ تھا کہ تمام صحابہ سے بڑھا دے، اور محبت وکشش کے یہ اثرات تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں کبھی اجتہادی غلطی ہوئی تو ابوبکر کی رائے بھی اس غلطی میں شریک اور شامل رہی کہ یہ غلطی کا اشتراک دوسروں کی اصابت رائے سے بہتر اور عنداللہ زیادہ وقیع تھا، اسی محبت کاملہ نے حضرت صدیق کو خلافت بلافصل کا اہل بنایا جس کو حضرت نے بایں الفاظ ارشاد فرمایا کہ "اَبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ" کہ جس طرح ذات محمدی کے ہوتے ہوئے اللہ اور اس کے ایمان دار بندے کسی دوسرے کی حاکمیت کی طرف میلان نہیں کرسکتے، اسی طرح وفات محمدی کے بعد آپ کے محبّ مجانس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی جانشینی کی طرف جھک ہی نہیں سکتے کہ حق دار کے حق کو قائم رکھنا ایک نور ہے، اور نورانی ذات ونورانی قلوب کا نور کی طرف طبعی میلان ضروری اور فطری امر ہے۔

غرض دیر تک تقریر فرمائی کہ سننے والے محو ومستغرق تھے، اور رحمت الٰہیہ کی پھوار دلوں پر پڑ رہی تھی، اس قسم کے حقائق کا ہر لمحہ آپ پر ورود ہوتا تھا جن کو اول تو آپ ہی زبان سے نہ نکالتے تھے اور کبھی کچھ بیان فرمایا تو میرا دل نہیں چاہتا کہ حضرت کے خلاف طبع ان کی اشاعت کروں۔

وساوس وخطرات پر آپ کو اطلاع زیادہ ہوتی اور بلا ارادہ آپ اس پر مطلع ہوتے تھے، حافظ مختار احمد صاحب سیوہاروی جب پہلی مرتبہ رائے پور حاضر ہوئے تو مہمان خانہ میں اترے، اور چونکہ چائے کے زیادہ عادی تھے اس لیے حضرت کو اطلاع ہونے سے قبل ان کے ملازم نے چائے تیار کرنے کا قصد کیا، ابھی ارادہ ہی تھا کہ ایک صاحب آئے اور کہا کہ آپ کو حضرت بلا رہے ہیں، ان کو بغیر اطلاع پائے حضرت کی طلبی پر تعجب ہوا، اور جلدی جلدی حضرت کے پاس حاضر ہوئے، مصافحہ کرتے ہی حضرت نے خادم سے فرمایا، ملاجی سے کہو کہ چودھری صاحب کے لیے چائے جلدی لے آویں، اس پر ان کو دوسری حیرت ہوئی، مگر ساتھ ہی ان کو خیال آیا کہ میری چائے کی طلب کا تو حضرت کو کشف ہو گیا لیکن میری عادت تو یہ ہے کہ صبح کو چائے نہیں پیتا جب تک انڈا نہ کھالوں، یہ خیال آنا تھا کہ حضرت نے خادم کو آواز دی اور فرمایا ملاجی سے کہنا دو انڈے بھی لیتے آویں۔

اس قسم کے واقعات کشوف کونیہ اور اطلاع خطرات کے ہزاروں کی تعداد میں پیش آئے اور رات دن پیش آتے تھے، مگر نہ آپ کے نزدیک وقیع تھے، نہ آپ اس کا قصد فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ بندہ (عاشق الٰہی) حاضر ہوا اور حاجی احمد حسن صاحب جو حضرت کے خادم اور میرے دوست اس وقت دہرہ دون میں ضلعداری نہر پر تعینات تھے، میری موجودگی میں حضرت کی زیارت کے خیال سے ایک گھوڑے پر آئے جو کسی دوست سے مانگ لیا تھا، گھوڑا باغ میں چھوڑ کر حضرت کے پاس حاضر ہو گئے، اور باتوں میں دیر لگ گئی، مغرب کے قریب باہر آئے تو گھوڑے کی تلاش ہوئی، چاروں طرف دیکھا کہیں پتہ نہیں، فکر ہوا کہ گھر کا راستہ نہ لیا ہو کہ اب بغیر سواری پہاڑی راستہ وقت پر دہرہ

پہنچنا بھی مشکل، ملا عبدالعزیز سے کہا کہ حضرت کو اطلاع دیدو اور سنو حضرت کیا فرماتے ہیں، وہ حضرت کے پاس گئے اور قصہ عرض کیا، حضرت نے فوراً ذرا گردن جھکائی اور پھر فرمایا ملاجی کسی طالب علم کو نہر کی سیدھی پٹری پر تو ذرا بھیجو کہ تلاش کرے۔

ملاجی خوش خوش یہ کہتے ہوئے آئے کہ لو گھوڑا مل گیا اور اس کے بعد طالب علم کو نہر کی پٹری پر بھیج دیا، عشاء کا وقت ہوا چاہتا تھا کہ طالب علم گیا اور دوڈھائی فرلانگ چلا ہوگا کہ گھوڑے کو رائے پور کی طرف رخ کئے ہوئے کھڑا پایا اور وہ اس کی رسی پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا۔

بزرگوں کے ساتھ کھانا کھانے میں بھی فائدہ ہے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب کھانا کھالو، میں نے اپنی عادت کے مطابق عرض کر دیا کہ حضرت مجھے بھوک نہیں، یا یہ کہ میں نے کھالیا، تو فرمایا کہ مولوی صاحب میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، اس پر آئندہ کبھی انکار نہ کرتا اور کھانا کھالیا ہوتا تو بھی فرمانے پر اور کھالیتا، ایک دفعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری تشریف لائے، میں کھانا کھا چکا تھا، جب حضرت سہارنپوری کے ساتھ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کھانا تناول فرمانے لگے، مجھے بھی فرمایا اور میں بھی شریک ہو گیا، حضرت نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب! میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ساتھ کھانا کھانے کا بھی فائدہ ہے۔

شیخ کی بات کی اہمیت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام مجمع سے حضرت شاہ

عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے صرف مجھے یہ فرمایا تھا کہ حضرت شیخ الہند ضرور انشاء اللہ ہندوستان تشریف لائیں گے، میرے بعد جب وہ آجائیں تو ان کی خدمت میں ضرور آمدورفت رکھنا، اب اسی مسلک پر حضرت مدنی ہیں۔

مؤمنین کے تین طبقے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے فرمایا کہ ہر طبقہ میں بے شمار درجے ہیں، مگر سمجھنے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ تین طبقے ہیں: ایک تو عام مؤمنین کا ہے جو جنت کی طلب اور دوزخ کے خوف سے متأثر ہوتے ہیں، اور عام اعمال میں اپنی کوتاہیوں کے باوجود لگے رہتے ہیں، ان میں بے شمار درجے ہیں۔

دوسرا طبقہ خواص کا ہے، جو یقین میں ان پہلوں سے بڑھے ہوئے ہیں، اور انہوں نے اذکار واشغال سے تقلیدی یقین کو تحقیقی بنالیا ہے، یہ دوسرا طبقہ بھی امام ہیں، ان کی استعداد پہلوں سے زیادہ ہوتی ہے، گویا عین الیقین حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں، پہلے طبقہ والوں کی استعداد سے تو کوئی شخص خالی نہیں ہوتا، اگرچہ ان میں درجے بے شمار اور مختلف ہوں، شریعت میں اتنا گویا ہر شخص سے مطلوب ہے، تیسرا درجہ جو بہت کم ہے، گویا حق الیقین والے ہیں، جن کو مشاہدات وغیرہ ہوکر یقین کا مرتبہ دونوں سے زیادہ حاصل ہوتا ہے، ان کو اخص الخواص سمجھئے، فرمایا کہ نبی کا درجہ تو وہی ہے "اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ" (اللہ جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت سے کس کو نوازے) اگرچہ رسول کے لیے بھی استعداد ہوتی ہے، اور بڑی استعداد ہوتی ہے، مگر یہ چیز نہ استعداد سے، نہ کسب سے حاصل ہوتی ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ حسب ضرورت جسے چاہیں دیتے ہیں، باقی غیر وہی پہلے بیان کئے گئے ہیں، تینوں درجوں میں پہلا عامہ مومنین کا درجہ تو عام

طور پر ہر شخص میں اس کی استعداد اور حد تکلیف ہوتی ہے، وہ تو مطلوب ہے، وہ تو گویا علم الیقین ہوتا ہے، جیسے ہم سن لیں کہ آگ میں گرمی خشکی ہے اور یقین کرلیں، دوسرا طبقہ عین الیقین والوں کا جیسے گویا آگ کو دیکھ لیا، بلکہ پاس ہوکر محسوس کرلیا، کہ اس میں گرمی اور خشکی ہے، تو ان کا یقین آگ کے متعلق زیادہ بڑھا ہوا ہوگا، ان کا شریعت پر عمل کرنا غفلت سے نہ ہوگا، یہ خواص ہوئے، تیسرے اخص الخواص یعنی حق الیقین جن کو حاصل ہو جیسے کوئی آگ کو چھولے اور تجربہ سے جان لے کہ آگ گرم خشک ہے، ظاہر ہے کہ اس کا یقین سب سے بڑھا ہوا ہوگا اور پھر اگر وہ آگ میں گھس کر آگ ہی ہوجائے، تو اپنے متعلق کسی کو جو یقین ہوتا ہے اس میں وہ شان ہوتی ہے، کسی کا مرتبہ مشاہدات پر نہیں بلکہ یقین پر ہے، یہ آگ کی مثال ہے، ورنہ صحیح مثال دنیا میں تعلق مع اللہ کی مشکل ہے، اور اللہ تعالیٰ تو "لیس کمثلہ شئی" (اس جیسی کوئی چیز نہیں) ہے، جس طرح حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری سے سورج اور کرنوں کی مثال سنی ہوئی ہے اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ صرف فہم کے قریب کرنے کے لیے ہے، ورنہ صحیح مثال تو دنیا میں کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔(۱)

حقیقت محمدیہ پر تقریر

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک رمضان شریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے تمام رمضان، حقیقت محمدیہ پر تقاریر فرمائیں، وہ کچھ واردات ہونگی، میں نے اس میں سے سنا، کبھی اس کے متعلق یہ خیال گزرتا تھا کہ مشائین نے جو عقل اول کے متعلق بیان کیا ہے، صوفیاء کی اصطلاح

(۱) ارشادات صفحہ ۱۰۳/۱۰۴/ار

میں شاید وہی حقیقت محمد یہ ہے، اس کا ذکر میں نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے بھی کر دیا، تو فرمایا کہ ہاں مگر مشائین کا یہ دعوی اور قول قطعاً غلط ہے ”لَایَصْدُرُ مِنَ الْوَاحِدِ اِلَّا الْوَاحِدُ“ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ میں نے وہ تقاریر زیادہ نہیں سنی، اس لیے کہ اگرچہ سننے کے وقت مسئلہ اتنا سہل معلوم ہوا کرتا تھا کہ بے حد سہل، مگر پھر بڑا مشکل اور الجھاؤ ہوتا تھا، میں نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالی کو یہ علوم عطا فرمانے منظور ہوں گے، تو خود بخود وارد ہو جائیں گے، ورنہ نہیں معلوم کہ کیا سے کیا سمجھ لوں، ان تقاریر میں حضرت ملاجی عبدالعزیز صاحب، حضرت بہاولنگری صاحب اور حضرت منشی جی تو یقیناً تھے اور مولانا نور محمد صاحب اور دوسرے حضرات کے ہونے کا بھی خیال پڑتا ہے، فرمایا کہ یہ انسان کی استعداد ہوتی ہے، زیادہ تو پہلے طبقہ کی استعداد کے ہوتے ہیں، اور دوسرے خواص وہ امت کے امام ہوتے ہیں، اور بہت ہی کم تیسرے طبقہ کے یعنی اخص ہوتے ہیں۔(۱)

کسر نفسی

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا تھا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی نے اثناء گفتگو فرمایا کہ میں تو مٹی کا مادھو ہوں، حضرت شاہ صاحب نے حضرت گنگوہی سے عرض کیا کہ حضرت اس لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آئے، تو فرمایا واقعی مجھ میں کچھ نہیں۔

تصوف کا خلاصہ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے دریافت

(۱) ارشادات صفحہ ۱۰۵ر

فرمایا کہ یہ طریقہ جو نیا آسان نکالا ہے، یہ کن اکابر نے نکالا ہے، کیونکہ مولانا کی دریافت پر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ آسانی ہمارے اکابر کی تجویز کردہ ہے، جو اپنے زمانہ کے تصوف کے مجتہد اور حاکم ہوئے ہیں، نہ کہ مقلد اور محکوم، فرمایا کہ یہی حضرت گنگوہی، حضرت حاجی صاحب اور حضرت نانوتوی وغیرہم اکابر مراد ہیں اور ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے متعلق بھی میرا خیال ہے کہ وہ تصوف پر حاکم تھے، ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب جس طرح ہر بات کا خلاصہ اور روح نکل آتی ہے، تصوف کا بھی اب خلاصہ نکل آیا ہے، حضرت بہاولنگری نے ایک دفعہ چلّے کے لیے عرض کیا، تو فرمایا کہ چلہ کیا، اعتکاف کہو، اور فرمایا لوگ باہمت ہیں، جو بھوک پیاس کاٹتے ہیں اور شدائد برداشت کرتے ہیں، مقصود تو اللہ تعالی اس کے بغیر بھی عنایت فرما دیتے ہیں۔(۱)

شیخ کے وصال کے بعد بیعت

ایک صاحب نے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت اگر شیخ کا وصال ہو جائے، تو کسی اور سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے؟ حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے حضرت شاہ عبدالرحیم سے سنا ہوا ہے، کہ ضرورت نہیں، مگر اس وقت تک ضرورت ہے کہ سالک کو عالم مثال سے مناسبت ہونے سے پہلے شیخ کا وصال ہو جائے، آپ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ ناواقفیت سے دل کے دھڑکنے یا جسم کے تھرتھرانے کو قلب کا جاری ہونا سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں بلکہ قلب کا جاری ہونا ذکر کے آثار پیدا ہو جانے کا نام ہے، نورانیت کسی چمک کا نظر آنا مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو، گویا دل میں

(۱) ارشادات صفحہ ۱۶۶ر (۲) ارشادات صفحہ ۲۰۰ر

نورانیت آنا ہے، نیز فرمایا کہ ایک درجہ کا خلوص ہی ذکر کے آثار ہیں۔ (۲)

خالص نیت نجات کا ذریعہ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ زندگی میں ایک عمل بھی خالص نیت سے ہوجائے، تو ہوسکتا ہے کہ نجات کے لیے کافی ہوجائے۔ (۱)

سلوک کے راستہ میں پرہیز ضروری ہے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے فرمایا تھا کہ اس راہ میں جو کرنا ہے وہ تو کرنا ہی ہے، مگر پرہیز بہت ضروری ہے، روشنی کے لیے چراغ، تیل، بتی وغیرہ سب چیزوں کا اہتمام کیا جائے مگر بجھانا حضرت نے پھونک مارنے کا نمونہ دے کر فرمایا، صرف فوہ سے ہوسکتا ہے، پس ماحول، صحبت، ذکروشغل تو کرنا ہی ہے؛ لیکن پرہیز سب سے ضروری ہے، فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت شاہ صاحب کو اپنا حال سنایا اور دریافت کیا کہ رجعت کی وجہ معلوم نہیں، حضرت نے ٹھنڈا سانس بھر کر ہی فرمایا کہ کیا کرایا، کھونے کے لیے یہی ضروری نہیں کہ آدمی کسی معروف گناہ میں مبتلا ہو، بعض اوقات ایک نظر جو کسی پر خلاف شرع پڑجائے، اس خرمن کو جلانے کو کافی ہوتی ہے، اوراس ابتدائی نورانی کرن کو ہمیشہ کے لیے بجھانے کی سبب بن سکتی ہے، اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا۔ (۲)

مصیبتیں بھی چوکیدار ہیں

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے ایک صاحب کے مکان میں آگ لگنے کے موقع پر فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے فرمایا ہے کہ یہ

(۱) ارشادات صفحہ ۲۰۷/ (۲) ارشادات صفحہ ۲۱۷/

مصیبتیں بھی چوکیدار ہیں، جو انسان کو غفلت سے بیدار کرتے رہتے ہیں، انسان کو غفلت ترک کرنی چاہیے، اور غفلت سے مراد خدا کی یاد سے خالی الذہن رہنا ہے، اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی، مگر خیالات کو دنیا کے دھندوں کی الجھنوں سے نکالے، اور انہیں خدا تعالی کی یاد کی پختگی پیدا کئے بغیر تو انسان کا کام نہیں چلتا، اسے رہبانیت کہیے تو اتنا تو کرنا ہوگا۔ (۱)

تصوف زندقہ بن جاتا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت شاہ صاحب سے سنا ہے کہ شیخ مجدد نہ ہوتے تو تصوف زندقہ بن کررہ گیا ہوتا۔ (۲)

اتنے سال دل میں فلاں رہا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت تصور شیخ کیا چیز ہے، فرمایا محبت شیخ، ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے کسی نے دریافت کیا تھا، تو فرمایا اتنے سال تو میرے دل میں فلاں رہا، اور اتنے سال فلاں، مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی محبت ہوتی ہے، اس کا تصور بے اختیار قائم ہوجاتا ہے۔ (۳)

اللہ کب راضی ہوتا ہے

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا تھا کہ جب انسان سے تمام برے اخلاق اور حب جاہ وغیرہ جاتے رہیں تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالی راضی ہوگیا ہے۔ (۴)

(۱) ارشادات صفحہ ۲۱۸/ (۲) ارشادات صفحہ ۲۴۲/ (۳) ارشادات صفحہ ۲۴۶/ (۴) ارشادات صفحہ ۲۷۳/

پندرھواں باب

مکتوبات

پندرھواں باب

مکتوبات

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے جو خطوط اور مکتوبات اپنے اہل تعلق کو بھیجے ہیں، ان میں سے جو موصول ہوئے ہیں، وہ تقریباً ۱۴۱ر مکتوبات ہیں، جن میں سے کچھ تو گذشتہ ابواب میں آگئے ہیں اور باقی مکتوبات مندرجہ ذیل ہیں:

مکتوب نمبر (۱)

از قضا آئینہ چینی شکست ❖ خوب شد اسباب خود بینی شکست

از احقر عبدالرحیم

عزیزم شاہ زاہد حسین صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل زبانی مولوی احمد شاہ صاحب (۱) کی معلوم ہوا کہ مقدمہ خلاف ہوا، اس خبر سے بہت صدمہ ہوا؟ آپ کے قلب پر جو کچھ صدمہ ہے، اس سے اپنی طبیعت کو بہت کچھ کوفت ہوئی، تغیرات اور حوادث تو اس عالم کا ایک لازمی امر ہے، یہ تو کچھ زیادہ اہم

(۱) مولوی احمد شاہ صاحب غالباً بہٹ میں حضرت شاہ صاحب کے دفتر میں کام کرتے تھے، جن کا عموماً رائے پور آنا رہتا تھا، ان کے تفصیلی حالات دستیاب نہ ہوسکے۔

طبیعت پر نہیں، البتہ آپ کے صدمہ کا بہت زیادہ طبیعت پر اثر اور خیال ہے، لہٰذا چند باتیں عرض کرتا ہوں، بحمد اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ نے جناب کو فہم صائب مرحمت فرمایا ہے اور بصیرت دینی مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا کچھ لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ" ممکن ہے کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، جب مومن کو کانٹا بھی بلا نفع کے نہیں لگتا، تو اور صدمات کا تو کیا ذکر ہے، جو غم اور صدمہ مومن کو پہنچتا ہے، وہ سیئات (گناہوں) کا کفارہ ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کو یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہی گناہوں سے پاک ہو جائے اور زمین پر چلے اور اس پر کوئی گناہ نہ ہو، تو حق تعالیٰ اس پر غم بھیجتے ہیں، یہ غم آگ کا کام دیتا ہے کہ سب میل کچیل کو جلا کر پاک کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ "اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" صابروں کو بے حساب اجر دیا جائے گا، لہٰذا حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جو میری بلا پر صبر نہ کرے اور میری قضا پر راضی نہ ہو، اس کو چاہئے کہ میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے اور کوئی اور خدا ڈھونڈ لے"۔

دوم یہ خیال کرنا چاہئے کہ جو کچھ نعمتیں دینی اور دنیوی، حق تعالیٰ نے تم کو عطا فرما رکھی ہیں، یہ محض اس کی عطا ہی تو ہے، کوئی اپنا استحقاق تو نہیں ہے، کہ اس کے بندے بے شمار ہیں، جو ہر طرح سے ذلیل وخوار مصائب میں مبتلا ہیں، یہ محض اس کا انعام ہے کہ تم کو دین اور دنیا کی وہ نعمتیں مرحمت فرمائی ہیں کہ جن کا احصاء اور شمار طاقت سے باہر ہے "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" (اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے)۔

جس میں ایک نعمت کا شکر ہی ادا کرنے سے بندہ عاجز ہے، کہ تم ان نعمتوں کا خیال

کرو اور اس کے مقابلہ میں اس ذرا سے صدمہ کو سوچو کہ کیا حقیقت رکھتا ہے۔

تیسری بات یہ خیال کرنے کی ہے کہ متصرف حقیقی کون ہے؟ فتح وشکست، اقبال وادبار، موت وحیات اور باقی سب تغیرات کس کی طرف سے ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس میں کسی کو دخل نہیں، اسی وحدہ لاشریک کا ہی کام ہے، زید وعمرو وبکر ظاہری اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتے، جب یہ اسی کی طرف سے ہے تو جن بندوں کو حق تعالیٰ نے "فہم خاص" مرحمت فرمایا ہے، ان کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور باطن کچھ اور، باطن چونکہ یہ دیکھ رہا ہے کہ سب امور محبوب حقیقی کا تصرف ہے، لہٰذا اس پر راضی ہے، اور مطمئن ہے، صبر ہی نہیں، بلکہ اپنے مالک کا تصرف سمجھ کر اس سے لذت لے رہا ہے، اور ظاہر اسباب سے کام لیتا ہے، اسباب ظاہری کو تقاضائے حکمت سمجھتا ہے، لہٰذا اس کی تدبیر میں مشغول ہوتا ہے، نتیجہ کو موقوف اسباب پر نہیں سمجھتا ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ تم کو اگر زیادہ خیال ہے تو شماتت اعداء (دشمنوں کے مذاق) کا ہے، مگر یہ سوچو جب میاں اسی کو پسند کرتے ہیں اور اسی میں کوئی بیش قیمت نفع ومسرت تمہارے لیے رکھی ہے، تو پھر جوہر قلب سے اس کو نعمت سمجھ کر، قدر کے ساتھ اس کو قبول کرنا چاہئے، خیالات طبعی کو اس کے مقابلہ میں رد کرنا چاہئے کہ بندہ وہی ہے جو اپنے آپ بالکل سپرد اپنے مالک کے کر دے، اپنی خواہش کو کسی امر میں دخل نہ دے، خدا تعالیٰ نے سکھلایا "وافوض امری الی اللّٰہ" (میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں)۔

جب آپ کو یہ معلوم ہے کہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو صدمات اور غم والم کا حصہ اس درجہ پہنچا ہے، جو کسی کو مخلوق میں اس قدر نہیں پہنچا، اور پھر متبعین پر جس کسی کو زیادہ مناسبت انبیاء علیہم السلام سے ہے، یہ صدمات اس کا حصہ ہے، تو معلوم ہوا کہ بندوں کو ان صدمات کے پہنچنے میں بہت بڑی

رحمت اور حکمت پوشیدہ ہے، زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ آپ ہر طرح سے دانا ہیں، اس فانی صدمہ کو جو انشاء اللہ عنقریب کسی بڑی خوشی کا مقدمہ ہے، آپ ہرگز بھی رائی کے دانہ کے برابر بھی اپنے قلب میں جگہ نہیں دیں گے، شیطان اگر یہ وسوسہ طبیعت میں ڈالے کہ اپنی دعا کا کچھ اثر نہیں ہوا، اس پر لاحول پڑھنی چاہئے؛ کیونکہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بتلا دیا ہے کہ قیامت کو ان دعاؤں کا بدلہ جب ملنے لگے گا جو حسب خواہش دنیا میں پوری نہیں ہوتیں ، تو اس وقت سب یہ حسرت کریں گے کہ اگر ہماری کوئی بھی دعا دنیا میں نہ پوری ہوتی، تو بہت اچھا ہوتا کہ آج یہ اس کا اجر جو اس سے بے انتہا بڑھا ہوا ہے، لیتے۔

غرض ایمان کی آنکھ اور ہے، اس کا یہ اثر ہے کہ کوئی حالت بندے پر ہو، اس کے قلب کے لیے موجب تسکین ہی ہوتی ہے، بلکہ غم و الم کے اندر ایک ایسا ذائقہ پاتا ہے، جو اپنی خواہش کے موافق کام ہونے میں ہرگز نہیں پاتا اور جس کی آنکھ ایمان کی گدلی ہے، اس اسفل اور ناپائیدار اور مردار دنیا ہی پر اس کی نظر کا انحصار ہے، اس کی خوشی و غم فقط اپنی خواہش کے پورا ہونے یا نہ ہونے پر منحصر ہے جو بہت جلد فنا ہونے والا ہے۔

یہ چند باتیں جو اصل، یقینی اور باقی ہیں، عرض کی گئی ہیں، امید ہے کہ اس مضمون کو جو ہر قلب میں جگہ دے کر آنجناب بالکل مطمئن ہوں گے، باقی ظاہری اسباب کی تدبیر کرنا، یہ اور بات ہے، اس میں مضائقہ نہیں، مگر ہمیشہ کو اصل سرمایہ قلب کا یہی ہونا چاہئے، جو عرض کیا گیا ہے، چونکہ آپ کی طرف کا بہت خیال لگ رہا ہے، اس وجہ سے اس عریضہ کے لکھنے کی ضرورت پڑی۔

زیادہ والسلام

۲۹/فروری ۱۹۱۶ء — عبدالرحیم رائے پوری

مکتوب نمبر (۲)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش سلمہ

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط پہنچا، آپ کی خیریت معلوم ہو کر خوشی ہوئی، حق تعالیٰ بعافیت وسلامتی تم کو اپنی محبت اور رضامندی میں رکھے۔

طبیعت پر جب پریشانی اور خیالات کا غلبہ ہوا کرے تو روزہ رکھ لیا کرو، اور غسل کر کے دو رکعت ''صلوۃ التوبہ'' پڑھ کر اول آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف اور استغفار کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ یا تواب پڑھ لیا کریں اور دعا مانگا کریں، سات روز تک متواتر کر لینا چاہئے، طلوع آفتاب سے دو پہر تک اس کا وقت ہے۔

الحمد للہ یہاں پر ہر طرح سے خیریت ہے، برخوردار کو دعا، اور اپنے گھر میں اور اپنی والدہ صاحب کی خدمت میں سلام، اور جو مرد و عورت اپنے جاننے والے ہوں اور جن کو آپ کا جی چاہے سلام کہہ دیں، محمد نواز خان (۱) نے کچھ بندہ سے فرمایا تھا، احقر نے یہ جواب دیا تھا کہ رائے پور پہنچ کر انشاء اللہ اس کی نسبت عرض کروں گا، اب احقر کو بالکل یاد نہیں رہا کہ کیا بات انہوں نے فرمائی تھی، آپ دریافت کر کے پوری تفصیل تحریر فرما دیں، آپ سے جدا ہو کر عرصہ تک سفر ہی کرنا پڑا، ابھی رائے پور پہنچا ہوں۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور، ضلع سہارنپور

---

(۱) محمد نواز خان صاحب چک نادر شاہ کے خوانین میں سے تھے، حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری قدس سرہ کا قیام پہلے اسی جگہ رہا ہے، یہی آپ کو یہاں لائے تھے، پھر کچھ حالات تبدیل ہوئے تو آپ دین پور (جٹوالا) میں بہاولنگر کے قریب تشریف لے آئے۔

مکتوب نمبر (۳)

مہربان بندہ جناب مولوی اللہ بخش صاحب مدفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ شرف صدور ہوکر کاشف حال ہوا، حق تعالیٰ آنجناب کو بعافیت اور سلامتی اپنے مقاصد میں فائز المرام رکھیں۔

تعلیم کے بارہ میں تو آپ کی خدمت میں لکھنے کی ضرورت نہیں، جو آپ مناسب خیال فرمائیں گے، خود کریں گے، مگر زیادہ غرض احقر کی عبدالرشید کی خدمت میں بھیجنے سے یہ ہے کہ اگر اس کی تقدیر سیدھی ہو، تو آپ کی صحبت سے متأثر ہوکر صلاحیت پکڑے، اس لیے اس کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہے، ایسی کوئی قید ہونی چاہئے جس سے پابندئ جماعت کا خیال رہے، اور چونکہ قرآن شریف پر محنت ہوچکی ہے، یہ ضائع نہ ہوجائے، باقی عبدالحکیم کے ساتھ ہم سبق ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے، جہاں تک ممکن ہو، دونوں کو ہر وقت اپنی خدمت اور نگرانی میں رکھیں۔

اور میری طبیعت اس سے زیادہ خوش ہوگی کہ کھانے، کپڑے اور خدمت میں عام طلبہ کے برابر برتاؤ رہے، خصوصیت کا برتاؤ یا کسی ادب کا لحاظ اس کے حق میں زہر قاتل ہوگا، باقی یہ تو خدشہ بھی اپنی طبیعت میں نہ لاویں کہ کوئی شکایت ان کی مسموع ہوگی، انشاء اللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، بلکہ زبانی یہ فہمائش کردی گئی ہے، اور آپ بھی اس کا خیال رکھیں، یہ کوئی خط بلا دستخط آپ کے نہ بھیج سکے، اگر ہوگا تو غیر معتبر سمجھا جائے گا، اور جو خط ان کے نام کا پہنچے گو بند ہی ہو، اول آپ پڑھ لیں، پھر اگر مناسب ہو، ان کو دیں، باقی سب امور کو آپ اسی مختصر تقریر پر قیاس کرسکتے ہیں، زیادہ والسلام

سب احباب کو السلام علیکم عبدالرشید (۱) وعبدالحکیم (۲) کو دعاء

راقم عبدالرحیم رائے پور

ازطرف مولوی عبدالقادر صاحب (۳)

مولوی عبدالعزیز صاحب (۴)

ودیگر خدام السلام علیکم

مکتوب نمبر (۴)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش سلمہ

ازاحقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر جب سے سفر سے واپس آیا ہے، ارادہ خط لکھنے کا کر رہا تھا، مگر اپنے ضعف اور کم ہمتی کی وجہ سے نہیں لکھ سکا، الحمد للہ آج آپ کا خط پہنچ کر، آپ کی خیریت معلوم ہوکر طمانیت ہوئی، حق تعالیٰ ترقی مرحمت فرماویں۔

---

(۱) حافظ عبدالرشید صاحب مرحوم حضرت اقدس عالی رائے پوری قدس سرہ کے اکلوتے صاحبزادے تھے، آپ کو تعلیم کی غرض سے حضرت اقدس رائے پوری نے حضرت اقدس بہاولنگری کی خدمت میں بھیجا تھا، قرآن پاک تو رائے پور میں حفظ کرلیا تھا، کتابوں کی تعلیم وتربیت کے لیے دین پور بھیجا گیا تھا، لیکن آب وہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ بعد واپس بلالیا گیا تھا۔

(۲) عبدالحکیم سے مراد غالباً حافظ عبدالحکیم خانپوری ہیں، جن کا خاندان اس وقت کلورکوٹ میں آباد ہے۔

(۳) مولوی عبدالقادر صاحب سے مراد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ مراد ہیں۔

(۴) مولوی عبدالعزیز صاحب سے مراد جناب ملا عبدالعزیز صاحب رائے پوری والد ماجد حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری ہیں۔

جناب استاذی مولانا مولوی جمعیت علی (۱) صاحب سلمہ نے بہت اصرار سے بندہ کو یہ فرمایا تھا کہ ”تو مولوی اللہ بخش صاحب کی خدمت میں یہ ضرور تحریر کردے کہ بوجہ جماعت بندی نہ ہونے کے مدرسہ کی تعلیم میں نقصان ہے، جماعت بندی ہونا بہت ضروری ہے، اگر مولوی اللہ بخش صاحب اس کے محرک بنیں اور مجھ سے بھی اس میں امداد لینا چاہیں تو میں مولوی صاحب کے ساتھ ہوکر التزام جماعت بندی کردوں، بلا جماعت بندی کے (تعلیم دینا) ٹھیک نہیں“۔

یہ فرمان مولانا موصوف کا تھا، جوعرض کردیا گیا ہے، نیز حافظ صاحب کی تجویز بھی ضروری ہے، اگر مولوی غلام قادر صاحب اس طرف توجہ فرماویں، تو بہت بہتر ہے۔

اس کے بعد جو تم نے اپنی حالت تحریر فرمائی ہے کہ بہت ردی ہے اور سب اخلاق رذیلہ مجھ میں موجود ہیں، میں آپ کی تحریر کی تصدیق کرتا ہوں، بے شک آپ کی تحریر سچ ہے، مگر یہ تو ذرا خیال فرماؤ، کہ یہ حالت کیوں ہوئی، یہ اس تعلق اور محبت کا اثر ہے، جو آپ بندہ کے ساتھ رکھتے ہیں، کیوں کہ محبت وسیلہ جذب اوصاف ہے، جب کہ میں یقیناً جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اپنے اندر کوئی کرشمہ خیر (خیر کا پہلو) کسی اپنی کرتوت کی وجہ سے نہیں رکھتا، اور کوئی خلق ذمیمہ ایسا نہیں جو اپنے میں نہ موجود ہو، یہاں تک کہ تحریر میں لانا بھی سخت مشکل ہے، کہ خدانخواستہ کفران نعمت نہ ہو کیونکہ مخلوق کا کیا حق ہے خالق پر؟ کہ کسی امر کا مطالبہ کرے۔

یہ محض اس کی بخشش اور انعام ہے کہ عدم سے وجود میں لایا، پھر حیات سمع، بصر وغیرہ

(۱) مولانا جمعیت علی صاحب سے مراد حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم کے والد محترم ہیں، آپ مشہور قصبہ ”پور قاضی“ کے رہنے والے تھے، آپ ابتدائی زمانہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں استاذ رہے، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری اسی زمانہ میں مظاہر میں آپ سے پڑھتے رہے رہیں، پھر آپ مولانا رحیم بخش پریذیڈنٹ کونسل بہاولپور کے مشورے پر بہاولپور کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوگئے تھے۔

وغیرہ، اپنے اثر صفات سے نوازا، خنزیر وسگ وغیرہ حیوانات سے ممتاز فرمایا، پھر انسانوں میں ایسی رحمت کے ساتھ نوازا کہ اسلام میں پیدا کیا، اسلام کی محبت اور قدر قلوب میں ڈالی، اس کے علوم سے شرف بخشا، اس کی نعمتوں کا جو ہم پر ہیں، شمار کرنا اور ادراک کے احاطہ میں لانا محال ہے، پھر شکر یہ ادا کرنا تو کیونکر ممکن ہو ”وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا“ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو گنتی میں نہ آئیں۔

غرض جس مالک، مربی، رحیم وکریم ”رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ“ (اللہ تعالیٰ بلند وبرتر ہے، ان صفات سے جو لوگ بیان کرتے ہیں) نے بلا استحقاق (بغیر حق) اور طلب (کے) یہ لاتحصیٰ (گنتی میں شمار نہ ہونے والے) انعام مرحمت فرمائے ہوں، اس کی طرف سے ایسے احسانات سے...... کہ جن کی طلب بھی اس نے عطا فرمائی ہے ...... کیونکر مایوسی ہوسکتی ہے، یہ سب قصے اور حجابات (پردے) اپنی دید اور ادراکات کی شاخیں ہیں۔

جہاں ممکن ہو ”لا الہ الا اللہ“ کے مضمون (اور معنی) میں مشغولی اور استغراق ہونا چاہئے، توفیق رفیق باد (اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق شامل حال رہے گی) چونکہ یہ مضمون تحریر میں نہیں آسکتا، اس وجہ سے تطویل (طوالت) کا کوئی نفع نہیں۔ زیادہ والسلام

از حضرت ملاجی صاحب

مولانا مولوی غلام قادر صاحب (۱)

اور احقر رستم علی (۲) رائے پوری ہدیہ سلام مسنون قبول باد

(۱) حضرت مولانا مولوی غلام قادر صاحب وٹو بستی محمد پور سنساراں تحصیل منچن آباد ضلع بہاول نگر کے رہنے والے تھے، ۱۲۸۴ھ میں پیدا ہوئے، وفات ۱۲/ جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ کو ہوا۔

(۲) رستم علی رائے پوری، یہ حضرت اقدس رائے پوری کے خادم ہیں، ان کے حالات دستیاب نہ ہوسکے۔

مکتوب (۵)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالی

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت باعث تصدیعہ یہ ہے کہ برخوردار حاجی عبدالحکیم (۱) نے بحمداللہ تعالی ہمرکاب بڑے حاجی صاحب (۲) بعافیت حج سے واپس آ کر، اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ میں اب علم پڑھنا چاہتا ہوں، اور سہارنپور کا ارادہ ظاہر کیا، احقر نے ان کے حق میں آپ کی خدمت میں ہی رہنا، موجب زیادہ نفع کا سمجھا، جب ان سے کہا گیا تو انہوں

---

(۱) حاجی عبدالحکیم صاحب سے مراد حاجی عبدالعزیز خان بن حاجی سوندھے خان کے بڑے صاحبزادے ہیں، حاجی سوندھے خاں کے والد نجیب خاں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے، اسی وجہ سے اس خاندان کا حضرت اقدس عالی رائے پوری سے بڑا گہرا تعلق تھا، حضرت اقدس کی خانقاہ اور کتب خانہ بانس اور گھاس پھونس کا تھا، ایک دفعہ وہ آگ سے جل گیا، تو حاجی سوندھے خاں صاحب نے حضرت اقدس رائے پوری کے لیے دو پختہ کمروں کا مکان بنوایا تھا، جس میں ایک کمرہ کتب خانہ بنا دیا گیا، اور ایک میں حضرت قدس سرہ کا قیام رہا، خانقاہ کی جامع مسجد بھی انہوں نے خصوصی تعلق کی بنیاد پر تعمیر کرائی تھی، حاجی عبدالعزیز خاں صاحب کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی معلوم ہیں، صاحبزادی کا پہلا نکاح حضرت اقدس رائے پوری کے صاحبزادے حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری سے ہوا تھا، اور بیوہ ہونے پر دوسرا نکاح حضرت اقدس کے نواسے راؤ عبدالحمید صاحب گمتھلوی سے ہوا تھا اور صاحبزادوں میں بڑے حاجی عبدالحکیم صاحب تھے، ان کی ہمشیرہ کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی فاطمہ بی بی کا نکاح بھی راؤ عبدالحمید صاحب گمتھلوی سے ہوا، ان کے بطن سے ایک صاحبزادی ہوئی، جو حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری کے نکاح میں ہیں، حاجی عبدالحکیم کا انتقال ۱۹۴۶ء میں ہوا، حاجی عبدالعزیز صاحب خانپوری کے دوسرے صاحبزادے حافظ عبدالعلیم صاحب خانپوری کی شادی حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری کی ہمشیرہ محترمہ سے ہوئی تھی، جن سے تین صاحبزادے راؤ الطاف الرحمٰن، راؤ اقبال الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن پیدا ہوئے، جو آج کل کلورکوٹ ضلع بھکر میں رہائش پذیر ہیں۔

(۲) بڑے حاجی سے مراد حاجی سوندھے صاحب خان پوری ہیں، حاجی عبدالعزیز صاحب خانپوری کو چھوٹے حاجی صاحب کہا جاتا تھا۔

نے بطیب خاطر (خوش دلی سے) منظور کیا، لہٰذا یہ آپ کی خدمت میں پہنچتے ہیں، ان کے خرچ کے انشاء اللہ حاجی صاحب کفیل ہوں گے، البتہ (کھانا) پکنے کا انتظام ہو جانا چاہئے۔

امید یہ ہے کہ ان کی تعلیم، جناب کی خدمت میں، خصوصیت کے ساتھ اچھی ہوگی، وقت ضائع نہ ہو، آپ ان کو اپنی خدمت میں رکھیں، اور ان کی تعلیم کا التزام کرنا قبول فرمالیں۔

زیادہ والسلام

راقم عبدالرحیم از رائے پور

بندہ رستم علی کا ہدیہ سلام مسنون قبول ہو۔

۱۰/فروری ۱۹۱۴ء مطابق ۱۴/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

برخوردار کو دعا، حاجی سوندھے خاں صاحب کا ''السلام علیکم''

مکتوب (۶)

از عبدالرحیم

السلام علیکم!

خط پہنچا، مضمون سے خوشی ہوئی، حق تعالی مبارک بانجام خیر فرماویں، یہاں سے روانگی (برائے حج) تاریخ ۲/شوال ۱۳۲۸ھ ہے، پس آپ کو مناسب ہے کہ ۳/شوال یوم ہفتہ کو ضرور بالضرور دہلی پہنچ جاؤ، اور امسال حج پر جانے والوں کے لئے، چیچک کے ٹیکہ لگانے کا انتظام، ہر ہر ضلع میں کیا گیا ہے، پس مناسب ہے کہ اس سے بھی اسی اثناء

میں اپنے ضلع میں ہی فراغت پا کر سٹیفکیٹ حاصل کر لیویں، اور جواب سے بواپسی ڈاک مطلع کریں۔ فقط زیادہ والسلام

از عبداللہ (۱) وغیرہ خدام السلام علیکم برسد
الراقم عبدالرحیم
از رائے پور ضلع سہارنپور

مورخہ ۶/ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ
جواب طلب ضروری ۱۱/ستمبر ۱۹۱۰ء
(نقل مکتوب کارڈ) مہر ڈاکخانہ بہاولنگر

مکتوب (۷)

از عبدالرحیم

السلام علیکم!

آپ کا خط موصول ہو کر موجب مسرت ہوا، حق تعالی آپ کو بایں یاد آوری (اس یاد کرنے کے) صلہ میں اپنی محبت اور رضا مرحمت فرماویں۔

اب بفضلہٖ تعالی طبیعت احقر کی اچھی ہے، البتہ ضعف ہے، احقر دعا سے ہر وقت شامل حال ہے، جناب اپنے اشغال میں جو کچھ ہو لگے رہیں، انشاء اللہ تعالی رحمت حق ایک روز منزل مقصود پر لے ہی جائے گی، احقر بھی اپنے اور آپ کے واسطے اور تمام احباب کے واسطے دست بدعا ہے، اس کی ذات پاک سے بڑی امید ہے۔ زیادہ والسلام

(۱) عبداللہ حضرت اقدس رائے پوری کے خادم ہیں، مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہوئیں۔

از عبداللہ و معز الدین (۱)
و حافظ عبدالرحمٰن (۲)
و عبدالعزیز (۳)

الراقم عبدالرحیم از رائے پور

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر (۲۰/مئی ۱۹۱۰ء)

مکتوب (۸)

مکتوب کارڈ، مقام بہاولنگر-شورہ کوٹھی
عنایت فرمائے بے کراں جناب مولانا اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالی
از عبدالرحیم

السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، مضمون سے الحمدللہ بہت بڑی مسرت ہوئی، جو کیفیت آپ نے اپنی تحریر فرمائی ہے، وہ قابل شکر ہے، اپنے کام کو التزام کے ساتھ کئے جاویں، انشاء اللہ امید ہے کہ پوری کامیابی ہوگی۔

یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''خیال صورت ہے، واقعی ہو جاوے'' حضرت خیال ہی تو ذریعہ وصول کا ہے، باقی دنیا میں کسی طرح اطمینان ہو نہیں سکتا، اور ہونا بھی نہ

(۱) معز الدین یہ حضرت اقدس عالی رائے پوری کے لنگر کے منتظم تھے، مطبخ میں کھانا پکانا اور مہمانوں کو کھلانے کا انتظام ان کے سپرد تھا۔
(۲) حافظ عبدالرحمٰن سے کون مراد ہیں؟ معلوم نہ ہو سکا۔
(۳) عبدالعزیز سے مراد غالباً حضرت ملا عبدالعزیز صاحب رائے پوری ہیں۔

چاہئے، اللہ تعالی اپنی محبت اور رضاء کے ساتھ آپ کو جمیع مکروہات سے محفوظ اور تمام راحتوں سے محظوظ (لذت یافتہ) رکھیں۔

ازعبداللہ ومعزالدین وغیرہ جملہ خدام السلام علیکم

قاسم علی خان (۱) مرادعلی خاں (۲) السلام علیکم

مورخہ ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۳/ جولائی ۱۹۰۹ء

ازعبداللہ بعد سلام مسنون اینکہ

بندہ کی حالت بہت خراب ہے، آنجناب للہ وقت خاص میں دعا میں ضرور شامل رکھیں، اس میں دریغ نہ فرمایا جائے، حضرت سلمہ سے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے اوروں کے واسطے کچھ کہہ بھی دیتا ہوں، اپنے لئے کچھ نہیں عرض کیا جاتا، چونکہ جناب سے ایک طرح کی بے تکلفی ہے، دلیری سے اپنی آرزو کو تحریر کرتا ہوں کہ ضرور خیال فرما کر دعا سے فراموش نہ فرمائیں گے۔

فقط زیادہ والسلام رائے پور

مکتوب (۹)

عنایت فرمائے بندہ جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ

ازاحقر عبدالرحیم

السلام علیکم!

کل دو خط آپ کے ایک بنام احقر، دوسرا بنام ملاں جی صاحب صادر ہوئے تھے،

(۱) قاسم علی خان سے مراد راؤ قاسم علی بن راؤ مکرم خان بن راؤ اکبر علی خان رائے پوری ہیں۔

(۲) مرادعلی خان سے مراد راؤ مرادعلی خان رائے پوری ہیں۔

جن سے خبر علالت گھر میں کی معلوم ہو کر بہت زیادہ خیال طبیعت کو ہوا تھا۔

الحمدللہ آج جناب کا دوسرا کارڈ پہنچا جس سے خبر صحت معلوم ہو کر فرحت ہوئی، حق تعالی آپ کو مع جملہ متعلقین ساتھ خیریت وسلامتی کے اپنی رضامندی میں رکھے۔

دیگر عرض یہ ہے کہ حاجی عبدالعزیز خاں (۱) کا خط آیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے برخوردار عبدالرحیم (۲) کی شادی ۹/ جمادی الاولی ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۹/ مئی ۱۹۰۹ء یوم ہفتہ کو مقرر رہے، بارات کرانہ ضلع انبالہ جاوے گی، ان کی خواہش ہے کہ آنجناب شریک شادی ہویں، اور جمادی الاولی تک خان پور پہنچ جاویں۔

فقط زیادہ والسلام

الراقم عبدالرحیم از رائے پور

۲۱/ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ

مطابق ۱۲/ مئی ۱۹۰۹ء

مکتوب (۱۰)

مشفقی مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ

چک نادرشاہ، ڈاکخانہ بہاولنگر

ازعبدالرحیم

السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، مندرجہ سے آگاہی ہوئی، اللہ تعالی اپنی محبت سے مالا مال فرماویں،

(۱) حاجی عبدالعزیز خان بن حاجی سوندھے خان مراد ہے۔

(۲) عبدالرحیم خان خانپوری یہ حاجی عبدالعزیز کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔

شورہ کوٹھی (۱) پر آپ کی سکونت کا مشورہ تھا، کیا سامان ہوا ہے، اور کب تک ارادہ وہاں کی سکونت کا ہے، اس سے مطلع فرماویں، باقی خیریت ہے۔

فقط زیادہ والسلام

الراقم عبدالرحیم از رائے پور ضلع سہارنپور

مورخہ یکم ذی الحجہ یوم دوشنبہ ۱۳۲۵ھ

مطابق ۵/ جنوری ۱۹۰۸ء مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۸/ جنوری ۱۹۰۸ء

جملہ خدام کی جانب سے السلام علیکم

مکتوب (۱۱)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالی

(شورہ کوٹھی)

از عبدالرحیم

السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، حال معلوم ہوا، آپ کی علالت اور پریشانی سے بہت خیال ہوا، آپ ہرگز گھبراویں نہیں، راضی برضائے الہی ہوکر اپنی احتیاج گریہ وزاری کے ساتھ دربار مالک حقیقی دعا میں پیش رکھیں، انشاء اللہ اس کی رحمت واسعۃ سے امید ہے کہ جلدی مرض، صحت سے مبدل ہو، اور پریشانی طمانیت سے۔

(۱) شورہ کوٹھی سے مراد بہاول نگر شہر کے قریب وہ کوٹھی ہے جس میں کسی زمانہ میں ''شورہ'' تیار کیا جاتا تھا، بعد میں یہ جگہ خالی پڑی رہی، حضرت اقدس بہاولنگری قدس سرہ نے جب چک نادرشاہ سے اپنی سکونت ختم کرنے کا ارادہ کیا تو پہلے ''شورہ کوٹھی'' میں قیام کرنے کا ارادہ ہوا تھا۔

باقی جو آپ نے دربارہ برخوردار عبدالحکیم (۱) تحریر کیا ہے، یہ تقاضہ عمر کا ہے، انشاء اللہ آپ کی توجہ سے کچھ ہوتا ہی رہے گا اور جو کہ دربارۂ اشفاق احمد (۲) تحریر فرمایا ہے، اگر اس کی طبیعت علیل رہتی ہے، تو پھر مناسب ہے کہ اس کے حسب خواہش رخصت دیدی جائے۔

حق تعالی آپ کو پوری صحت جلدی مرحمت فرماویں، آپ اس امر کا فکر نہ کریں، کوئی طالب جو پڑھنے کو آوے، اگر آ گیا، تو بے شک اس کی طرف توجہ ہونی چاہئے، ورنہ فراغت کو غنیمت سمجھنا چاہئے، شب وروز توجہ الی اللہ کا شغل، جس قدر ہو سکے، بہت غنیمت جاننا چاہئے، حق تعالی جو خدمت سپرد کریں، اس کو بطوع ورغبت بجالاؤ اور اگر فارغ البالی کریں، تو غنیمت سمجھو اور شکر کرو، اصل کام میں مشغول رہو، اس تشویش میں اپنے خیال کو نہ ڈالو کہ ضرور طلبہ کا مجمع ہو ہی۔

زیادہ والسلام

از محمد عمر خاں سکنہ منولی وعبداللہ امام مسجد رائے پور (۳)

بہاولنگر ۲۸/ فروری ۱۹۰۹ء سلام مسنون

مکتوب (۱۲)

مشفقی جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالی

(چک نادرشاہ)

(۱) برخوردار عبدالحکیم سے مراد حاجی عبدالحکیم بن حاجی عبدالعزیز خان خانپوری مراد ہیں۔

(۲) اشفاق احمد سے مراد حضرت مولانا مولوی اشفاق صاحب رائے پوری ہیں، جو راؤ مراد علی خان کے صاحبزادے اور حضرت اقدس رائے پوری کے بھانجہ ہیں۔

(۳) محمد عمر خان سکنہ منولی اور عبداللہ امام مسجد رائے پور کے حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

ازاحقر عبدالرحیم

السلام علیکم!

آپ کا خط پہنچا، فرحت ہوئی، حق تعالی آپ کو عافیت وسلامتی اور اپنے مقاصد میں فائز المرام کریں، اور ابدالآ باد کو اپنی خوشنودی مرحمت فرماویں۔

برخوردار حافظ محمد اشفاق اور احمد حسن (۱) کی تعلیم کی کیفیت معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی حق تعالی آپ کے فیضان سے ان کو مستفیض کریں، یہاں پر بحمد اللہ تعالی خیریت ہے، حاجی غلام محمد صاحب (۲) بھی یہیں ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، برخوردار عبدالرشید کل سے سخت بیمار ہے، اب بحمد اللہ صحت ہے۔

الراقم بندہ عبدالرحیم از رائے پور

۲۸/ جولائی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۶ھ

ازاحقر محمد عمر دراز (۳) ومولانا مولوی عبدالقادر صاحب وحافظ عبدالرشید ومعز الدین وملا عبدالعزیز صاحب السلام علیکم۔

مکتوب (۱۳)

محبی جناب مولوی اللہ بخش صاحب مدفیوضھم

ازعبدالرحیم

السلام علیکم!

(۳) احمد حسن سے مراد غالباً حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی کے فرزندار جمند ہیں۔

(۱) حاجی غلام محمد صاحب غالباً چک نادرشاہ کے رہنے والے تھے، مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہوئیں۔

(۳) محمد عمر دراز خاں سے مراد حکیم مولوی محمد عمر دراز خان صاحبؒ ہیں، جو قصبہ فتح پور، ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔

آپ کا خط پہنچا، مضمون مندرجہ سے بہت فرحت ہوئی، حق تعالی اپنے حبیب پاک کے صدقہ سے تم کو اپنے مقاصد میں فائز المرام کریں، بندہ بھی آپ کے واسطے دعا کرتا ہے، اور آپ سے امید دعا کی کرتا ہے، یہاں پر سب طرح سے خیر وعافیت ہے۔

اب ارادہ بندہ کا مدارس کی وجہ سے پنجاب کی طرف جانے کا ہے، گمتھلہ، خانپور رائے پور گوجراں سب جگہ جانا ہوگا، غالباً ایک ماہ اس سفر میں صرف ہوگا، باقی سب طرح سے خیریت ہے۔

ازعبدالعزیز بعد سلام عرض ہے کہ حضرت صاحب سلمہ کی صاحبزادی (۱) کا جو گمتھلہ میں تھیں انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۸/ نومبر ۱۹۰۹ء مطابق ۲۳ شوال ۱۳۲۷ھ

معرفت مولوی شہاب الدین (۲) صاحب امام جامع مسجد بہاولنگر

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۱۱/ نومبر ۱۹۰۹ء

مکتوب (۱۴)

ازعبدالرحیم

السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، خیریت معلوم ہو کر خوشی ہوئی، حق تعالی تم کو باعافیت وسلامتی مع جمیع

(۱) حضرت صاحب سلمہ کی صاحبزادی سے مراد حضرت اقدس عالی رائے پوری کی صاحبزادی محترمہ والدہ ماجدہ شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری ہیں۔

(۳) مولوی شہاب الدین صاحب کے بارے میں کچھ معلومات دستیاب نہ ہوسکیں۔

متعلقین اپنی حفاظت میں رکھے۔

میاں گامہ کی بھینس کا حال معلوم ہوا، حق تعالیٰ اس کو واپس کرے، باقی اور سب طرح سے خیریت ہے اور سب کو سلام کہہ دینا۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۱۷/ مارچ ۱۹۱۳ء (۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ)

مکتوب (۱۵)

ازعبدالرحیم

السلام علیکم!

احقر یہاں موجود نہیں تھا، آپ کا خط رکھا ہوا ملا، بیل کی نسبت جو کہ تحریر فرمایا ہے، اس میں جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو، وہ کریں، باقی دوسرے امر میں جس کو آپ نے تحریر کیا ہے، انشاء اللہ دعا سے دریغ نہ ہوگا، آپ نے بھی برخوردار (۱) کی صحت کی کوئی خبر نہیں لکھی کہ چوٹ لگ گئی تھی، اب کیا کیفیت ہے۔

زیادہ والسلام
الراقم عبدالرحیم

۳۰/ اپریل ۱۹۱۳ء (۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ)

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۳/ مئی ۱۹۱۳

معرفت امام صاحب جامع مسجد بہاولنگر

(۱) برخوردار سے مراد غالباً حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب دین پوری مراد ہیں، جو حضرت اقدس بہاولنگری قدس کے صاحبزادے اور آپ کے جانشین ہوئے۔

مکتوب (۱۶)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب مدفیوضہم

ازعبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ موصول ہو کر کاشف مضمون ہوا، تمہاری خیریت اور .... امتحان کی کیفیت جو تم نے تحریر فرمائی ہے، اس سے خوشی ہوئی، اپنی تشریف آوری کو جو تحریر فرمایا ہے، بہت مناسب ہے، آپ سے ملنے کو طبیعت چاہتی ہے، خاں صاحب محمد نواز خاں کی خدمت میں خط لکھ دیا گیا، باقی اور سب خیریت ہے۔

برخوردار عبدالرحمٰن کو دعا اور سب احباب کو السلام علیکم

راقم عبدالرحیم از رائے پور

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۵/ جولائی ۱۹۱۳ء ۲۹/ رجب ۱۳۳۱ھ

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۷/ جولائی ۱۹۱۳ء

مکتوب (۱۷)

ازعبدالرحیم

السلام علیکم!

احقر نے جناب رکن الدین صاحب (۱) تھانہ دار منچن آباد کی نسبت جناب پریذیڈنٹ صاحب (۲) کی خدمت میں خط لکھا تھا، اس کا جواب پریذیڈنٹ صاحب

(۱) رکن الدین صاحب ان کے بارے میں معلومات دستیاب نہ ہوئیں۔

(۲) پریذیڈنٹ صاحب سے مراد حضرت مولانا رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

نے دیا ہے، جس کا مضمون ہے: ''کہ رکن الدین اگر پابند اور تائب ہوگیا ہے تو انشاء اللہ ان کی ترقی جلد کروں گا''۔

اطلاعاً تحریر ہے، آپ تھانہ دار صاحب کو اس سے مطلع کر دیں، باقی سب خیریت ہے۔ زیادہ والسلام

راقم عبدالرحیم از رائے پور

یکم ربیع الاول

مولانا مولوی عبدالقادر صاحب وملانجی صاحب ورستم علی خان سب کی جانب سے سلام مسنون قبول ہو۔

پتہ معرفت: امام صاحب جامع مسجد بہاولنگر

مکتوب (۱۸)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالی

از عبدالرحیم

السلام علیکم!

شاید بروز سہ شنبہ مورخہ ۲۵/ ربیع الثانی مطابق ۲۵/ اپریل ۱۹۱۴ء شام کے چھ بجے جو گاڑی سہارنپور سے چلتی ہے، اس میں احقر بمعیت جناب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب (۱) مولانا مولوی اشرف علی صاحب (۲) بمقصد بہاولپور سوار ہوکر روانہ ہوں گے، وہ (گاڑی) معلوم نہیں کہ کس وقت بہاولنگر پہنچے گی، شاید بروز چہارشنبہ ۲۶/

(۱) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ مراد ہیں۔

(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ مراد ہیں۔

تاریخ کی صبح کو بہاولنگر پہنچنا ہوگا، آپ اس گاڑی پر ضرور تلاش کرلیں، شاید ملاقات کا موقع مل جائے، آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے، مگر وہاں فرصت اترنے کی نہ ملے گی، اطلاعاً تحریر کیا۔ زیادہ والسلام

عزیز مراد علی خان (۱) نے سہارنپور سے ۲۵/ مارچ کو چاول، بھائی جناب نور احمد صاحب (۲) کے نام روانہ کیے تھے، اس کی رسید سے اطلاع نہیں آئی، اس کی رسید سے اطلاع فرمادیں۔

از جناب حاجی سوندھے خاں صاحب السلام علیکم

از جناب محمد عبدالرحمٰن (۳) سلام مسنون!

راقم عبدالرحیم از خانپور

۲۱/ اپریل ۱۹۱۴ء مطابق ۲۳ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ

مکتوب (۱۹)

از عبدالرحیم

السلام علیکم

آپ کا خط پہنچا، اگر مولوی نور محمد صاحب (۴) کے خط کا انتظار ہے تو خیر، اور اگر آپ کا ارادہ یہاں آنے کا ہے تو آپ کو یہاں کی حالت معلوم ہے، آپ کا گھر ہے،

(۱) عزیز مراد علی خان سے مراد راؤ مراد علی خان جو حضرت اقدس رائے پوری کے بہنوئی اور حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب رائے پوری کے والد گرامی ہیں۔

(۲) بھائی نور احمد سے مراد غالباً حضرت بہاولنگری کے بھتیجے نور محمد ولد اللہ دتہ ہیں۔

(۳) محمد عبدالرحمٰن کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا کہ یہ کون ہیں؟

(۴) حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی مصنف نورانی قاعدہ مراد ہیں۔

رمضان میں یہیں رہیں۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف بعد رمضان تشریف لاویں گے، اگر آپ بھی بعد رمضان تشریف لانا چاہیں تو بہتر ہے اور اگر قبل رمضان آنا چاہیں تو بھی آپ کی مرضی پر منحصر ہے، جس وقت چاہیں آویں، بحمد اللہ تعالی احقر بخیریت ہے۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

رستم علی کا السلام علیکم

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۷/ جولائی ۱۹۱۴ء مطابق ۱۴/ شعبان ۱۳۳۲ھ

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۱۰/ جولائی ۱۹۱۴ء معرفت امام جامع مسجد بہاولنگر

مکتوب (۲۰)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب (چاہ جٹو)

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم!

عنایت نامہ موصول ہوکر مسرت کا باعث ہوا، ہر دو برخورداران (۱) کے تولد کی خبر سے مسرت ہوئی، حق تعالی کا انعام ہے، حق تعالی ان دونوں کو اور عبدالرحمٰن (۲) کو اپنا بندہ مقبول کریں اور دارین کی راحت عطا فرماویں۔

آپ کے بھائی صاحب کی طرف سے فکر ہے، حق تعالی ان کو صحت مرحمت فرماویں، اور آپ کے تمام مقاصد دارین میں فائز المرام کریں۔

(۱) دو برخورداران سے مراد غالباً حافظ عطاء الرحمٰن اور ان کے جڑواں بھائی ہیں۔

(۲) عبدالرحمٰن سے مراد حضرت بہاولنگری کے صاحبزادے ہیں۔

بخدمت مولوی جمال الدین صاحب (۱) و مولوی غلام اللہ صاحب (۲) السلام علیکم اور چوہدری قاسم خان صاحب (۳) کو السلام علیکم

راقم عبدالرحیم

سب حضرات کا السلام علیکم اور مبارک باد

طالب دعا رستم علی کا ہدیہ سلام مسنون قبول اور اس سیاہ رو کے حق میں دعا فرماویں۔

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۲/ نومبر ۱۹۱۴ء (۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ)

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۵/ نومبر ۱۹۱۴ء

مکتوب (۲۱)

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم!

حق تعالی آپ کے بھائی صاحب کو اپنے دامن مغفرت میں چھپاویں، اور آپ "اَلصَّبرُ عِندَ الصَّدمَةِ الْاُولٰی" (صدمہ کے موقع پر صبر کرنا بہت بہتر ہے) کو کام میں لاکر اجر عظیم کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، بندہ دعا گو ہے اور آپ سے بھی درخواست ہے۔

عبدالرحیم از رائے پور

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

سب حضرات کا السلام علیکم! جناب پیر جی (۴) محی الدین صاحب سلمہ ساڈھوروی

(۱) مولوی جمال الدین صاحب سے مراد غالباً حضرت بہاولنگری کے ہم سبق حضرت مولانا جمال الدین چشتی ہیں۔

(۲) مولوی غلام اللہ صاحب کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا، البتہ غلام قادر محمد پور سنسار رواں والے تھے۔

(۳) چوہدری قاسم خاں صاحب کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۴) پیر جی محی الدی ساڈھوروی کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہوئی۔

السلام علیکم عرض کرتے ہیں:

رستم علی کے لیے دعا درستی اخلاق وحسن خاتمہ کی کرتے رہیں:" ان اللّٰہ لایضیع اجر المحسنین "۔

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۲۱/نومبر ۱۹۱۴ء

مکتوب (۲۲)

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم!

عنایت نامہ موصول ہوکر کاشف مضمون ہوا، بحمد اللہ تعالیٰ بندہ بخیریت ہے، بندہ کو دعا سے دریغ نہ ہوگا اور آپ سے دعا کا خواستگار ہے۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

مولوی عبدالقادر صاحب گھر پر گئے ہیں، جاتے یا آتے وقت آپ سے ملنے کو کہتے تھے، از کمترین غلامان رستم علی بعد سلام مسنون دعا حسن خاتمہ کی درخواست قبول ہو۔

مہر ڈاک خانہ رائے پور ۵/فروری ۱۹۱۵ء

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۷/فروری ۱۹۱۵ء

مکتوب (۲۳)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم!

بندہ اب قابل سفر کرنے کے نہیں رہا ہے، جب تک طاقت رہی شریک جلسہ ہوتا رہا، جناب پریذیڈنٹ صاحب (۱) کی خدمت میں عذر لکھ دیا ہے، جناب مولوی غلام قادر صاحب (۲) کا والا نامہ آیا تھا، بندہ نے ان کی خدمت میں بھی عذر لکھ دیا ہے۔ فقط

جو حالت پیش آرہی ہے، اس کا کچھ فکر نہ کریں اور دیکھیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ زیادہ والسلام

حاجی عبدالعزیز صاحب خانپوری (۳) موجود ہیں، السلام علیکم کہتے ہیں۔

راقم عبدالرحیم از رائے پور

رستم علی کا ہدیہ سلام مسنون عرض

از خادم عبدالحکیم خانپوری (۴) سلام مسنون عرض ہے۔

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۲۵/مئی ۱۹۱۵ء مطابق ۱۰/رجب ۱۳۳۳ھ

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۲۸/مئی ۱۹۱۵ء

مکتوب (۲۴)

مکرمی جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

از عبدالرحیم

---

(۱) جناب پریذیڈنٹ سے مراد حضرت مولانا رحیم بخش صاحب صدر کونسل بہاولپور ہیں۔

(۲) مولوی غلام قادر سے مراد غلام قادر محمد پور سنسارواں والے ہیں۔

(۳) حاجی عبدالعزیز خانپوری حضرت اقدس رائے پوری کے سمدھی مراد ہیں۔

(۴) حاجی عبدالحکیم خانپوری حاجی عبدالعزیز صاحب خانپوری کے بڑے صاحبزادے ہیں۔

السلام علیکم !

عنایت نامہ موصول ہوا، حق تعالیٰ تم کو اپنے حبیب پاک کے صدقے سے اپنی رضا مندی وحفاظت میں رکھیں۔

بندہ کو گاہ گاہ حرارت ہو جاتی ہے، ضعف طبیعت پر غالب ہے، پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے، یہاں کے جواب کا انتظار نہ کیا کریں، اب خط لکھوانا بھی دشوار ہوتا ہے۔

زیادہ والسلام بقلم رستم علی

ازسگ دربار رستم علی السلام علیکم واستدعاء، اصلاح وخیر وخاتمہ بالایمان۔

حضرت کو حرارت ہو جانا اندیشہ ناک ہے، ویسے اب نسبتاً تندرست ہیں، معالجہ بہت ہوا، اب گھبرا کر دوا ترک فرما دی، دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس ابر کرم کو ہمارے سروں پر تادیر متقاطر رکھیں۔ آمین

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۵/نومبر ۱۹۱۵ء

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۸/نومبر ۱۹۱۵ء

مکتوب (۲۵)

ازاحقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا تھا، اس میں صاحبزادہ کی بیماری کا حال لکھا تھا، مگر اس کے بعد جناب نے پھر اس کا حال نہیں لکھا، اس طرف بہت خیال ہے، اپنی خیریت اور صاحبزادے کی صحت سے مطلع فرماویں، تاکہ اطمینان ہو۔

احقر کو بخار اور ضعف بدرجہ غایت ہے، خطوں کا پڑھنا اور ان کا جواب لکھانا دشوار ہو گیا ہے، اس لیے جواب دیر سے دیا جاتا ہے۔ والسلام

عزیزم عبدالحکیم

السلام علیکم !

تمہارا خط آیا، احوال معلوم ہوا، تمہاری جسمانی اور روحانی بیماری کے دفعیہ کے لیے دعا کی جاوے گی، جب کوئی واہیات خیال آیا کرے تو بزرگوں کے فرمودہ کا خیال فرمالیا کریں، اپنے نفسانی خیالات کی پیروی نہ کریں، اس کا انجام بہت خراب نکلتا ہے، تعلیم اور کتاب کے شغل میں مصروف رہا کرو، بے کار نہ رہو، باقی خیریت ہے۔

والسلام

ازنور محمد السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

مہر ڈاک خانہ رائے پور ۱۳/ دسمبر ۱۹۱۵ء

مہر ڈاک خانہ بہاولنگر ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۵ء

مکتوب (۲۶)

ازعبدالرحیم

السلام علیکم !

آپ کا جوابی کارڈ موصول ہو کر کاشف مضمون ہوا، آپ عبدالحکیم سے فرماویں، کہیں جانے آنے کا نام نہ لیں، وہیں ٹھہر کر پڑھنے میں کوشش کرے، اگر وہ نہ مانیں تو ان کو اختیار ہے، کسی کا خط آوے اور کوئی بلاوے نہ جاوے، جب تک حاجی صاحب نہ بلاویں کہیں نہ جاوے۔

احقر کی طبیعت بہ نسبت سابق اچھی ہے، روز بروز نسبتاً صحت ہوتی جاتی ہے، البتہ ضعف زیادہ ہے، سب احباب کو درجہ بدرجہ دعاء

والسلام

الراقم عبدالرحیم از رائے پور

از عبدالعزیز(۱)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس کے بعد عرض ہے کہ کریم الدین خانپور(۲) سے بھاگ کر یہاں آ گیا ہے، اب تک مدرسہ میں داخل نہیں کیا، پڑھتا ہے۔

ایک خط حاجی عبدالعزیز خان صاحب(۳) کی خدمت میں بھیجا تھا، حاجی صاحب نے تو رائے پور کے مدرسہ میں داخل کر لینے کی اجازت لکھ دی ہے، جناب بھی بواپسی مطلع فرماویں، یہاں داخل کرلیا جاوے یا نہ کیا جاوے، کریم الدین کے بارے میں جیسی رائے ہو، اس سے مطلع فرماویں۔

زیادہ والسلام

بھائی عبدالحکیم صاحب ومولوی خدابخش صاحب(۴) کو سلام مسنون پہنچے

عبدالعزیز رائے پور ۳/ جنوری ۱۹۱۶ء

بہاولنگر ۵/ جنوری ۱۹۱۶ء بمطابق ۲۷/ صفر ۱۳۳۴ھ

---

(۱) عبدالعزیز سے مراد حضرت ملا حاجی عبدالعزیز رائے پوری ہیں۔

(۲) کریم الدین کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ کون ہیں؟۔

(۳) حاجی عبدالعزیز خانپوری حضرت اقدس رائے پوری کے سمدھی مراد ہیں۔

(۴) مولوی خدابخش صاحب کے بارے میں معلوم نہیں کہ کون ہیں؟

مکتوب (۲۷)

از عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مولوی نور محمد صاحب کے نام پر موصول ہوا، کریم الدین وعبدالکریم (۱) کی صحت یابی اور آپ کی خیریت معلوم ہوکر مسرت ہوئی، اب بحمداللہ تعالی چار پانچ یوم سے مرض میں تخفیف ہے، ضعف زیادہ ہوگیا ہے۔

محمد اسماعیل خان (۲) سکنہ ''گمتھلہ راؤ'' نے یہاں آ کر یہ بیان کیا کہ مولوی اللہ بخش صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ رائے پور سے یعنی احقر اجازت دے دے تو میں تجھ کو ملازم کراسکتا ہوں، اس شرط پر کہ لڑائی پر نہ لے جاویں گے، اگر کسی کی ملازمت ہوسکتی ہے تو آپ کوشش فرماویں، جس موقع پر آپ مناسب سمجھیں خواہ شرائط کے ساتھ ہو۔

زیادہ والسلام

از احقر محمد اسماعیل گمتھلوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

بندہ آپ کے فرمان کے مطابق حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت اقدس سے نوکری کا ذکر کیا، حضرت اقدس نے فرمایا بہت اچھا ہو کہ تمہاری نوکری وہاں پر ہو جاوے اور اس خط کا جواب ''گمتھلہ راؤ'' ارسال فرماویں۔

زیادہ والسلام

---

(۱) کریم الدین غالباً حضرت بہاولنگری کے بھتیجے حاجی کریم الدین ولد الٰہی بخش صاحب مراد ہیں اور عبدالکریم کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۲) محمد اسماعیل خان گمتھلوی کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ کون صاحب ہیں؟۔

محمد اسماعیل از رائے پور، ضلع سہارنپور

مہر رائے پور ۳/ جنوری ۱۹۱۸ء مطابق ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

مہر بہاولنگر ۵/ جنوری ۱۹۱۸ء مطابق ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

مکتوب (۲۸)

جناب مولوی اللہ بخش صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم

آپ کا والا نامہ صادر ہوا، آپ اور متعلقین کی تکلیف برخوردار (۱) والدہ صاحبہ، آپ کے بھائی اور اوروں کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر بہت فکر اور صدمہ ہوا، حق تعالیٰ ان مرحوموں کو غریق رحمت فرماویں، اور آپ کو اور متعلقین کو شفائے کاملہ عطا فرماویں اور اس بلا سے نجات بخشیں۔

یہاں بھی بخار کی بہت کثرت ہو رہی ہے، آپ خوب دانا ہیں، بندہ کا کام اس مالک کی رضا پر راضی رہنا ہے، جس حال میں وہ مالک رکھے، اس پر راضی رہنا چاہئے۔

عبدالرحمٰن اور اس کی والدہ کی طبیعت کا حال بواپسی مطلع فرماویں، آپ اپنی، عبدالرحمٰن اور والدہ صاحبہ کی کیفیت سے جلد مطلع فرمائیں۔ زیادہ والسلام

راقم عبدالرحیم از پیلوں

(۱) برخوردار سے مراد حافظ عطاء الرحمٰن کے جڑواں بھائی ہیں جو ۴/۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے تھے۔

مولانا مولوی حکیم وہاج الدین صاحب (۱)

مولانا مولوی عبدالقادر صاحب

عبدالعزیز (۲) و عبدالرحیم (۳) سلام مسنون

مہر ڈاکخانہ رائے پور ۲۹/ اکتوبر ۱۹۱۸ء مطابق ۲۳/ محرم ۱۳۳۷ھ

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر یکم نومبر ۱۹۱۸ء

مکتوب (۲۹)

حسب الارشاد حضرت مولانا صاحب رائے پوری مدفیضہ

بخدمت جناب مولانا اللہ بخش صاحب مدظلہ

السلام علیکم!

گذارش ہے کہ مولوی اللہ بخش صاحب (۴) سکنہ جونی کلاں مقیم بڑھن پور ضلع انبالہ، ایک طالب علم کو جناب کی خدمت میں بغرض تعلیم بھیجیں گے، اور اس طالب علم کے احوالات خواندگی و حالات و عادات زندگی سے اطلاع دیں گے، آپ اس طالب علم کو اپنے اور طالب علموں کی طرح اپنے پاس رکھیں، اور ان کے سبق و طبق کا انتظام کریں اور اس کے اخلاق و تعلیم و تربیت کا خیال رکھیں۔

والسلام

(۱) مولانا حکیم وہاج الدین صاحب حضرت اقدس گنگوہی سے بیعت تھے۔

(۲) عبدالعزیز سے مراد حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری ہیں جو حضرت شاہ عبدالرحیم کے نواسے تھے۔

(۳) عبدالرحیم سے مراد حاجی عبدالعزیز خان صاحب خانپوری کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

(۴) مولوی اللہ بخش صاحب کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہ ہوئی۔

راقم الحروف نور محمد لدھیانوی نور پوری

حسب ارشاد حضرت مولانا صاحب مدظلہ العالی وسلمہ رائے پوری وارد حال دیوبند، ضلع سہارنپور، یوم السبت ۶/شوال ۱۳۳۳ھ

مہر ڈاکخانہ دیوبند ۲۸/ اگست ۱۹۱۵ء

مہر ڈاکخانہ بہاولنگر ۲۹/ اگست ۱۹۱۵ء

مکتوب (۳۰)

مکرمی جناب مولانا مولوی اللہ بخش صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حسب ارشاد حضرت قطب الوقت شاہ عبدالرحیم صاحب ایک جلسہ معلمین قرآن مجید مکاتب اسلامیہ بتاریخ ۱۱/ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹/ نومبر ۱۹۱۵ء بمقام مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور ضلع سہارنپور منعقد ہوگا، لہٰذا آنجناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ بھی ایک روز قبل از جلسہ پنجشنبہ ۱۰/ محرم الحرام کی شام تک رائے پور پہنچ جائیں تاکہ علی الصبح شامل جلسہ ہوں۔

اس جلسہ میں اس امر پر غور کیا جائے گا کہ تعلیم کا انتظام کیا ہو، جس سے طلبہ جلدی پڑھنا سیکھیں اور ان کو علم کا شوق اور رغبت پیدا ہو، بواپسی ڈاک ارادہ تشریف آوری سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

مولوی احمد حسن پسر بھائی عبدالقادر صاحب انبالوی اور مولوی عبداللہ صاحب سکنہ چونی کلاں ضلع انبالہ اور حاجی سوندھے خاں سکنہ خانپور اور حکیم غلام محمد صاحب سکنہ ٹیٹہ کی طرف سے سلام علیکم

حضرت سلمہ کی طبیعت اب اچھی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ صحیح وسلامت خیر وعافیت سے رکھے۔

والسلام

نور محمد از رائے پور مدرسہ فیض ہدایت

مکتوب (۳۱)

المخدوم المکرّم جناب حضرت مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحبؒ

از احقر عبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت باعث تصدیعہ یہ امر ہے کہ کوئی خبر یہاں رؤیت ہلال ماہ مبارک (بجز خط مولوی حکیم جمیل الدین صاحب کے) نہیں آئی، مولوی صاحب کا مضمون یہ ہے، جو انہوں نے غازی پور سے لکھا ہے: ''یہاں ایک مسلمان پابند صوم وصلوۃ مستور الحال نے میرے سامنے اس مضمون کی شہادت دی کہ شنبہ ۲۹/ شعبان کو میں نے خود رمضان کا چاند دیکھا ہے، اور میرے بھائی اور ایک عورت نے بھی...... مولانا عبدالغفار صاحب کا...... جو شاگرد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے ہیں، اور عالم باعمل ہیں، گورکھپور سے خط آیا اور مجھے یقین ہے کہ یہ انہیں کا خط تھا، اس میں چاند کے متعلق یہ مضمون تھا:

''گورکھپور میں ایک مسلمان نمازی نے شنبہ کو رؤیت ہلال کی شہادت دی، بقاعدہ شرعی شہادت تسلیم ہوکر اعلان ہوا، اکثر لوگوں نے یکشنبہ سے روزہ شروع کردیا، میرے نزدیک یہ دونوں شہادتیں معتبر ہیں'' یہ حکیم صاحب کا مضمون ہے، اب ہمیں کیا کرنا

چاہئے، جواب سے جلد مطلع فرمائیں۔

نیز یہ عرض ہے کہ مسجد تیار ہوگئی، آخیر جمعہ کو افتتاح ہوگا، لہٰذا تشریف لاویں، اطلاعا عرض ہے، مولوی زکریا کی والدہ مکرمہ کی خدمت میں السلام علیکم عرض کردیں۔

راقم عبدالرحیم

ازمحمد اشفاق السلام علیکم ازرائے پور

مکتوب (۳۲)

ازعبدالرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ موصول ہوا، خیریت مزاج معلوم ہوکر مسرت ہوئی اور دوسری کیفیت سے خیال پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ آپ کو بعافیت وسلامتی اپنی حفاظت میں رکھیں، اور اپنی مرضیات میں استقامت مرحمت فرماویں، اگر ممکن ہوتو والد ماجد صاحب سے معافی چاہیں، انشاء اللہ دعا بھی کی جاوے گی۔

جب سے احقر لاہور سے آیا، بعد چار پانچ روز کے بخار، کھانسی میں ترقی روز بروز ہونی شروع ہوگئی اور ضعف بھی زیادہ ہوگیا، اسی وجہ سے حسب رائے ڈاکٹر صاحب وچند احباب کے مشورہ سے دواوغیرہ لے لیا ہوں۔

انشاء اللہ آپ کے معاملات میں دعا کی جائے گی، آپ اپنے اشغال کو کرتے رہیں۔

زیادہ والسلام

راقم عبدالرحیم ازرائے پور

بخدمت چودھری عالم علی خان صاحب (۱) سلام مسنون!

دیگر احباب کو درجہ بدرجہ دعا وسلام

مکتوب (۳۳)

غلام محی الدین شاہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ صادر ہوکر موجب مسرت ہوا، حق تعالیٰ آپ کو بعافیت وسلامتی اپنی حفاظت میں رکھیں اور منشی محمد انور صاحب (۲) کو جلد اس عارضہ (بواسیر) سے نجات دیں، احقر کی مرض کی حالت بدستور ہے۔ والسلام

راقم عبدالرحیم ازرائے پور

ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

مکتوب (۳۴)

غلام محی الدین شاہ صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا عنایت نامہ صادر ہوکر موجب انکشاف حالات ہوا، حق تعالیٰ جناب کے تمام تفکرات کو رفع فرماویں، اور آپ کو طمانیت کلی بخشیں اور تمام مقاصد میں فائز

(۱) چوہدری عالم علی خاں صاحب حضرت مولانا رحیم بخش صاحب کے چچازاد بھائی تھے۔

(۲) منشی محمد انور صاحب غالباً حضرت غلام محی الدین شاہ ہمدانی کے متعلقین میں سے تھے۔

المرام کریں۔

زیادہ والسلام

راقم عبدالرحیم از رائے پور

مکتوب (۳۵)

غلام محی الدین شاہ صاحب

السلام علیکم!

از احقر عبدالرحیم

عافیت مزاج معلوم ہوکر مسرت ہوئی اور ہمشیرہ صاحبہ (۱) کی تکلیف کا معلوم ہوکر خیال ہوا کہ حق تعالی ان کو صحت کامل، شفائے عاجل مرحمت فرمائے، انشاءاللہ احقر بھی دعا کرے گا، دعا میں دریغ نہ ہوگا۔

حق تعالی جناب کو بعافیت وسلامتی مع جملہ متعلقین اپنی حفاظت میں رکھیں اور جمیع مقاصد میں کامیاب فرماویں، کئی روز سے احقر کے مرض میں قدرے افاقہ ہے۔

زیادہ والسلام

۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ راقم عبدالرحیم از رائے پور

(۱) حضرت سید غلام محی الدین شاہ ہمدانی کی دو ہمشیرہ تھیں، ایک سید حافظ ممتاز علی شاہ کے نکاح میں تھیں جن سے دو دختران ہوئیں اور دوسری سید امانت علی شاہ صاحب سے بیاہی گئیں، جن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

حمد وشکر بارگاہ رب العالمین

الحمدللہ آج ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۴/مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعرات علی الصباح بعد فجر بیت اللہ کے سامنے مقام ابراہیم کے پاس اس کتاب کی تکمیل ہوئی، اللہ تعالی مقامات مقدسہ کی برکت سے اس کتاب کو قبول فرمائے، اور ناکارہ کا حشر بزرگوں اور صاحب سوانح کے ساتھ فرمائے "رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ"۔

محمد مسعود عزیزی ندوی

حرم مکی، مکہ مکرمہ